تذکرۂ
علماء و مشائخ
سرحد

فقیر محمد امیر شاہ قادری
سجادہ نشین یکہ توت۔ پشاور

مکتبۃ الحسن
کوچہ آقا پیر جان
یکہ توت۔ پشاور

تذکرہ
علماؔ و مشائخ سرحد

جلد اوّل

(فقیر) محمد امیر شاہ قادری
(سجادہ نشین) یکہ توت پشاور

مکتبۃ الحسن کوچہ آقا پیر جان = یکہ توت پشاور

دیباچہ (طبع دوم)

الحمد للہ ثم الحمد للہ، کہ "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" (جلد اوّل) کی دوسری اشاعت قارئین کے ہاتھوں میں آ رہی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۴ء میں ملک دین محمد پریس لاہور سے طبع ہو کر عظیم پبلشنگ ہاؤس خیبر بازار پشاور سے شائع ہوئی جو کہ تاریخی، دینی و علمی حلقوں میں بہت ہی زیادہ قبولیت کی نظر سے دیکھی گئی اور تقریباً ایک برس کے اندر اندر فروخت ہو کر بالکل ناپید ہو گئی۔

اس کتاب کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے صدقے میں مآخذ کے اعلیٰ مقام سے نوازا اور پاکستان کے فضلاء، علماء اور مؤرخین نے اس کی دوبارہ اشاعت پر بہت زیادہ توجہ دلائی۔ اس فقیر کو کتاب کی روز افزوں طلب پر احساس تھا کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے تاکہ سرحد کے علماء و مشائخ کی پاکیزہ زندگی سے خواص اور عوام کما حقہٗ مستفیض ہو سکیں۔ لیکن اس "تذکرہ علماء و مشائخ" کی دوسری جلد (جس میں ہزارہ۔ مردان اور ضلع پشاور کے . . . . . . علماء و مشائخ کا ذکر تھا) کی اشاعت میں مصروف ہو گیا جس کی بدولت پہلی جلد کی

دوبارہ اشاعت تعویق میں پڑ گئی۔ قارئین جانتے ہیں کہ مسودہ کا بیضہ کرنا پھر صوبہ سرحد کی سنگلاخ زمین میں کتابت کے گوناگوں مسائل سے عہدہ برآ ہونا، نیز طباعت کے افق کو چھو کر کتاب کو قارئین کے ہاتھوں تک پہنچانا کتنا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور پیارے محبوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ عنایت سے اس کتاب کی دوسری جلد ۱۹۷۲ء میں منظرِ عام پر آئی۔ علماء و مشائخ کے مستند حالات زندگی پڑھنے والے حضرات کے سامنے اب اس کتاب کی پہلی جلد دوبارہ پیش کی جا رہی ہے۔ یہ فقیر اس ضمن میں ان تمام شائقین علم و ادب اور تاریخ و سوانح کا انتہائی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اس کوشش کو شاندار طریقہ پر شرفِ قبولیت بخشا۔ نیز اس سلسلے میں اپنے مخلص اور محترم دوست جناب الحاج منظور الٰہی صاحب قادری زونل چیف سٹی ڈویژن یو۔ بی۔ ایل خلف الرشید جناب کرم الٰہی صاحب قادری مدظلہ، کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے اس اشاعت کے جملہ مصارف برداشت کئے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو عزت و کامرانی سے نوازے۔ آمین ثم آمین

(فقیر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی
یکہ توت پشاور شہر

فہرستِ مضامین

شمار	مضمون	صفحہ
	پیش لفظ از جناب علامہ مولانا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب ایم۔اے عربی (گولڈ مڈلسٹ) ایم۔اے فارسی، فاضل ڈابھیل، مولوی فاضل (میڈلسٹ) منشی فاضل، ادیب فاضل۔ صدر شعبۂ عربی (اسلامیات) پشاور یونیورسٹی۔	
	عرض حال از مصنف	
۱	حضرت سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا صاحب	۱
۲	حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف اخون پنجو صاحب	۱۶
۳	حضرت اخوند درویزہ صاحب ننگرہاری	۲۵
۴	حضرت شیخ المشائخ شیخ رحمکار صاحب المعروف کاکا صاحب	۳۹
۵	حضرت شیخ المشائخ حاجی محمد اسماعیل غوری	۴۶
۶	ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب تنادسی	۴۹
۷	حضرت شیخ یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی صاحب	۶۳

شمار	مضمون	صفحہ
۸	حافظ عبد الغفور صاحب نقشبندی	۶۸
۹	حضرت شیخ المحدثین سید شاہ محمد غوث صاحب	۷۴
۱۰	حضرت غوثِ زماں میاں محمد عمر صاحب نقشبندی	۹۱
۱۱	حضرت غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب پشاوری	۱۰۱
۱۲	حضرت قطبِ وقت فضل احمد صاحب معصومی المعروف حضرت جیو صاحب	۱۰۴
۱۳	حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف "آسیا والے میاں صاحب"	۱۱۳
۱۴	حضرت علامہ حافظ محمد احسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب	۱۲۲
۱۵	حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب المتخلص بہ واعظ	۱۲۸
۱۶	حضرت آقا سید پیر جان صاحب	۱۳۹
۱۷	امام المجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبد الغفور صاحب سوات	۱۴۹
۱۸	مولینا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاوری	۱۵۸
۱۹	حضرت آغا میر جانی صاحبؒ قلندر	۱۶۴
۲۰	شیخ العلماء حضرت میاں نصیر احمد صاحب المعروف میاں صاحب قصہ خوانی	۱۶۷
۲۱	محدثِ اعظم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب	۱۷۲
۲۲	مولنا قاری حافظ میاں محمد صاحب (بھانہ ماڑی)	۱۷۶
۲۳	سید ملک شاہ صاحب قادری نوشاہی	۱۸۰
۲۴	حضرت خواجہ عبد الرحمان صاحب چھوہروی (ہری پور ہزارہ)	۱۸۴
۲۵	حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی	۱۹۸

ـ	مضمون	صفحہ
۲۶	فخر المجاہدین شیخ المشائخ حضرت فضل واحد صاحب المعروف حاجی صاحب ترنگزئی	۲۰۷
۲۷	خواجہ عبدالرحمن صاحب نقشبندی بہادر کلی پشاور	۲۱۹
۲۸	حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب نقشبندی ساکن کوٹلہ محسن خان پشاور	۲۲۴
۲۹	جناب فقیر خدا بخش صاحب نوشاہی	۲۳۱
۳۰	مفتی سرحد مولینا عبدالحکیم صاحب	۲۳۴
۳۱	حضرت میر آغا (آغو) جان صاحب کابلی	۲۳۹
۳۲	حضرت مولانا سید حبیب شاہ صاحب	۲۴۶
۳۳	حضرت شیخ الحدیث صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب	۲۵۳
۳۴	حضرت مفتی اعظم علامہ دوران مولینا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی	۲۵۸
۳۵	حضرت قدوۃ السالکین سید شریف حسین صاحب شاکر بغدادی	۲۶۷
۳۶	حضرت مولینا سید فضل صمدانی صاحب بنوری	۲۷۲
۳۷	الحاج حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب قادری چشتی	۲۷۶
۳۸	حضرت استاذ الاساتذہ سید محمد ایوب شاہ صاحب جعفری	۲۸۰
	تکملہ	
۳۹	حضرت شیخ جنید پشاوری	۲۸۵
۴۰	حضرت حاجی سید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی	۲۸۸

مُعَنْوَنْ

یہ فقیر ہیچمدان اِس کوشش کو اپنے مرشد ارشد والد گرامی قدر

عزت مآب سید السادات حافظ آقا سید محمد زمان شاہ

صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نام نامی سے معنون کرتا ہے

(فقیر) محمد امیر قادری

(سجادہ نشین)

یکہ توت پشاور

۲۰ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ

پیش لفظ

بادشاہوں کے پاس حکومت ہوتی ہے، دولت ہوتی ہے، خدم و حشم ہوتے ہیں، فوج اور سپاہ ہوتی ہے اور قوت و اقتدار کے سارے سامان ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بسا اوقات ان کی حکومت لوگوں کی گردنوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتی۔ ان کی سطوت و جبروت کے سامنے بظاہر لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر بہت کم ایسے خوش قسمت سلاطین ہوتے ہیں جن کی حکومت گردنوں کی سرحدوں سے آگے بڑھ کر دل کی مملکت تک پھیل جائے اور لوگ خلوص نیت سے ان کی حکومت کو تسلیم کرلیں۔

اس کے مقابلے میں ہم ایک ایسے فقیر منش طبقہ کو جانتے ہیں جن کو ایک وقت کے کھانے کا سامان بھی میسّر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے حال میں مست اور گدڑی میں مگن رہتے ہیں۔ نہ نوکر نہ چاکر۔ نہ مال نہ منال۔ مگر دنیا کے بڑے بڑے ارباب سطوت ان کے سامنے جانے سے گھبراتے ہیں۔ اور ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک لفظ اپنے حق میں نوشتۂ تقدیر ٹھہراتے ہیں۔ لوگ از خود ان تاجدارانِ بے تاج اور

سلاطینِ بے سلطنت کے سامنے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ جھکتے ہیں۔ ان کے ہر حکم کو سر آنکھوں سے قبول کرتے ہیں اور ان کی ایک جنبش ابرو پر اپنی جان و مال کا متاع گراں بہا نچھاور کر دیتے ہیں۔ رُوحانی تاجداروں کا یہی سربلند طبقہ ہے جن کا ذکر حافظ شیرازیؒ نے نعتِ رسول میں یُوں کیا ہے۔

غلامِ نرگسِ مست تو تاجدارانند
خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند

صرف یہی نہیں کہ یہ غلامانِ تاجدار اور خرابا تیانِ ہوشیار جب تک زندہ رہتے ہیں تو لوگوں کے دلوں کو مُٹھی میں تھامے رکھتے ہیں اور ان کو حسبِ منشأ و مرضی جدھر کو چاہتے ہیں اُدھر کو موڑتے ہیں۔ نہیں، بلکہ جب ان کی ابد تک زندہ رہنے والی پاک رُوحیں جسم کی قید سے آزاد ہو جاتی ہیں تو ان کی حکومت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے مضبوط ہاتھ قبر کے اندر سے دُنیا کے رہنے والوں پر حکمرانی کرنے لگتے ہیں، لوگ دُور دُور سے اِن کے مزاروں پر آ آ کر حاضری دیتے ہیں اور شاہی درباروں سے بڑھ کر ادب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں معتقدین ان کے مزاروں کی خاک کو ہر آفت کا علاج اور ہر بیماری کا مداوا سمجھتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک فقیرِ بے نوا کے پاس اس قدر سروسامان کہاں سے آجاتا ہے کہ وہ سلاطین کی ہمسری کرنے لگتے ہیں۔ جو شخص بظاہر نہ کسی کو جاگیر

بخش سکتا ہے نہ ملازمت دلوا سکتا ہے۔ نہ کسی کو کوئی مادی منفعت پہنچا سکتا ہے وہ کیونکر انہی بے پناہ طاقت کا مالک ہو جاتا ہے کہ دُنیا کے بڑے بڑے طاقتور اس کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں؟ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کی تحقیق و تفتیش میں ہمیں زیادہ سرگردانی کرنی پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ لوگ دُنیا سے کٹ جاتے ہیں اور صرف "دُنیا والے" کے ساتھ لو لگا لیتے ہیں۔ جو تمام قوتوں کا مرکز اور ساری طاقتوں کا مبداء ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس سعادت مند روح کو قوت و حیات کا سرچشمہ مل گیا۔ اس کے پاس بے حساب طاقت اور بے انداز روشنی مبداء اول سے مسلسل آتی رہے گی۔ وہ دُنیا کے رنج و غم سے آزاد رہے گا۔ اور ہر محنت و ابتلاء کو اپنے لئے باعثِ راحت سمجھے گا۔ اَلَآ اِنَّ اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۝ اَلّذین آمنوا وکانوا یتّقون ۝ لھم البشریٰ فی الحیاۃِ الدنیا وفِی الآخرۃ ۔

یہی وہ بزرگوار ہیں جنھیں قرآن مجید نے "اولیاء اللہ" کا پسندیدہ خطاب عنایت فرمایا ہے۔ آج ہمارے عزیز وطن پاکستان میں اسلام کی جتنی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے جتنے بھائی دین کے سرفروش جانباز نظر آتے ہیں یہ سب انہی بزرگوں کی کرامت ہے، اور انہی روحانی پیشواؤں کی انتھک کوششوں کا ثمر ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ!

وہ انسان کتنا خوش قسمت ہے جو اس نیک خرقہ کے ساتھ اپنی نسبت قائم کر لے۔ ان کی بارگاہ میں حاضری دیا کرے۔ ان کی جوتیاں سیدھی کیا کرے اور ان کے نور سے اپنے دل کے چراغ کو منور کرنے کی کوشش کیا کرے۔ یا کم از کم

اِن کے سوانح کے مُطالعہ میں مشغول رہے اور اسی طرح رُوحانی طور پر ان کی ہم نشینی کی سعادت حاصل کیا کرے۔ ہم جتنی دیر تک کسی بزرگ کے حالات پڑھتے ہیں اتنی دیر تک اس کی مصاحبت و مجالست سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دَور اور ہر زمان میں نیک لوگوں کی کوشش رہی ہے کہ وہ آسان زبان میں بزرگوں کے سوانح عوام تک پہنچائیں اور ہمارے دوست سیّد محمد امیر شاہ صاحب قادری کی کتاب تذکرہ علماء و مشائخ سرحد اسی سلسلہ کی ایک اہم اور بیش قیمت کڑی ہے۔

اس کتاب میں سیّد صاحب نے ان اولیاء اور علماء کے حالات قلمبند کئے ہیں جنھوں نے وادیٔ پشاور میں اسلام کی علمی یا رُوحانی خدمت کی ہے اور اس علاقہ میں دین کی رفتار کو اپنی وُسعت اور حالات کے مطابق تھوڑا بہت آگے بڑھایا ہے۔

پچھلے دو سَو سال سے وادیٔ پشاور کے عظیم المرتبت باشندوں نے اَن گنت دینی تحریکوں اور سیاسی انقلابات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی پُشت پر ایسے اربابِ قلم موجود نہیں تھے جو اِن کی قلمی تصویر اُتار کر ان کو زندۂ جاوید بنا دیتے۔ اس طرح بہت ساری بے مثال شخصیتیں سامنے آئیں اور اپنا فریضہ ادا کر کے رخصت ہو گئیں۔ زمانہ آگے بڑھ گیا اور وہ پیچھے رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ آج ان کے کارنامے تو موجود ہیں لیکن ان کے نام ناپید ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

اس لئے ہمیں جہاں اور جس جگہ سے بھی کسی بزرگ

کے بارہ میں کوئی لکھا ہوا حرف ملے وہ ہمارے لئے "آبِ حیات" کے برابر ہے اور ہمیں حرزِ جان بنا کر اسے محفوظ کر لینا چاہیئے۔ تغافل کا وقت گزر چکا۔ اب قوم کے نشاۃِ ثانیہ کا دور ہے اس لئے مولانا کی یہ خدمت ہر لحاظ سے قابلِ صد تحسین و لائقِ ہزار آفرین ہے کہ انھوں نے مختلف کتبخانوں کو کھنگال کر ڈالا اور ان میں سے ہمارے بھولے بسرے بزرگوں کے کافی حالات جمع کیئے۔ آپ کے پاس یہ کتاب ایسی حالت میں پہنچ رہی ہے کہ آپ اسے پڑھتے وقت مضامین کی دلچسپیوں اور مسائل کی افادیت میں ایسے منہمک ہو جائیں گے کہ مصنف کو بھول جائیں گے اور اس کی محنت کی داد نہیں دے سکیں گے۔ سچی محنت کی داد ہمیشہ اسی طرح بیداد کی صورت میں ملا کرتی ہے مصنف نے پہلے جگہ جگہ سے حالات اکٹھے کیئے۔ پھر اپنی ہی تشنگی کو بجھانے کے لئے گلی گلی گھومے۔ بڑے بوڑھوں اور بڑی بوڑھیوں سے ملے اور جو کچھ ہاتھ لگا اسے آسان اور شستہ زبان میں آپ کے سامنے پیش کیا۔ اور ایک فاضل مصنف بس یہی کچھ کر سکتا ہے

اِس مجموعہ میں دو قسم کے بزرگواروں کا ذکر آیا ہے۔ ایک وہ حضرات ہیں جن کے سوانح دوسری کتابوں میں مرتب ملتے ہیں۔ پیر باباؒ اخوند درویزہؒ۔ حضرت جی صاحب اور اخوند صاحب صوات اسی قسم کے بزرگ ہیں دوسرے وہ حضرات ہیں جن کا تذکرہ دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ جیسے حافظ دراز حافظ محمد عظیمؒ مولینا غلام جیلانیؒ حاجی صاحب ترنگزئیؒ اس دوسرے میدان میں فاضل مصنف نے جو محنت کی ہے اسے عہدِ قدیم میں تحقیق یا اجتہاد کہتے تھے اور آج کل اسے ریسرچ کے بارعب نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس میدان میں

مولانا نے جو محنت کی ہے۔ وہ انہی کی جواں ہمت کا حصّہ ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مصنّف نے فرضی کرامات کی داستانیں نہیں چھیڑیں، بلکہ بزرگوں کے صحیح اور مستند حالات اور دینی خدمات کا نقشہ پیش کیا جس کے لئے وہ ہمارے "مشکور" ہیں۔

کتاب کی زبان صاف اور سادہ ہے۔ مصنّف جواں سال ہے۔ لیکن تحریر کا طرز پختہ ہے اور ہر کام جسے شوق اور خلوص سے کیا جائے اس میں یہ انداز خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور قوم کے قلوب کو اس کتاب کی طرف مائل کر کے اِسے تمغۂ دوام عطا فرمائے۔ آمین

حافظ محمد ادریس

ایم۔ اے عربی (گولڈ میڈلسٹ)

ایم۔ اے فارسی

فاضل ڈابھیل

مولوی فاضل (میڈلسٹ)

منشی فاضل۔ ادیب فاضل

صدر شعبۂ عربی

پشاور یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال

"تذکرہ علماء و مشائخِ سرحد" (جلد اوّل) قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ انشاء اللہ جلد دوم جو ضلع پشاور، ضلع مردان، ضلع ہزارہ، اور جلد سوم جو ضلع کوہاٹ، ضلع بنوں اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علماء و مشائخ کے حالات پر مشتمل ہوگی بتدریج شائع کردی جائے گی۔

جلد چہارم موسوم بہ "تذکرہ حفاظ قرآن مجید پشاور" بفضلہ تعالیٰ مکمل ہو چکی ہے۔ اس میں سنہ ۱۲۰۰ھ سے لے کر اب تک یعنی سنہ ۱۳۸۳ھ تک کے حفاظ پشاور کا ذکر ہے۔

"تذکرہ علماء و مشائخِ سرحد" لکھتے وقت یہ خیال تھا کہ یہ ایک سہل کام ہے مگر جب لکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے بقول خواجہ شیرازیؒ ؎

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکل ہا

مگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اولیاء کرام کی روحانی برکات کی بدولت یہ مشکل کام مجھ جیسے بے بضاعت سے انجام پذیر ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

"تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" نقشِ اوّل ہے، حرفِ آخر نہیں۔ سرزمینِ سرحد وہ مقدس اور پیاری سرزمین ہے جس میں شریعت، طریقت، جہاد فی سبیل اللہ اور آزادیٔ وطن کی جہد و جہد کے وہ چشمے پھوٹے جن سے برِصغیر پاکستان و ہند سرسبز و شاداب ہیں۔

انہی مشائخ کرام کے روحانی فیوض و برکات کی طفیل برِصغیر پاک و ہند میں سلوک و طریقت کی نورانی شمعیں فروزاں ہیں، اور انہی کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہاں اسلام اپنے حقیقی رنگ روپ میں نظر آ رہا ہے۔

انہی نفوس قدسیہ کی برکت ہے کہ آج جگہ جگہ ہدایت و معرفت کی خانقاہیں موجود ہیں، اور یہی وہ ہمت و استقامت کے پیکر تھے جو سیم و زر اور دیگر دنیاوی وسائل سے تہی دست ہونے کے باوجود قرآن، حدیث، فقہ، سلوک، طریقت، جہاد فی سبیل اللہ اور آزادیٔ وطن کا علم بلند کئے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

یہی وہ اولوالعزم مجاہدین تھے جنھوں نے اپنی زاہدانہ، عالمانہ اور مجاہدانہ ضیا باریوں سے ایک عالم کو منور کیا۔ اور لاتعداد گم گشتگان بادیۂ ضلالت کی صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی فرمائی، اور جب بھی کفر، الحاد، زندقہ اور بدعقیدگی کا سیلاب اٹھا تو دین اسلام کے ان مضبوط اور مستحکم قلعوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔

یہی وہ بزرگ شخصیتیں تھیں جن کی گردنیں اللہ جل جلالہٗ اور حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پیروی کے سوا کسی اور کے احکام کے آگے نہ جھکیں اور انھوں نے ہمیشہ کلمۂ حق کو بلند رکھا۔

بعض اولیاء کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے حالات تو اشارۃً بعض کتابوں میں ملے (اور وہ بھی کرامات یا مکشوفات کے ضمن میں) مگر اکثر علماء اور مشائخ کے حالات وکوائف کے لئے انتہائی تلاش، جستجو اور کاوش کرنی پڑی، بالخصوص علماء کے حالات (جو ابھی تک صوبہ سرحد میں کسی نے لکھے ہی نہیں بلکہ اس طرف توجہ ہی نہیں کی)، تو بالکل نایاب اور کم یاب تھے۔

۱۹۶۳ء میں "اباسین آرٹ سوسائٹی پشاور" نے "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد" کو ۱۹۶۳ء کی بہترین کتاب قرار دے کر اوّل انعام بھی دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

میں ان تمام حضرات کا جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل اور اشاعت میں ہاتھ بٹایا ہے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خصوصاً حضرت علامہ مولینا مولوی حافظ محمد ادریس صاحب صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں جنھوں نے انتہائی مصروفیات کے باوجود کتاب کو مطالعہ فرمایا اور "پیش لفظ" لکھ کر احسان مند فرمایا۔ نیز

محکمۂ اطلاعات پشاور (ٹرائبل پبلسٹی برانچ) نے حضرت پیر بابا صاحب کی مسجد اور حضرت اخوند صاحب سوات کے مزار کے بلاک اور وزارت تعمیر نو کراچی نے حضرت اخوند صاحب پنجو (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) کے مزار کا بلاک عنایت فرما کر کتاب کی خوب صورتی میں اضافہ کرنے کا موجب بنے۔

میں ان ہر دو محکمہ جات کے اس تعاون کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

الحمد للہ کہ کتاب کاغذ کی ہوش ربا گرانی کے باوجود چھپ کر قارئین کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اگر اس میں کوئی غلطی یا کمی رہ گئی ہو تو در گذر فرمایا جائے۔ اور اس کے متعلق مجھے مطلع کیا جائے تاکہ آئندہ تصیح کر دی جائے

العذر عند کرام الناس مقبول ؎

سگِ درگاہ عالیہ قادریہ سید حسن بادشاہ صاحب رح

(فقیر) محمد امیر شاہ قادری

یکہ توت پشاور

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

۲۶ مارچ ۱۹۶۴ء

حضرت سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۰۸ھ تا ۹۹۱ھ

آپ کا نام نامی اسم گرامی جناب سید علی القاب غواص بحر حقیقت، غوث خراسان پیر بابا، اور ترمذ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی پیدائش "قندس" میں ہوئی، آپ کے والد کا نام سید قنبر علی تھا۔ آپ کے جد بزرگوار قندس سے آکر ترمذ میں آباد ہوئے۔ آپ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے والد گرامی سید قنبر علی رحمۃ اللہ علیہ بوجہ زہد و ریاضت، مشائخیت، تقویٰ اور ورع کے اپنی نظیر آپ تھے سلسلہ مبارکہ چونکہ پدری تھا، اس لئے مخلوقات خدا، عوام اور خواص میں آپ کی بہت عزت و توقیر تھی۔ اور آپ کو امیر کے نام سے پکارا جاتا، آپ کے جد، جناب امام المسلمین سید احمد نور صاحب سجادہ، متبع سنت تھے "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" کے کرنے میں کمال انہماک رکھتے تھے، دنیا کی طرف التفات نہ رکھتے، اپنی عبادت و زہد میں مصروف رہتے اور بقول حضرت اخون صاحب درویزہ "حضرت پیر بابا

صاحب ابتدائے عمر میں مجذوب الحال تھے اس لئے آپ پر آپ کے دادا صاحب کی نظرِ کرم بہت زیادہ تھی۔" اور آپ اکثر فرماتے کہ "یہ دیوانہ مجھے بہت پسند ہے۔"

حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تربیت آپ کے دادا صاحب نے فرمائی۔

"فقیر را بخدمتِ حضور مشرف ساختہ بودند و تحصیلِ علم تربیت می کردند تا آنکہ تحصیل شرح ملا را در ایامِ طفولیت از خدمتِ ایشاں دریافتم"[1]

"اس فقیر کو اپنے حضور میں مشرف فرما کر علمِ ظاہری سے آراستہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں رہ کر بچپن کی عمر میں ہی میں نے شرح ملا کو پڑھ لیا۔" چونکہ آپ کا ماحول پاکیزگی اور زہد و عبادت کا ماحول تھا اس لئے اس کا اثر آپ کی زندگی پر ضرور ہونا تھا۔ لہذا آپ بچپن ہی سے زہد و تقویٰ کے حامل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اس علمِ ظاہری کے ساتھ ساتھ

"وطریقہ زہد و ریاضت در دلِ من استحکام یافت"[2]

جس وقت آپ کے دادا جناب سید احمد نور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے حضرت پیر بابا صاحب کو قریب بلا کر قرآن پڑھنے کا ارشاد کیا۔ آپ نے (یعنی حضرت پیر بابا نے) تین مرتبہ سورۃ "تبارک الذی" تلاوت کی، اور مجھے فرمایا۔

"اے فرزند ہر برکتے و نعمتے کہ رالحمد، بعضی آنرا از آبا و اجداد نسباً یافتہ بودم بعضی آں را از سلسلہ شریفہ کبرویہ اذناً۔ ہمہ را تو بخشیدم"[3]

یعنی اے میرے بیٹے، جو برکت و نعمت مجھے حاصل تھی اگر وہ اپنے آبا و اجداد سے

---

[1] تذکرۃ الابرار والاشرار ص۱۱۔ [2] ایضاً [3] تذکرۃ الابرار والاشرار ص۱۱

از روئے نسب کے حاصل تھی یا سلسلہ کبرویہ میں اجازت کے طور پر، ان تمام نعمتوں اور برکتوں کو میں نے مجھے بخشا، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ

"افان سلسلہ کبرویہ فقیر انسانجاست[1] -

یہ سلسلہ کبرویہ ہمارے خاندان میں نسلاً بعد نسل جناب شیخ جمال الدّین کبریٰ سے چلا آرہا ہے۔

اسی اثنا میں آپ کے دادا حضرت امام المسلمین سید احمد نور یوسف صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ۹۳۷ھ میں جب بابر کی وفات ہوئی تو ۹۳۷ھ ۱۳ جمادی الاوّل میں بمقام آگرہ ہمایوں تخت نشیں ہوا۔ جب یہ ۹۴۲ھ میں واپس کابل آیا تو جناب پیر باباصاحبؒ کے والد کو بطورِ تبرک کے اپنے ہمراہ لے گیا۔

ہمایوں نے ہندوستان پر غلبہ حاصل کر لیا تو آپ کے والد نے آپ کو دربار میں لے جانا چاہا۔ ایک دو بار آپ گئے بھی مگر اللہ جل جلالہ، کو تو آپ کی ذات مقدس سے اپنے دین کا کام لینا تھا۔ مخلوقِ خدا کی ہدایت کا سبب اور ذریعہ بنانا تھا۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"اما چوں ربِّ جلیل در شانِ من آں خواستہ کہ از دنیا و اہل آں مجتنب سازد[1]"

یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے یہ چاہتے تھے کہ مجھے دنیا اور اہل دنیا سے بچائے" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ جس طرح شاہانہ آداب تھے پورا نہ کرتے اور آپ کو ایسی مجالس سے اتنی نفرت ہوئی کہ ایک بار ایسی مجلس سے واپس آتے ہی ان تمام پہناؤں کو اتار کر علما وصلحاء کی طرف لوٹ پڑے، اور علم کی تکمیل کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تکمیل علوم کرلی تکمیل

---

[1] ایضاً

علوم کے بعد روحانی فیوض و برکات کے حصول کے لئے آپ پانی پت میں حضرت شاہ شرف الدین قلندر کے مزار پر حاضر ہوئے، اور فیضِ باطنی سے حضرت شرف الدین قلندر نے آپ کو نوازا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"توجہ حضرت شیخ در دلِ من تاثیر پیدا آمد، وجنبشی ہویدا"

اس تاثیر قلبی کی کیفیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ پانی پت سے نکل کر ایک نامعلوم گاؤں میں عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔

چونکہ آپ اکیلے بغیر کسی کو اطلاع کئے گھر سے نکلے تھے لہذا آپ کے والد کو بہت ہی پریشانی لاحق ہوئی اور بہت تلاش کے بعد آپ کو دریافت کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے آپ کو پایا تھا، والد کی خدمت میں پیش کیا۔ والد نے بہت نصیحت فرمائی، مگر آپ پر کچھ اثر نہ ہوا، اور والد سے اجازت لے کر اب بالکل گھر کو چھوڑ دیا، اور تلاشِ حق کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت جاننے والوں کے لئے نکلے حضرت پیر بابا صاحبؒ اثنا سفر میں مانک پور پہنچکر حضرت امام المسلمین وارث علوم انبیاء والمرسلین شیخ سیلونہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی صحبت میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"تعلم تحصیل بکتاب ھدایہ رسانیدم"۔

گویا آپ نے دیگر علوم کے علاوہ علم فقہ حنفی کی بھی تکمیل کر لی۔

تکمیل کے بعد آپ نے ان سے مُرید ہونے کی درخواست کی، مگر حضرت شیخ سیلونہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجمیر شریف بھیج دیا جب آپ حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ نے حضرت پیر باباصاحب سے حسب ونسب اور دیگر کوائف دریافت کئے، اور آپ کو فرمایا کہ

"حصولِ طریقہ وصول بے کیف جز بطولِ صحبت مرشدِ کامل قشرع بحصول نہ پیوند"

"یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت قشرع مرشدِ کامل کی طویل صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی"

آپ نے نہایت ہی اخلاص و محبت کے ساتھ عرصہ دراز تک آپ کی صحبتِ بابرکت کو حاصل کیا۔ پھر حضرت سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کو طریقہ چشتیہ میں خلافت عطا فرما کر ماذون فرمایا۔ صاحبِ اجازت ہونے کے بعد عوام و خواص آپ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ کے اوراد و اشغال میں فرق آنے لگا، آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس مصیبت اور بلا سے مجھے نجات دلایئے۔ جناب سالار رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ آپ کوہستان کی طرف نکل جایئے۔ اور سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیجئے۔ آپ اجمیر شریف سے کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے سفر میں آپ گجرات کے ایک گاؤں پنڈ داؤد میں جب پہنچے، اس گاؤں میں ایک شخص مسمی کیلاس نے آپ کو دیکھتے ہی تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ جس شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی ہے اس کی بیان کردہ خواب کے مطابق لوگوں نے آپ کا وہی حلیہ مبارک پایا۔ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے اور کافی سے زیادہ بیعت ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ کو کہیں بھی جانے نہ دیا۔ چند سال آپ اس علاقہ میں سلسلہ کی اشاعت کرتے رہے۔ مخلوق کا اژدہام، آپ کے اوقاتِ عبادت میں خلل انداز ہوا۔ آپ نے پھر یہیں سے واپس اجمیر شریف جانے کا قصد کیا۔

واپسی پر دوبارہ راستے میں آپ کی ملاقات والد گرامی سے ہوئی۔ یہ ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں نے کابل کا رُخ کیا۔ اس لاؤ لشکر میں آپ کی ملاقات والد سے ہوئی۔ آپ کے والد جناب سید قنبر علی صاحب

نے جب آپ کو ایک عرصہ کے بعد دیکھا اور ایک دوسری کیفیت سے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت پیر باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اما آہ تحسر و تاسف میکشید کہ من بر غلط رفتہ بودم" جائی آباؤ اجداد را شما گرفتید، در دین و دنیا کار ہمیں است کہ تو گرفتی الحمد للہ کہ بدیں رتبہ رسیدی"

یعنی افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں غلطی پر ہوں، آپ نے اپنے اجداد کے راستہ کو اختیار کیا اور دین و دنیا میں یہی کام ہے جو تم کر رہے ہو۔ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ تم اس مرتبہ کو پہنچے" چونکہ سیاست ملکیہ خراب تھی ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی کشمکش سے لوگوں پر عرصہ حیات تنگ تھا۔ اس وجہ سے آپ چند دن ٹھہر کر پھر اجمیر شریف روانہ ہوئے۔ آپ کے پیر و مرشد فوت ہو چکے تھے جب آپ اجمیر شریف پہنچے تو حضرت سالار رومی کے فرزند جناب حسین صاحب (جو کہ صاحب سجادہ تھے) مراقبہ میں تھے۔ جب انھوں نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو حضرت پیر باباصاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا

"اے سید علی دریں زمان و ہمہ این اوان و ہم دین مراقبہ وہم دریں مشاہد حضرات پدر مشفق و پیر محقق را دریافتیم بعد از ملاقات فرمود، اے فرزند از من دو خرقہ ماندہ یکے را پارچہ پارچہ ساختہ درمیان معتقدان قسمت ساز و خرقہ دوم را بپیش آئندہ ایں حال برسان کہ حق آں جانب است پس پیش آئندہ ایں حال شمارا یافتم"[1]

یعنی اے سید ! مجھے ابھی اس مراقبہ میں حضرت قبلہ گاہ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دو

---

[1] تذکرۃ الابرار والاشرار ص۲۸

خرقے باقی ہیں، ایک کو ٹکڑہ ٹکڑہ کر کے معتقدین میں بانٹ دو، اور دوسرا خرقہ اس کو دے دو جو ابھی آئے، پس آپ ہی اس کے لینے میں حق بجانب ہیں کہ آئے ہیں"۔ چنانچہ وہ خرقہ آپ کو پہنا دیا گیا۔ چند دن قیام کے بعد حضرت حسین صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ چونکہ میرے والد محترم نے آپ کو کوہستان میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ لہذا آپ اپنے وطن کی طرف جا کر اس سلسلہ کی اشاعت کریں۔ اجمیر شریف سے روانہ ہو کر آپ براستہ پشاور قندس کی طرف روانہ ہوئے۔ جب پشاور پہنچے تو یہاں پر ٹھیرے۔ حاجی سیف اللہ خانصاحب اور ملک گدا جو گگیانی قبیلہ کے خوانین سے ایک خان تھا آپ سے ملے۔ آپ کی ملاقات سے یہ ہر دو ملک بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کو موضع دوآبہ لے گئے۔ بہت ہی احترام و عزت کے ساتھ مہمان رکھا۔ آپ کے اخلاقِ حمیدہ، اور نیکی و بھلائی کی تعلیم سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ شریعت کی پابندی، سنت رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی، کی تبلیغ شروع کر دی۔ تدریس کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور بیعت ہوتے۔ طلبا درس پڑھتے اکثر پیر کے دن وعظ فرماتے، سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ بندھ جاتے، آپ کی شہرت عام ہو گئی۔ یوسف زئی علاقہ میں آپ کی تشریف آوری سے قبل دو بہت مشہور و معروف پیر تھے، جن کا نام پیر ولی[1]، اور پیر جلیب[2] تھا یہ دونوں آزاد خیال پیر تھے، احکام الٰہی کی پابندی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بھی لحاظ نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات پیر ولی (استغفر اللہ) اپنے آپ کو خدا کہتا اور اس کے پیرو تصدیق کرتے، سرود سنتے بلکہ حلال سمجھ کر مجالس کا انعقاد کرتے وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] یہ پیر ... قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے [2] یہ پیر بریچی قبیلہ سے متعلق تھا ۔

آپ کا خیال تھا کہ دوآبہ میں ایک سال قیام کے بعد اپنے وطن کو روانہ ہوجاؤں مگر جب ان ہر دو پیروں کی باتیں سُنیں جو مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے اور شعائرِ اسلام سے بہکا رہے تھے تو

"توجہ بداں حدود برخود فرض دیدم"

اِس علاقہ میں تبلیغ کرنا اپنے اوپر ضروری اور لازمی سمجھا۔ آپ اِن ہر دو پیروں کے ساتھ نپٹنے کے لئے علاقہ یوسف زئی کو روانہ ہوئے۔ اور سدم (علاقہ سدم موضع رستم سے شمال مشرق کی طرف موضع الی لنڈی میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ اب تک موجود ہے اور لوگوں نے اس مقام کو مبارک سمجھ کر محفوظ رکھا ہے۔ جس کو آج کل سدم کہتے ہیں) کے مقام پر قیام کر کے تبلیغ شروع کر دی۔ ان لوگوں کی جو اس علاقہ میں آباد تھے کیا حالت تھی فرماتے ہیں

"اما مردم می یافتم سادہ دل، کہ درحقیقت ہمگی ایشاں دین طلب و دین جویان و خدا طلب بودند، جوانان ایشان از پیران در دین استوار تر، زنان ایشان از مردان ہنوز در دین مؤکد تر اطفال ایشاں در حدطفولیت دیں طالب و دین جویاں وخادمان ایشاں نیز از مخالفت ومنہیات شرعیہ گریزاں"۔

یعنی اس علاقے کے لوگوں کو میں نے انتہائی سادہ دل ہر وقت دین کی طلب و تلاش کرنے والے اور خدا طلب، جوان بوڑھوں سے زیادہ دین میں استوار، عورتیں مردوں سے زیادہ دین پر مضبوط، بچے بچپن میں دین طلب کرنے والے اور تلاش کرنے والے اور ان کے ملازم بھی شریعت پر عامل پاتا ہوں"۔ ان کی گمراہی اور فسق کی وجہ یہ تھی فرماتے ہیں۔ "ان میں قبولیت حق کی صلاحیت تو موجود تھی مگر اس علاقے کے لوگوں میں نہ درس تھا نہ مدرسہ، نہ علم تھا اور نہ ہی علماء اتقیاء۔ اس لئے شریعت سے بے بہرہ مشائخ اور

ایسے پیروں نے جو کہ مشائخ بھی نہیں رکھتے تھے' ان لوگوں کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔ آپ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت عطا فرمائی۔ لوگ ایسے نام نہاد پیروں سے اجتناب کرنے لگے۔ بدعت رسم و رواج کو چھوڑ کر شریعت اسلامیہ کے پابند ہونے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز باجماعت پڑھنے لگے ہیں، سُنّتِ مطہرہ پر عامل ہو رہے ہیں، سرود وغیرہ بُرے اعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور درس تدریس میں منہمک ہو گئے ہیں تو آپ نے ان دونوں پیروں سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ انھوں نے جو اپنا دین بنا رکھا ہے۔ اس پر بحث مباحثہ کیا جائے۔ آپ کے ساتھ علماء، طلبا اور اس علاقہ کے لوگ بھی تھے، ان سب کے ساتھ آپ پیر طیب اور پیر ولی کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب پیر طیب نے آپ کے تشریف لانے کا سُنا تو راتوں رات ہزارہ کو نکل گیا اور پیر ولی نے بھی سامنے آنے سے اعراض کیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ پیرانِ بے پیر ناحق پر ہیں لوگ ان سے برگشتہ ہو گئے۔

چونکہ یہ آثار و قرائن سے اندازہ لگا کر غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے تو پیر طیب نے سُنا تھا کہ آپ نے مستقل طور پر قندس میں رہنا ہے، اپنے ضعیف الاعتقاد پیروؤں میں یہ تشہیر کر دی کہ

"سید علی را ازیں ولایت برداشتم و در قندس انداختمش"

یعنی (حضرت پیر بابا صاحبؒ) سید علی کو میں نے اس وطن سے نکال کر قندس میں پھینک دیا ہے۔ دوستوں کے مشورہ سے اور اپنی مرضی سے۔ آپ ایک برس تک اس علاقہ میں تبلیغ فرماتے رہے تاکہ

"عوام زمانہ بگفتار پیر طیب کافر نہ شوند"۔

علاقہ یوسف زئی کے ایک بڑے خان نے جس کا نام ملک دولت ملی زئی تھا اور قبیلہ بارکشا زئی سے تعلق رکھتا تھا آپ کو اپنی ہمشیرہ بی بی مریم حبالہ عقد میں دے دی، اب آپ ایک قسم کے مستقل سکونت پذیر ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرزند اور لڑکیاں عطا فرمائیں۔ پھر آپ قندھار تشریف لے گئے تو آپ کے والد فوت ہو چکے تھے والدہ زندہ تھیں، تمام حالات سے والدہ کو آگاہ کیا۔ انھوں نے آپ کو اجازت دی کہ آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی علاقے میں رہیں اور تبلیغ کرتے رہیں۔ واپس آکر آپ مقام بونیر میں مستقل قیام پذیر ہوگئے۔ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق کوہستانی علاقہ میں خانقاہ قائم کر کے سلسلہ کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ لنگر جاری کر دیا۔ درس تدریس کا انتظام کیا۔ بڑے بڑے علماء اور صلحاء آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ چشتیہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی تاریخ بیان کرنے والے لکھتے ہیں کہ آپ سے بیعت کر کے سات اخوند، اس سلسلہ میں ممتاز ہوئے، یعنی سات علامہ اور متبحر عالم آپ کے مرید ہوئے۔ ان میں پشاور کے حضرت اخوند درویزہ بھی تھے۔

حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بایزید انصاری[۱] الملقب پیر روشن المعروف پیر تاریک بھی اسی طرح کا ایک بے پیر پیر پیدا ہوا، آپ نے اس کے مقابلہ

---

[۱] بایزید ۹۲۵ھ میں عبداللہ صاحب کے گھر جالندھر (یہ شہر پنجاب میں واقع ہے اور آج کل بھارتی پنجاب میں ہے) میں پیدا ہوا۔ صاحب دبستان مذاہب[۲] نے لکھا ہے کہ "ہفت پشت شیخ سراج الدین انصاری می رسد" یعنی ساتویں پشت میں شیخ سراج الدین انصاری سے بایزید انصاری جا ملتا ہے۔ بایزید انصاری کسی کا

---

[۲] ص ۲۴۷

میں بھی علماء اور صلحاء کے وفود بھیجے، اور خود بھی اس کو دعوتِ مباحثہ دی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"آں ہنگام درمیان اولس تفرقہ افتاد"

لوگوں میں بہت ہی بے اتفاقی پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ لوگ اس پیر بے پیر کی دعوت پر اس کے گرد بہت تعداد میں جمع ہو گئے۔ مگر آپ نے حضرت علامہ اجل اخوند

مرید نہیں تھا۔ چونکہ اس کے والد کی دو بیبیاں تھیں، اس لئے یہ والد کی نظروں میں محبوب نہیں تھا۔ بڑا عقلمند، ہوشیار، معاملہ فہم، اور نکتہ رس تھا۔ عقائد میں آزاد خیال تھا۔ اپنا فکر اور اپنا طریق عبادت رکھتا۔ صاحبِ الہام ہونے کا دعویٰ رکھتا، توحید کے متعلق اپنے نظریات رکھتا تھا۔ اخلاق کو بھی اپنی تعلیمات کی روشنی میں پروان چڑھواتا۔ اس کی اس خودسری کا نتیجہ نکلا کہ بقول صاحب دبستان مذاہب "او خود را نبی دانستی و مردمرا بریاضت فرمودی" "یعنی اپنے آپ کو نبی سمجھتا، اور لوگوں کو ریاضت کی تعلیم دیتا۔ اور نیز "نماز بگذارد ے اما جہت تعین را از میان برداشت، کہ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔ یعنی نماز پڑھتا مگر قبلہ مبارکہ کے تعین کو ختم کر دیا۔ کیونکہ وہ کہتا کہ جدھر بھی رُخ کرو اُدھر اللہ تعالیٰ ہے۔ جنسل کو ضروری نہ سمجھتا، سوائے اپنے ماننے والوں کے باقی تمام بنی نوع انسان کو نوع حیوان سمجھتا اسی لئے ان کے قتل اور ذبح کا حکم دیتا۔ وغیرہ وغیرہ (اللہ تعالیٰ ان ہذیانات سے محفوظ رکھے) عالم نہیں تھا مگر ایک کامل سیاسی اور منطقی دماغ رکھتا تھا۔ گفتگو میں کوئی بھی اس کے ہمسر نہیں ہوتا تھا۔ ابتداءً بحیثیت ایک پیر کے متعارف ہوا۔ کافی لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اور اس پر پروانوں کی طرح قربان ہوتے۔ اپنی دولت اور بال بچے تک قربان کرتے، اس نے حالنامہ خیرالبیان، المقصود المومنین اور صراط التوحید نامی رسائل لکھے۔

صفحہ ۲۵۰
۲۵۱

صاحب درویزہ کی قیادت میں اس بے رہروِ مذہب کی پوری پوری مخالفت کی اور پیر بے پیر کو مجبور کر دیا کہ وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ وہ تیراہ کی پہاڑیوں میں نکل گیا۔ اب اُس نے وہاں پر اپنا مرکز بنا کر سیاست کا رنگ اختیار کیا، اور حکومت مغلیہ کو بہت پریشان کیا۔

جن میں اپنے الہامات، مکشوفات اور اپنی تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کی۔ اس کے مُریدین اس کو باقاعدہ اس علاقہ کا بے تاج بادشاہ سمجھتے، اگرچہ اس کی موجودگی میں یہ صرف اور صرف ایک مذہبی گروہ تھا۔ جس کا اپنا دین و آئین تھا۔ جب علماء اور مشائخ نے اس کی مخالفت کی اور اس کو ختم کرنے کے لئے بحث و مباحثہ اور جنگ تک نوبت پہنچی۔ اور علماء مشائخ نے اس کو پشاور کے علاقہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو یہ آفریدیوں کے دُور دراز پہاڑی علاقوں میں چلا گیا۔

اب اس نے بجائے پشاور کے علاقہ کے اپنا رُخ کابل کی طرف موڑ دیا۔ اس علاقہ کے علماء اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتے تھے۔ آخر ۹۹۴ھ "بھتہ پور" میں انتقال کیا۔ اس کی عمر ۶۳ برس تھی۔ یعنی ۱۵۸۱ء میں مرا۔ یہاں بایزید نے سلطنت دہلی کو خوب پریشان رکھا، اور خوب لوٹ گھسوٹ کی اگر یہ شخص مذہبی معتقدات میں رخنہ اندازی نہ کرتا تو مطالعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقہ میں یہ اپنی بادشاہت قائم کر لیتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس قسم کے سیاسی بیدار مغز لوگ خواہ مخواہ مذہب میں مداخلت کر کے اپنے آپ کو ختم کروا دیتے ہیں۔ علماء اور مشائخ مجبور ہوتے ہیں کہ جو شخص بھی چاہے جس مقصد کے پیشِ نظر اُٹھے۔ اگر مذہب سے ٹکراتا ہے یا مذہب میں رخنہ اندازی کرتا ہے تو پھر یہ حضرات مدافعت کرتے ہیں۔ اور اگر یہ مدافعت نہ کرتے تو یقیناً آج مذہبِ اسلام اس علاقہ میں موجود نہ ہوتا۔ بلکہ اس کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔ میرے پشاور کے ایک بزرگ نے یوسف زئی پٹھان نامی کتاب لکھی ہے۔ اس

جناب سید علی ترمذی کا طریقۂ مبارک تھا کہ عام لوگوں کو بیعت شریعت سے مشرف فرماتے۔ اور علماء و فضلاء، اور صاحبانِ فراست کو بیعت طریقت سے منوّر فرماتے، اِس لئے کہ اِس راہ میں جہلا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا شریعت حقہ اسلامیہ پر عوام کا ثابت قدم رہنا ہی ان کی نجات کے لئے کافی ہے

کتاب کے صفحہ ۲۵۴ سے لے کر صفحہ ۲۹۳ تک پھیلے ہوئے تبصرہ پر میں نے ایک الگ مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے "بایزید کی تحریک پر تبصرہ" ۔صرف اصولاً ایک بات یہاں بیان کرتا ہوں جس کا تعلق اس مضمون سے ہے اور وہ یہ ہے معاصر عزیز اللہ بخش صاحب یوسفی پشاوری ۔اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۱ پر لکھتے ہیں۔" اب گویا ایک علاقہ میں یا ایک قوم میں دو سجادہ نشین دکھائی دے رہے ہیں۔ دونوں اپنے اپنے مخصوص طریقہ سے تعلیم اسلام پیش کر رہے ہیں۔ صراط المستقیم کی طرف دعوت دے رہے تھے، لیکن ان دونوں میں اتفاق نہ ہوسکا"

حیرانگی ہے کہ یہاں بایزید "سجادہ نشین" کس طرح بنا۔ صاحب سجادہ تو وہ ہوتا ہے جو حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے کسی ایک سلسلہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) سے منسلک ہو کر ان اوراد و اعمال کی تکمیل کر کے اپنے شیخ کی طرف سے سند ارشاد لے کر صاحب سجادہ ہو تو تب سجادہ نشیں بنتا ہے۔ معلوم نہیں کہ جناب یوسفی صاحب نے بایزید انصاری کو کون سے سلسلہ کا شیخ تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ میاں بایزید انصاری کسی سلسلہ میں منسلک نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو غیب سے الہام سن کر مذہب میں رخنہ اندازی کر رہا تھا۔ یقیناً حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے ساتھ اتفاق و اتحاد نہیں ہوسکتا تھا۔ الحاد و زندقہ کے ساتھ ایک اللہ تعالیٰ کا ولی کس طرح اتفاق و اتحاد کر سکتا ہے۔ اس دور میں جبکہ تحقیق حق ناپید ہے۔ یقیناً ایسی ہی غیر ذمہ دارانہ تحریریں

آپ دیہاتوں میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کے لئے اکثر دورے کیا کرتے، اور صرف اللہ جل جلالہ، کی رضا کے لئے اہلِ بدعت اور گمراہوں سے بحث مباحثہ کرتے، اور ببانگ دہل اعلان فرماتے کہ "ان سے بچو، ایسا نہ ہو کہ ہلاک کر دیئے جاؤ" آپ کی توجہ کاملہ اس حد کمال تک پہنچ چکی تھی کہ جو بھی طالب مولیٰ آتا آپ کی توجہ کی برکت سے قید ما سواء اللہ سے آزاد ہو جاتا۔ چند دنوں میں سیرِ باطنی مکمل کر کے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقامات حاصل کر لیتا۔ آپ اس شخص کو بہت پسند فرماتے جو تہذیبِ نفس، طلبِ علم اور طریق سلوک کو حاصل کرنے کیلئے آتا اور جو شخص دُنیاوی مطالب لے کر حاضر ہوتا اس کے لئے بھی دعا فرماتے۔ مگر اُس شخص سے خوش نہ ہوتے' حضرت اخوند درویزہ فرماتے ہیں کہ "کسی وجہ سے کچھ عرصہ میں آپ سے مُلاقات نہ کر سکا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے عرض کیا کہ حضور خالی ہاتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا مناسب نہیں سمجھتا، آپ نے اعراض کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ لوگ جو اونٹ گائے اور گھوڑے لنگر میں پیش کرتے ہیں ان کو میں دوست یا مرید نہیں خیال کرتا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہوں، مگر ہاں میرے دوست اور مرید وہ ہیں جو مجھ سے

سامنے آئیں گی۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

باقی رہا اس کی صراطِ مستقیم اور اسلام کی دعوت، تو میرا خیال ہے کہ جناب یوسفی صاحب نے دلبستان مذاہب صفحہ ۲۴۷ سے لے کر صفحہ ۲۵۱ کے آخر تک کا مطالعہ نہیں کیا۔

روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں اور میرے احوال پر نظر رکھتے ہیں۔"

آپ کی طبیعت مبارکہ میں اتنی سخاوت تھی کہ کوئی سائل بھی آپ کے دروازہ سے خالی نہیں لوٹا، مسافروں کو زادِ راہ مہیا کرتے۔ بیماروں کی عیادت کے ساتھ مالی امداد بھی کرتے۔ آپ کا لنگر ہر وقت جاری رہتا، اور ان گنت لوگ آکر روٹی اور کپڑا حاصل کرتے، حلم اور عفو کو تو آپ کی ذات والا صفات پر ناز تھا۔ آپ کی ذات مبارک ان تمام اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھی جو ایک کامل و مکمل انسان کے لئے زیب ہیں، آپ کے مکشوفات، کرامات، خوارق عادات لاتعد ولاتحصیٰ ہیں اور جو شخص مقام غوثیت پر فائز ہو اس کے لئے ان باتوں کا ذکر ہی بے سود ہے۔ اپنے وقت پر اللہ کے حکم سے سب تصرف اسی شخص کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشش وعطا سے اس ہستی کے سامنے غیب وشہود کے پردے اٹھ جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام القا کے ذریعہ مامور ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، غواص بحر حقیقت، غوث وقت، سید علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ بمقام بنیر (کوہستان) سلسلہ عالیہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور کبرویہ کو کمال عروج پر پہنچا کر ۹۹۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آج تک آپ کی مزار پر انوار سے ہزارہا کی تعداد میں لوگ آ آکر دینی، دنیوی اور روحانی برکات حاصل کرتے ہیں۔

آپ کی اولاد بکثرت ہے۔ تقریباً ہر علاقہ میں ملتی ہے۔

صاحبانِ کشف فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قبر شریف میں اس وقت بھی باذن اللہ وبطفیل سید پاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرماتے ہیں۔

حضرت سیّد عبدالوہاب صاحب المعروف اخون پنجو صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۴۵ھ تا ۱۰۴۰ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی سید عبدالوہاب ہے۔ والد گرامی کا نام سید غازی بابا ہے۔ آپ اخون[1] پنجو بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کو کتب تاریخ و سیر میں شیخ پنجو سنبھلی لکھتے ہیں۔ نیز آپ بھی اپنی نسبت سنبھل سے کرتے، آپ کے جد بزرگوار وہاں سے ہی آئے تھے، اسی لئے آئینِ اکبری میں شیخ ابوالفضل نے (جو کہ جلال الدین اکبر کا وزیر تھا) آپ کو شیخ پنجو سنبھلی لکھا ہے۔ پنجو آپ کو اس لئے کہا گیا کہ جب پیروان پیر تاریکی (جس کا نام بایزید انصاری اور لقب پیر روشن دین تھا) کو آپ نے ارشاد و ہدایت شروع کی تو چونکہ وہ احکام شریعتِ اسلامیہ پر عمل نہیں کرتے تھے بلکہ استہزاء کیا کرتے تھے اِس لئے آپ نے ان کو سب سے پہلے پانچ بناء اسلام سے تعلیم دینا شروع کیا۔ انھوں نے بوجہ مخالفت از روئے تحقیر کے آپ کو پنجو بابا کہنا شروع کر دیا۔ جب

---

[1] اخون، اخوند کا مرخم ہے۔ یعنی آخری حرف گرایا گیا ہے۔ اخوند تورانی لفظ ہے اور متبحر عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بلند پایہ مدرس تھے اور سینکڑوں علماء آپ کے شاگرد تھے اس لئے آپ کو اخوند کے لقب سے پکارا گیا۔

[2] بروایت شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوانی ساکن اکبر پورہ مرحوم۔

آپ کی خدمت میں یہ بات کہی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوگا کہ میرا لقب "پانچ بنائے اسلام" ہو اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ قیامت تک میرا یہی لقب ہو، چنانچہ ایسے ہی ہُوا۔

آپ کے بزرگوار عرب سے آکر ہندوستان میں بمقام سنبھل آباد ہُوئے۔ جب سلطنتِ لودھیہ کو زوال ہوا تو آپ کے والدِ محترم جناب سید غازی بابا صاحب براستہ چھچھ ہزارہ ہوتے ہُوئے علاقہ یوسف زئی میں بمقام تُرکی قیام کیا۔ جناب سیّد غازی بابا صاحب نہایت ہی پرہیز گار اور زاہد تھے۔ مذکورہ گاؤں میں قناعت اور عزلت کے ساتھ وقت بسر کرتے، جناب صالح محمد صاحب المعروف "دیوانہ بابا" کی خالہ سے شادی کی، اور اکبر بادشاہ کے زمانہ میں پشاور شہر میں آکر سکونت پذیر ہُوئے اور یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار قلعہ بالاحصار کے نیچے وائرلس گراؤنڈ میں درختوں کی گھنی چھاؤں میں موجود ہے۔

سنہ ۹۴۵ھ میں جناب حضرت سید عبدالوہاب صاحب المعروف اخون پنجو بابا موضع "اکاکئے" علاقہ یوسف زئی میں پیدا ہُوئے۔ آپ علمِ لدنّی رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی ظاہری طور پر آپ نے علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی۔ موضع چوہا گجر میں ان دنوں ایک بڑے عالمِ دین قاضی تھے۔ ان کی خدمت میں پہنچ کر علوم متداولہ کو پڑھا اس کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے، اور کافی عرصہ مختلف علمائے سے پڑھتے رہے۔ ان ایام میں آپ زیادہ عرصہ روھیل کھنڈ میں مقیم رہے تکمیل علم کے بعد واپس صوبہ سرحد لوٹے۔
سنہ ۹۹۰ھ میں بعمر ۴۵ سال اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ موضع اکبر پورہ میں مستقل قیام اختیار کیا، اور مسند تدریس پر جلوہ افروز ہُوئے۔

حضرت علامہ شمس العلماء، قاضی میر احمد شاہ صاحب رضوانی تحفۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ تقریباً تین سو علماء، و مشاہیر وقت نے آپ سے علوم ظاہری میں دستار فضیلت یعنی سند حاصل کی، آپ نے کافی عرصہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق اور اخلاق کا درس دیا۔ اور انتہائی جان فشانی کے ساتھ تبلیغ و اشاعت شریعت مطہرہ میں منہمک رہے۔

اکبر پورہ ان دنوں داؤد زئی قوم کا مرکز تھا۔ اس گاؤں میں چالیس محلے تھے، ہر ایک محلہ میں ایک حجرہ تھا، ہر ایک محلہ کے لوگ چرس اور بھنگ پی کر رباب لئے ہوئے دن رات ان حجروں میں مست رہتے۔ اور گاتے بجاتے، دین اسلام سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یاد الہی سے قطعاً بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اتنے بڑے گاؤں میں ایک بھی قابل ذکر مسجد نہ تھی۔ اس تمام علاقہ کے لوگ پیر روشن المعروف پیر تاریکی کے خلیفہ "سرمست" کے مرید اور پیرو تھے۔

جناب اخون پنجو صاحب نے تمام کاموں سے پہلے یہ کام کیا کہ وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی، نماز جمعہ کا قیام کیا۔ امر بالمعروف کے لئے مختلف علاقوں میں جماعتوں کو بھیجا، اور اس بے خبر قوم کو جو فسق و فجور میں مبتلا تھی وعظ و نصیحت کرنا شروع کر دیا۔ عوام کے لئے آپ نے ابتداءً پانچ بنائے اسلام سے کام شروع کیا۔ طلباء کے لئے درس و تدریس کا انتظام کیا۔ سلوک و معرفت کے حصول کے لئے جو صاحبان طلب آتے ان کے لئے الگ انتظام کیا۔ آپ کی اس خدمت دین کا اتنا شہرہ ہوا کہ لوگ دور دور سے آنے لگے۔ اور حسب توفیق علوم حاصل کرنے لگے۔ نیز وہ علماء جو کہ ہندوستان اور دوسرے علماء سے سند فراغت حاصل کر لیتے تھے۔ وہ تبرکاً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھی تکمیل کی سند لیتے۔

سنہ ۹۹۳ھ میں جناب میر ابوالفتح صاحب قفناچی (جو کہ شیخ المشائخ جلال الدین صاحب تھانیسری کے خلیفہ تھے) پشاور شہر سے ہوتے ہوئے اکبر پورہ تشریف لائے اور آپ نے طریقہ عالیہ چشتیہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت میر ابوالفتح صاحب قفناچی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت سے نوازا، اور علم توحید باطنی سے مالامال کر دیا۔ بیعت ہونے کے بعد آپ اب اوراد و وظائف سے فارغ اوقات دینیات کی تعلیم میں صرف کرتے اور باقی اوقات عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، مجاہدہ و مراقبہ، میں گزارتے۔ بیعت ہونے کے بعد صائم الدھر اور قائم اللیل ہو گئے۔ ذکر و فکر سے بسا اوقات آپ پر محویت کا عالم بھی طاری ہوتا جس وقت آپ پر سُکر کی حالت ہوتی تو خادم آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر "یا حق یا حق" کہہ کر اُٹھاتے تو آپ اُٹھ کر نماز پڑھ لیتے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر بے ہوش ہو جاتے اور ماسوا اللہ سے بے خبر ہو جاتے۔

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کی نماز تک "ذکر" میں مصروف رہتے دوپہر تک "حبس دم" اور دیگر اوراد کرتے، نماز ظہر کے بعد قیلولہ کرتے، قیلولہ کرنے کے بعد علوم متداولہ کی کتابیں پڑھاتے۔ عصر سے مغرب تک "صلوٰۃ الوسطیٰ" میں مشغول رہتے۔ مغرب کے بعد قرآن حکیم کا درس فرماتے۔ عشاء کے بعد اوراد و وظائف اور مراقبات میں مشغول ہوتے۔ گویا آپ کا تمام وقت یادِ الٰہی، اطاعتِ خدا و رسول جل جلالہٗ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلوقِ خدا کی خدمت میں گزرتا۔

آپ پر "عشقِ الٰہی" کا اتنا غلبہ تھا کہ چہرۂ انور سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے سخت سردیوں کے دنوں میں آپ صرف ایک ململ کا کرتا پہنتے۔ آپ کے مقربین سے ایک صاحب "جناب میاں علی بابا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انتہائی سردیوں کے ایام میں

میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ایک باریک کرتہ اور ایک عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ دیکھتے دیکھتے آپ پر عشقِ الٰہی کا غلبہ ہوا اور آپ کی پیشانی مبارک اور چہرۂ انور سے پسینہ بہنا شروع ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ گھر سے اسی عالم میں نکلے، میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کمال استغراق اور محویت کے ساتھ عشقِ الٰہی میں مست تھے۔ تمام رات زنجی چار باغ سے لے کر جبہ تک آتے جاتے جمالِ الٰہی اور عشقِ الٰہی میں مگن تھے۔ جب صبح ہوئی تو نہایت ادب کے ساتھ میں نے عرض کیا کہ حضور رات کو عجب کیفیت تھی، آپ نے فرمایا۔ اے علی! یہ نکتہ یاد رکھ جو اسرارِ ربانی سے ہے، منصور نے محبتِ الٰہی کا جام چاہا اور ضبط نہ کر سکا۔ حتیٰ کہ "انا الحق" کا دعویٰ کر دیا۔ مگر تم نے دیکھا کہ محبت کے جام پر جام آج مجھے عنایت کیے گئے۔ اور کتنے ہی خم خالی کر دیئے گئے۔ مگر ایک قطرہ بھی باہر نہ گرا۔"

چونکہ آپ کے رُخِ انور پر ہر وقت انوارِ الٰہی کی بارش رہتی اس لئے کوئی بھی جی بھر کر آپ کے چہرۂ انور کو نہ دیکھ سکتا، اور جو بھی آپ کے رُخِ اقدس کو "توجہ" اور ہمت سے دیکھ لیتا، تو عارفِ کامل ہو جاتا۔ اگر کسی بھی مشرک کی نظر آپ کے نورانی چہرہ پر پڑ جاتی تو فوراً کلمۂ توحید پڑھ لیتا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندو آپ کا نام سنتے ہی چھپ جاتے۔ ایک بار ٹھٹنگر سے ہندوؤں کی ایک برات اکبر پورہ آئی۔ اس برات سے تقریباً دس نوجوان آپ کی مسجد میں آکر آپ سے ملاقی ہوئے۔ آپ کا چہرہ دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ اور تڑپنے لگے، جب ان کو ہوش آیا تو مسلمان ہو گئے۔ اور آج تک ان شیخ[۱] کا گھر اکبر پورہ میں آباد ہے۔ گویا کہ آپ کی ذات ذالاصفات میں اتنی تاثیر اور اتنا

۱۔ یہاں اصطلاح میں جو غیر مسلم مسلمان ہو جائے تو اس کو شیخ کے لقب سے پکارتے ہیں۔

۲۔ تحفۃ الاولیاء۔ از شمس العلماء۔

جذبہ تھا کہ جو بھی اُس وقت آپ کے سامنے آتا وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔
جب آپ کے علمِ ظاہری و فیوضاتِ باطنی کا شہرہ چاروں طرف پھیل گیا، تو معاصر علمائ
اور مشائخ نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے بحث و مناظرہ کی ٹھانی اور اکٹھے ہو کر
فیصلہ کیا کہ آپ کی مسجد میں جا کر آپ سے مناظرہ کریں اور کسی قسم کی آپ کی تعظیم و تکریم
نہ کریں۔ جب وہ آپ کی مسجد میں پہنچے تو اس وقت آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔
آپ کے فرزندِ ارجمند جناب سید عثمان صاحب نے آپ کو ان کے آنے کی خبر دی۔
آپ تشریف لائے۔ ان علماء نے آپ کا رُخ انور دیکھتے ہی فوراً قدم بوسی کی ۔ اور
یک بارگی لا الٰہ کا نعرہ لگا کر بے ہوش ہو گئے، حتیٰ کہ نمازِ ظہر کا وقت آگیا۔ جب ظہر
کے نوافل سے فارغ ہوئے تو میاں علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اگر ان کی یہی حالت
رہی تو شریعت اور علم کی بہت بے قدری ہو گی اور بے حرمتی۔ آپ نے ان پر توجہ کر کے
"اِلاَّ اللّٰہ" کا نعرہ لگایا تو وہ سب ہوش میں آگئے اور تائب ہو کر مُرید ہوئے۔

آپ میں اتنی سخاوت تھی کہ جو بھی آپ کے پاس حاجتمند آیا خالی نہیں لوٹا ۔
آپ کے لنگر سے امیر و غریب سب کو برابر کھانا ملتا۔ مفلوک الحال اور غربا کی امداد کرنا
آپ کا خاص وصف تھا۔ استغنا کا یہ عالم تھا کہ امیر و حکام سے تحفے قبول نہ فرماتے۔
بادشاہِ مغلیہ کی طرف سے کئی بار لنگر کے مصارف کے لئے پیش کش کی گئی۔ مگر آپ نے
قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ نے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ اور اخون درویزہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح
بایزید انصاری[1] الملقب پیر روشن اور اس کے پیروان کے خلاف تبلیغی اور عملی طور پر کام

---

[1] بایزید انصاری کے حالات حضرت پیر بابا صاحب اور اخون درویزہ کے ضمن میں دیکھیئے ۔

کیا۔ چونکہ اس علاقہ میں اس کے متبعین بکثرت تھے، اس لئے آپ ان کی مخالفت
کا پورا نشانہ تھے۔ مگر آپ نے ہمت استقلال اور کرامت کے ذریعہ اس علاقہ کو ان
بے راہ رو لوگوں سے پاک کیا اور ان کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی نورانی
منزلوں پر ڈال دیا۔ چرس، بھنگ اور افیون جیسے رسوائے زمانہ نشوں سے انھیں
باز رکھا اور نوٹایا۔ چنگ و رباب سے چھٹکارا دلا کر یادِ الٰہی میں مصروف کر دیا۔
بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے توبہ کرواکے نیک اعمال و صاحب اخلاق حمیدہ بنایا۔
صاحب تحفۃ الاولیاء فرماتے ہیں کہ سنہ ۹۹۳ھ میں بایزید انصاری الملقب پیر روشن نے
جب حکومتِ مغلیہ کے خلاف شورش کی تو جلال الدین اکبر خود مقابلہ کے لئے آیا۔ اس سفر
میں اکبر بادشاہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کھجور والی مسجد میں مقیم
تھے۔ طالبِ دعا ہوا، آپ نے توجہ کاملہ کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اکبر کو فتح و ظفر
سے نوازا اور تاریکیوں کو پراگندہ کیا۔ اس وقت اکبر نے آپ کی خدمت میں تحائف پیش
کئے تو آپ نے کلی طور پر لینے سے انکار کر دیا۔ اکبر پورہ کے بالکل ساتھ دریائے باڑہ
بہتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں اس دریائے باڑہ میں ایک عظیم سیلاب آیا۔ اس وقت
پیر سرمست خلیفہ پیر روشن کا بہت بہت چرچا تھا اور اس کے متبعین اس کی نام نہاد
کرامات اور کشوفات کا ہر حجرہ میں بیٹھ کر خوب پروپیگنڈا کرتے تھے۔ لوگ اس سیلاب
سے عاجز آکر پیر سرمست کے پاس روحانی مدد طلب کرنے کے لئے گئے تاکہ وہ کرامات
کے ذریعہ گاؤں کو تباہی سے بچالے۔ اس نے اپنی بھنگ رگڑنے کا "کنڈا" ان لوگوں
کو دیا اور کہا کہ جاؤ اور گاؤں کی طرف بند باندھ کر یہ میرا لنگہ کھڑا کر دو، سیلاب کم ہو
جائے گا، اور پانی گاؤں کی طرف نہیں آئے گا۔ ہزارہا لوگ اس کی یہ کرامت دیکھنے کے

لئے جمع ہو گئے۔ ٹکٹکی لگا کر رکھا گیا مگر پانی نہ رکا۔ اب پیر بہرمست خود آیا اور نہایت دلیری کے ساتھ بند پر کھڑا ہو گیا۔ مگر پانی کے ایک ہی دباؤ نے پیر کے ساتھ بند کو بہا دیا۔ پیر بہرمست غوطے پہ غوطہ کھانے لگا۔ اس کے مریدوں نے پیر بہرمست کو نکالا۔ عین اسی وقت حضرت اخون پنجو بابا صاحب نے اپنا عصا حضرت میاں علی بابا کو دیا اور فرمایا اس عصا کو پانی میں کھڑا کر دو۔ انشاء اللہ خداوند تعالیٰ فضل و کرم کر دے گا۔ جب حضرت میاں علی بابا نے عصا پانی میں کھڑا کر دیا۔ تو فوراً بند بندھ گیا اور سیلاب کم ہو گیا۔ گاؤں تباہی سے بچ گیا۔ جب ان ہزارہا لوگوں نے آپ کی یہ کھلی اور روشن کرامت دیکھی تو پیر روشن المعروف پیر تاریکی کے خلیفہ سے کلی طور پر برگشتہ ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں آ کر حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ تحریک روشنائی جو حکومتِ وقت کی لڑائیوں، قتل و غارت، مشائخ کرام کے بحث و مناظرے اور جد و جہد سے ختم نہ ہو سکی۔ اس علاقہ میں آپ کی صرف ایک کرامت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی۔

آپ کی کرامات سے ایک زندہ کرامت یہ ہے کہ اس وقت آپ کی ایک مسجد اکبر پورہ میں موجود ہے جس کو ہزاروں سیاح اور مورخ، ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کے افراد دیکھنے آتے ہیں اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حاجی دریا خان (جن کا مزار موضع چمکنی تحصیل پشاور میں مرجع عوام و خواص ہے) نے ایک بار آپ سے سوال کیا کہ قیامت کے علامات کیا ہیں۔ آپ نے جواب دیا "میری مسجد کا محراب زمین میں جب غرق ہو جائے گا تو قیامت آ جائے گی"۔ اب یہ بات مشاہدہ میں آ رہی ہے کہ محراب مسجد آہستہ آہستہ بتدریج زمین میں دھنس رہا ہے، اور اس وقت تقریباً تہائی حصہ دھنس چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کی وفات شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں بعمرہ ۹ سال ۱۰۴۰ھ میں ہوئی۔ اور اس آفتاب علم ظاہری و باطنی، قطب الاقطاب، غوث وقت کو اکبر پورہ سے تقریباً ایک میل سڑک شاہی کی طرف سپرد خاک کیا گیا۔ ہزارہا لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور بڑے بڑے مشائخ نے آپ سے فیض لیا اور اب بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ آپ کی تجہیز و تکفین میاں عثمان صاحب اخون سالک صاحب کا نگرامی میاں علی بابا صاحب۔ حضرت شیخ رحمکار المعروف حضرت کاکا صاحب اور شیخ عبد الغفور صاحب المعروف چل گزی بابا نے کی۔

حضرت اخوند درویزہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ننگرہاری

۹۵۶ھ تا ۱۰۴۸ھ

آپ کا اسمِ گرامی درویزہ، والد کا نام گدا، دادا کا نام سعدیؒ اور لقب رئیس الفضلاءؒ ہے۔ آپ علاقہ ننگرہار ملحقہ کابل کے رہنے والے تھے۔

خواص میں آپ اخوند صاحب اور عوام میں اخونؒ[1] کے نام سے مشہور ہیں، چونکہ آپ متبحرؒ عالم تھے اور بہترین مدرس بھی اس لئے آپ کو اخون کے نام سے پکارا گیا۔

جب آپ کے دادا جناب سعدی کو ننگرہار میں شہید کر دیا گیا تو آپ کے والد جناب گدا مہمندوں میں آکر آباد ہوئے۔ جناب درویزہ صاحب کی ابتدائی عمر کا بیشتر حصہ مہمندوں ہی میں گذرا، آپ کو ابتداء ہی سے طلبِ علم، اتباعِ سُنّت اور ترک بدعت، زہد و ریاضت کا شوق دامنگیر تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "معرفت الٰہی اور ہولِ قیامت و قبر کا جذبہ بچپن ہی سے مجھ پر اتنا غالب تھا کہ میں اکثر اوقات رونا رہتا

---

[1] "اخون" اخوند کا مرخم ہے۔ یہ تورانی لفظ ہے جس کے معنی متبحر عالم کے ہیں۔ ہم اپنی اصطلاح میں اس کے معنی علامہ کر سکتے ہیں۔ ترخیم اس وقت ہوتی ہے جبکہ آخری حرف زبان پر ثقیل ہو۔ چونکہ یہاں بھی دال جو کہ آخری حرف ہے زبان پر ثقیل تھا، لہذا گرا دیا گیا اور "اخوند" سے "اخون" رہ گیا۔

اور نہ سمجھتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ والدہ صاحبہ نے بچپن میں کیفیت کو دیکھ کر مجھے ٹھپر بھی رسید کر دیتیں۔ مگر ذوق و شوق الٰہی کی طلب بڑھتی ہی گئی۔

آپ سب سے پہلے اس وقت کے بہت بڑے عالم حضرت مصر احمد کی خدمت بابرکت میں بطور شاگرد پیش کیئے گئے۔ حضرت مولٰنا مصر احمد صاحب جناب سید محمود صاحب بخاری ولی کامل کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے درویزہ صاحب کو اپنے مکتب میں داخل کر کے اسباق میں مصروف کر دیا۔ پہلے سال میں قرآن مجید یاد کیا، چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ دوسرے برس متوسط کتابیں پڑھ لیں، آپ کا قوتِ حافظہ اتنا مضبوط تھا کہ آپ جو کتاب پڑھتے ازبر ہو جاتی۔

اس کے بعد مزید علم کے حصول کے لیئے آپ مولٰنا جمال الدین ہندوستانی کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری سے آراستہ ہو گئے۔ آپ تقریباً سات برس ان کے پاس رہے۔

علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حصول معرفت میں کوشاں ہوئے۔ آپ خود فرماتے ہیں، روحانی بے قراری اور بے چینی بہت پریشان کرتی، اور حصول علم کے باوجود بھی اطمینان قلب میسر نہ تھا۔ آپ نے اُس وقت کے ایک جامع شریعت و طریقت عالم جناب ملا سنجر صاحب کی خدمت میں اپنی اس پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ اس وقت آپ کے بیسیوں شاگرد تھے اور آپ کے علم و فضل کا کافی شہرہ ہو چکا تھا۔ جناب ملا سنجر صاحب، جناب اخون صاحب کو لے کر حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جانشین حضرت غوث اعظمؒ جناب سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب اخون صاحب نے اپنے علم، زہد، ریاضت اور عبادت کا

تمام حال عرض کیا اور ساتھ ہی اپنی پریشانی کا بھی تذکرہ کیا۔ جناب پیر بابا صاحبؒ نے متبسمانہ انداز میں فرمایا۔

"شیخ کامل افغانان گشتہ"

یعنی افغانوں کے شیخ کامل بن گئے ہو۔" مگر ارشاد فرمایا

" اما خوب نہ کردہ چہ اقدام نمودن بر ریاضت بے اذن شیخ فانی فی اللہ عاقبت آدمی را بضلالت اندر آرد، زیرا کہ مبتدی را باید کہ اول علم زہد و ریاضت بر ہیئتی بجا آرد کہ از گفتار و کردار حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم باشد"

یعنی یہ طریقہ صحیح نہیں اس لئے کہ بغیر شیخ کامل کی اجازت کے زہد و ریاضت کا انجام گمراہی کے کھڈے میں گرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا مبتدی کو چاہیئے کہ زہد و ریاضت اس طریقے پر کرے جو طریقہ جناب سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بھی نصیحتیں فرمائیں۔ اور اس کے بعد اخون صاحب سے تجدید توبہ کروائی، اور نماز باجماعت، ایام بیض کے روزے، صلوٰۃ اوابین، اور دیگر واجبات و سنن پر مستقیم رہنے کی تاکید فرمائی۔ [1]

اخون صاحب فرماتے ہیں۔

" اگرچہ در انواع ایں معاملات پیش ازیں نیز مستقیم بودم۔ اما حضرت ایشان از جہت سقوط ایں شرائط از ذمہ خویش فرمودند۔

تقریباً پانچ برس کے بعد حضرت علامہ مولوی حاجی محمد صاحب المشہور زنگی پاپینی کو وسیلہ بنا کر جناب اخون صاحب نے پھر درخواست پیش کی، اور عرض کیا۔ "علم ظاہر سے آراستہ ہوں، عبادت پر استقامت حاصل کر چکا ہوں، اب ذکرِ الٰہی کی تلقین کی

---

[1] تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۲۲

جائے "۔ جناب پیر بابا صاحب نے آپ کی درخواست قبول کرتے ہوئے طریقہ عالیہ چشتیہ میں داخل کر کے "ذکرِ الٰہی" کی تلقین کی اور فرمایا۔ "اس وقت کا انتظار کرو جب تمہارا قلب ذکرِ الٰہی سے معمور ہو جائے، تو تم مطمئن ہو جاؤ گے"۔ آپ کو ذکرِ الٰہی میں اتنا حضور حاصل ہو گیا کہ آپ کُلی طور پر مطمئن ہو گئے، اور شیخ کامل کی توجہ سے بہت تھوڑے عرصہ میں مقاماتِ جلیلہ و عظیمہ آپ کو نصیب ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے آپ کو فرمایا کہ علوم متداولہ کی تمام کتابیں تم نے پڑھ لیں ہیں، تصوّف کی بھی چند کتابیں پڑھو تاکہ طلبار تصوّف کو بھی فائدہ پہنچا سکو، چنانچہ جام جہاں نما، دیوان انوار خواجہ قاسم لمعات، لوائح اور دیگر تصوّف کی کتابیں حضرت پیر بابا صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ آپ نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی اور اوراد و اشغال کو مکمل کیا، تو جناب پیر بابا صاحب نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ اب بلاد و امصار میں جاؤ۔ "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرو۔ نیز مختلف ممالک کی سیاحت کرو۔

چنانچہ حضرت اخون صاحب خود فرماتے ہیں

"پس بنا برامر حضرت شیخ از وطن و مکان خویش پیوند بریدم و اطراف عالم رہ نہادم"۔

آپ نے ایک طویل سفر اختیار کیا، راستے میں تبلیغ اسلام، اشاعت سنّت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم مناہی بدعات و رسوم کرتے ہوئے "قاشقار" پہنچے۔ اِن دشوار گذار پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے وارد "کشمیر" ہوئے۔ اور پھر واپس لوٹے، اثنائے سفر میں بھی آپ علمار، صلحار اور فقرار سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ اِس سلسلہ میں جناب فضیلت مآب حضرت ملّا باسی صاحب کی خدمت میں رہ کر خوب فیض پایا۔ فرماتے ہیں

"دلالت واضح نمودہ و دلیل گشتہ مارا بمعدن علوم حقیقی رسانید"۔

جب واپس اپنے شیخ کی خدمت بابرکت میں پہنچے تو حضرت پیر بابا صاحب نے ہر چہار سلاسل میں آپ کو ماذون اور معنعن فرمایا۔ (یعنی سلسلہ چشتیہ ، سہروردیہ کبرویہ اور شطاریہ میں) اور سلسلہ عالیہ منصوریہ حلاجیہ میں اجازت مرحمت نہیں فرمائی فرماتے ہیں۔

"اما این فقیر بشرف این (یعنی منصوریہ حلاجیہ) اذن مشرف نشدہ"

ماذون اور صاحبِ اجازت ہونے کے بعد آپ مسند آرائی شریعت و حقیقت ہو کر علم ظاہری و باطنی کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

حضرت اخون صاحب کا دور رفض و بدعت اور الحاد و زندقہ کا دور تھا شیخ الاسلام والمسلمین حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آپ نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا کر اس الحاد و زندقہ کا مقابلہ کیا۔ اگر اس دور میں جبکہ ہر طرف مذہب سے آزادی کا رواج تھا اور خصوصاً اکبر جیسا دینِ اسلام سے برگشتہ بادشاہ تھا۔ اگر حضرت پیر بابا صاحب کی شخصیت اس غیر متمدن اور دور افتادہ علاقہ میں تبلیغ نہ فرماتے تو اس وقت یہ اسلام جو اپنی صورت میں نظر آتا ہے کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ اخون صاحب خود فرماتے ہیں۔

"اگر دران حضرت شیخنا دریں حدود نبودے معلوم نیست کہ فردے از افراد این مردم مسلمان ماندے"

آپ نے اُن تمام جماعتوں ، بے پیر پیروں ، بے عمل علماء اور بدعتی مشائخ کے خلاف عملی قدم اُٹھایا۔ ان لوگوں کی دینِ اسلام سے بے راہروی کو اسلام کے لئے ایک خطرۂ عظیم سمجھ کر ایک مردِ حق گو اور مردِ خدا کی طرح اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ، اپنے شیخ کے ارشاد پر

عمل پیرا رہے۔ اور ان منکرین کے خلاف جہاد بالقلم اور باللسان آخری دم تک جاری رکھی۔

اُس وقت جن گمراہوں کے خلاف آپ نے قدم اُٹھایا، بحث و مباحثہ کیا، ان میں سے مشہور ترین پیر پہلوان، بابا قلندر رافضی، پیر طیب نقلجی، پیر ولی پڑچی یا بھڑانچی، کریمداد نحمد مُلّا رکن الدین۔ شیخ حسن تیراہی، خواجہ خضر افغانی، حاجی محمد، حاجی عمر غوری خیل، شیخ قاسم غوری خیل، بایزید انصاری الملقب پیر روشن المعروف پیر تاریک، پیر قاسم ہوگی تھے۔

آپ نے ان میں سے دو فرقوں کے خلاف اپنے شیخ کی معیت میں اور ان کے انتقال کے بعد بہت کام کیا۔ آپ اتنے مشہور ہو گئے کہ جب بھی کوئی عقائد کا دعویٰ دار پیدا ہوتا تو اُس علاقہ کے لوگ آپ کو بُلا کر تمام علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے، اس شخص کے ساتھ آپ کی گفتگو کرواتے، اگر وہ طریقہ اہل حق اہل سنت و جماعت پہ ہوتا تو بہتر، ورنہ اس کو وہ لوگ اپنے علاقہ سے نکال دیتے، فرماتے ہیں۔

افغانان ایں ایام را نیز سند بایں بود چہ ہر گاہ کہ شیخ و عالم دراں ایام درمیان ایشاں پیدا شدے تا از نظر حضرت شیخنا و امامنا واز نظر فقیر نہ گذشتی ایشاں اقوال و افعال او را قبول نمیکردے بل بعضی کدخدایان اولس جمع شدہ ما و اولوؤ آئندہ را از بہر بحث و امتحان احوال یکجا کردندے تا کیفیت الحال معلوم شدے۔"

وہ فرقے جن کے خلاف آپ نے سختی سے قدم اٹھایا، ایک کا پیشوا میر قاسم تھا، یہ شخص رافضی تیرائی تھا۔ اور دوسرا بایزید انصاری الملقب پیر روشن المشہور پیر تاریک[۱] تھا۔

---

[۱] حضرت اخون صاحب کے استاد حضرت ملا صاحب پاپینی نے اس کا نام "پیر تاریک" رکھا۔

اخون صاحب نے تین بار اس شخص سے مناظرہ کیا۔ ہر بار اُس نے شکست کھائی آخر چوتھی بار فیصلہ کن مباحثہ کے لئے آپ گئے تو وہ سامنے نہ آیا۔

بقول آپ کے پیر تاریکی شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی اصولوں کا منکر تھا۔ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تارک تھا۔ سرود سنتا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کا ناچ کرواتا تھا نیز اس شخص میں اتنی استدراجی قوت تھی کہ ہزاروں لوگ اس پر قربان ہوتے تھے۔ اس نے اپنے پیروؤں کی باقاعدہ تنظیم کی ہوئی تھی۔ وہ خود اور اُس کے خلفاء جن میں فصیح شاعر بھی تھے اس کے خیالات کی تبلیغ کرتے۔ اس نے خود بھی عربی، پشتو میں کتابیں لکھیں بہت ہی موقع شناس اور فہیم تھا۔ جب پیر بابا صاحب اور اخون صاحب کی کوششوں سے اس کا مذہبی تقدس بے نقاب ہو گیا اور لوگ اس کی گمراہی سے واقف ہو گئے تو اُس نے یک دم مذہب کے لباس کو سیاست کے لباس میں تبدیل کر دیا۔ اور نیم فوجی تنظیم اپنے معتقدین کی بنالی۔ یہ اس کا امام تھا۔ قافلوں کو لوٹنا۔ حاجیوں کو لوٹنا، بے گناہ مسلمانوں کو تاراج کرنا اس جماعت کا کام تھا۔ آخر دلی کی حکومت اس کی خود سری سے متاثر ہوئی۔ اور کافی عرصہ تک دلی کی حکومت کو انھوں نے پریشان رکھا۔ اگرچہ مذہبی اعتبار سے حضرت پیر بابا صاحب اور اخون صاحب کے بحث و مباحثہ اور مناظروں نے اس کو ختم کر دیا تھا۔ مگر سیاسی اعتبار سے مغلوں کے خلاف پٹھانوں کو لڑانے میں بہت مضبوط رہا۔ اگرچہ یہ پٹھان نہیں تھا۔ مگر پٹھانوں کا لیڈر ضرور بن گیا یہی اُس کی کمال دانشمندی اور ہوشیاری تھی۔

ایک اور شخص جس کا مقابلہ اخون صاحب کو کرنا پڑا وہ میر قاسم تھا۔ علی الاعلان اصحاب ثلاثہ پر تبرا کرنا۔ امامت کے بغیر نبوت کو بیکار سمجھتا۔ جبراً لوگوں سے اپنے

خیالات منواتا۔ شہباز قلندر کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرتا۔ آپ نے اس کے ساتھ بحث مباحثہ کرکے لاچار کر دیا۔ غرضیکہ ان کے پیچھے جا جا کر عقلی اور علمی لحاظ سے ان کے عقائد باطلہ کو عوام کے سامنے بے نقاب کر دیا۔ آخر آپ نے اپنی تمام تصانیف میں (جو غالباً بیس کے قریب ہیں اور جن میں سے پانچ تو چھپ چکی ہیں) ان لوگوں کے اعمال و افعال اور ان کے اسلامی اصولوں کے خلاف سرگرمیوں کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور پھر مدلل طریقہ پر ان کا رد بھی کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "ان ظاہری ریا و نمائش کو چھوڑ دو۔ یہ غیب دانی، غیب گوئی اور استدراجی قولوں سے لوگوں کو نہ بہکاؤ، بلکہ قرآن و سنت کے پیرو بن جاؤ، اور جناب حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سید علی ترمذی المعروف پیر بابا صاحبؒ جیسے پیر کامل کے آگے زانوئے ادب طے کرو، تاکہ اسلام، قرآن اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ سکو۔ بدعتوں کو رد کرو اور جملہ خلاف شرع محمدیہ طریقوں کو چھوڑ دو۔" یہ وہ تعلیم تھی جس کی طرف اخون صاحب نے دعوت دی۔ اُس وقت کے نام نہاد پیر، اور گندم نما جو فروش معلمین نے آپ کی پوری مخالفت کی اور ہر ممکن طریقہ پر آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ آپ کو "دشمن اہلبیت" کے نام سے پکارا، مگر آپ حق و راستی کا پیغام بغیر کسی خوف و حزن کے پہنچاتے رہے اور عقائدِ باطلہ کا مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ جناب اخون صاحب باوجود انتھک مسلسل تبلیغ کرنے کے شب بیدار تھے۔ اپنے اوراد و وظائف کے اوقات میں خلل پڑنے نہ دیتے۔ خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ذکرِ الٰہی کرتے تو آنسوؤں سے ڈاڑھی تر بتر ہو جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی غالب تھی کہ آپ اکثر

درود شریف ہی پڑھتے رہتے، اور آہیں بھر بھر کر رو تے ۔آپ کے تصوّف پر آپ کا علم غالب تھا۔ آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوا مگر کبھی بھی اپنی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ فتنہ و فساد کا دور تھا۔ لوگوں میں علم کمیاب تھا۔ جس شخص سے بھی کوئی خرق عادت دیکھ لیتے بس اس کی پرستش شروع کر دیتے، اسی لئے آپ نے ان امور کو بہت چھپایا۔ آپ کے مخالفین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کے منکر تھے۔ مگر یہ آپ پر سراسر الزام اور بہتان ہے۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے پیر و مرشد حضرت پیر بابا صاحب نے فرمایا کہ اب جبکہ آخری بار پیر روشن المعروف پیر تاریک سے بحث ہو تو اس دفعہ کرامات کا اظہار کر کے اس کو خائب و خاسر کر دوں گا" انشاء اللہ مگر وہ سامنے نہ آیا۔ اور آپ نے حضرت شیخ سیلو نہ اور اپنے پیر و مرشد کی کتنی ہی کرامات کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے۔ تذکرۃ الابرار ص۱ پر فرماتے ہیں۔

"اگرچہ اولیاء اللہ را کشف و کرامات باشد اما دعویٰ نمی باشد، چہ ایشاں مامور بہ اختفاء اند"

جناب اخون صاحب نے بہت کتابیں لکھیں مگر محفوظ نہ رہ سکیں، ضائع ہو گئیں یا ایسے لوگوں کے پاس ہیں جو کسی کو دکھانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم بہت اچھا تھا، مطالعہ وسیع تھا اور علوم متداولہ کے ہر ایک فن پر آپ کی نظر تھی۔ عقائدِ باطلہ کے رد میں آپ نہایت ہی متشدد ہو جاتے اور اسی تشدد کی وجہ سے بعض اوقات آپ اعتدال کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت میں مخالفین کے خلاف انتہاپسندی نہ ہوتی تو یقیناً مخالف بھی آپ

کے علم واستقامت کی تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی کتابوں میں یہ تشدد نمایاں ہے۔

آپ کی تصانیف جو کہ شائع ہوئی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار : یہ کتاب جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے، علماء متقین، اولیاء اللہ اور (بقول اُن کے) اس وقت کے ملحدین کے حالات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے تذکرہ میں جناب حضرت پیر بابا صاحب کا ذکر خیر ہے، دوسرے تذکرے میں افغان قوم کی تاریخ، کہ اس قوم کی ابتداء کیا ہے۔ اور کس طرح مختلف ملکوں کے تحت ہوئی۔ ماہیت انساب کا بیان، اور اپنا اس قوم سے تعلق، اس کے بعد سلسلہ ہائے طریقت کا ذکر، تیسرے تذکرہ میں ان تمام (بقول ان کے) اشقیا اور ملحدین کا ذکر ہے جن کے ساتھ آپ کے پیر ومرشد یا آپ نے بحث ومناظرہ کئے۔ یہ کتاب ص۳۲۵ پر مشتمل ہے اور آپ کے صاحبزادہ مولینا عبدالکریم صاحب نے تصحیح کی ہے۔

۲۔ ارشاد الطالبین : یہ کتاب ساڑھے پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں چار ابواب اور ایک خاتمۃ الکتاب ہے پہلے باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل توحید، دوسری ایمان، تیسری وضو اور چوتھی نماز کے بیان پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں بھی چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل توبہ، دوسری علامات پیر کامل، تیسری علم اور چوتھی ذکر الٰہی کے بیان پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں کوئی فصل نہیں اور اس باب میں سیر سلوک یعنی سیر من اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر مع اللہ کا بیان ہے، چوتھا باب پھر چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں اخلاق حمیدہ، دوسری میں اخلاق ذمیمہ، تیسری صبر، اور چوتھی فصل میں شکر کا بیان ہے۔ خاتمہ تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل علامات قیامت دوسری کیفیت استادان مخلوق، اور تیسری فصل میں مختلف مسائل ہیں۔

۳- اَرشادُ المُریدین : آپ نے اس کتاب کی ضرورت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پیر اور مُرید دونوں صحیح طریقۂ طریقت اختیار کریں، ملاحدہ کی اطاعت نہ کریں۔ نیز مشائخانہ طریقہ کا حصول کیسے ہو سکتا ہے اور وہ کیا ہے۔ آپ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"می خواہم کہ رسالہ جامع لطائف احوال واسرار، املا سازم بعبارات واضح تا بہ اہلِ سعادت و دیانت باشد و در یابد کہ طریقہ بحصول مشائخ چہ بودہ است وچہ گونہ است۔"

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات نکات اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں مریدین کے استغاثہ کرنے کا بیان ہے۔ اور پیرانِ متقدمین کے اس طریقہ کا بیان ہے جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ نکتۂ اوّل میں حصولِ طریقت کے لیے شریعت کتنی اہمیت کی حامل ہے، کا بیان ہے۔ نکتۂ دوم میں وہ فوائد جو نکتۂ اوّل سے مترتب ہوتے ہیں۔ نکتۂ سوم، صوفی، شیخ، پیر، درویش اور مُرید وغیرہ اسماء جو اہلِ طریقت استعمال کرتے ہیں۔ ان کا استنباط کہاں سے ہوتا ہے اور ہوا ہے بیان کیا گیا ہے۔ نکتۂ چہارم میں مرتبۂ پیر کا حصول، اور اس کے شرائط کا بیان ہے۔ نکتۂ پنجم ایمان لانے کا بیان ہے۔ نکتۂ ششم میں بعض اذکار مع ادلہ کا بیان ہے۔ نکتۂ ہفتم نماز کے بیان میں ہے۔ خاتمہ دیگر متعلقات طریقت کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب علمِ تصوف میں ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اور خصوصاً اس کتاب کا مقدمہ مسائل توحید باری تعالیٰ میں اپنی نظیر آپ ہے۔

۴- مخزن الاسلام : آپ کی یہ کتاب ادھوری رہی، مگر آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولینا عبدالکریم صاحب نے اس کو مکمل کیا۔ صرف یہ کتاب پشتو زبان میں ہے۔

اور باقی تمام کتابیں فصیح و بلیغ فارسی زبان میں ہیں۔

مخزن الاسلام کے متعلق جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ

"مخزن الاسلام کتابے است کہ اورا مولانا بزبانِ افغانی (پشتو) تالیف نمودہ است۔ اما ناتمام ماند، وبعد ایشاں مولانا عبدالکریم پسرش آں کتاب را بہ تمام رسانید۔"[1]

اِس کے بعد اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آنچہ از تالیف مولانا است دروی حقائق و معارف تذکرہ احکام شریعت بسیار است، وآنچہ از تالیف پسروی است درو اکثر حقائق و معارف مذکور است۔"

نیز اسی کتاب مخزن الاسلام کی شرح کلمات الوافیات صاحب معارج الولایت نے لکھی ہے۔

۵۔ قصیدۃ الامالی کی شرح فارسی زبان میں آپ نے لکھی۔ عقائد پر یہ کتاب عربی نظم میں ہے اور آپ نے فارسی میں شرح نثر میں لکھی ہے۔

۶۔ شرح اسماء الحسنیٰ : اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کی شرح فارسی میں لکھی ہے

آپ کی شخصیت پر مولینا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری تبصرہ فرماتے ہیں کہ

"جامع علوم ظاہر و باطن بود، وجمال ولایت خود را در پردہ تدریس و تعلیم وملائی پوشیدہ می داشت، و در دفع زنادقہ و ملاحدہ در قصہ بسیاری کوشیدے وہر جا کہ ملحدی یا رافضی شنیدے نزد او رسیدے۔ وبا او تذکرہ کردے واورا

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص۴۶۶

ملزم ساختنے ۔"

آپ کے ایک فرزند جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب بھی بہت متبحر عالم تھے اور حضرت پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ تکمیل علوم اپنے والد اخون صاحب سے کی۔ خزینۃ الاصفیا میں ہے۔

" از محققان این طائفہ وعارفان این جماعۃ است، صاحب شریعت و طریقت و حقیقت بود"۔

یعنی صوفیائے کرام اور عارفانِ الٰہی کی جماعت کے آپ بھی ایک فرد تھے۔ صاحبِ شریعت، طریقت اور حقیقت تھے۔ آپ کو اخوند کریداد بھی کہتے ہیں۔ صاحب خزینۃ الاصفیا خلاصۃ البحر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

" در کتاب خلاصۃ البحر "محقق افغانستان" مخاطب است"

آپ محقق افغانستان کے نام سے ملقب تھے۔ اپنے والد کی کتاب "مخزن الاسلام" کو مکمل کیا۔

حضرت اخوند درویزہ صاحب کا مزار پشاور سے مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مرجع عوام ہے۔ آپ کے مزار کے گرد میلوں میں پھیلا ہوا قبرستان بھی آپ کے نام سے موسوم ہے۔

اس وقت تک آپ کے مزار کے احاطہ میں کوئی عورت داخل نہیں ہوتی، باہر سے کھڑے ہو کر عورتیں فاتحہ پڑھتی ہیں۔ پشاور میں یہ بات عام طور پر موجود ہے کہ جو بچہ غبی یا کند ذہن ہو، جس حافظِ قرآن کو قرآن حفظ نہ ہوتا ہو وہ آپ کے مزار پر جاکر

---

۱ ایضاً ص۱۷۲ ۲ ایضاً ص۱۷۱

تین یا پانچ یا سات جمعرات قرآن پڑھے ، اللہ کے فضل سے اس کی زبان رواں ہو جاتی ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۴۰ھ میں ہوئی۔
اور آپ کے صاحبزادہ عبدالکریم کی وفات ۱۰۷۲ھ میں ہوئی اور ان کا مزار علاقہ یوسف زئی میں ہے۔

حضرت شیخ المشائخ شیخ "رحمکار" صاحب المعروف کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۹۸۳ھ تا ۱۰۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی رحمکار، والد کا اسم شریف شیخ بہادر المعروف ایک[1] بابا صاحب، دادا کا نام مست بابا صاحب[2] اور پردادا کا نام غالب[3] بابا صاحب تھا۔ آپ تمام صوبہ سرحد اور اکناف و اطراف میں کاکا صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا لقب "شیخ المشائخ" تھا۔

شمس العلماء قاضی میر احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکبرپوروی اپنی کتاب تحفۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ ایک رات ایک صاحب نے ایک خواب دیکھی کہ "میں نے چھوٹا بول کیا اور اس کی جھاگ میرے سر سے اونچی ہو گئی"۔ آپ نے محترم جناب اخون پنجو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انھوں نے فرمایا ۔

---

[1] ایک بابا صاحب حضرت اخون پنجو صاحب اکبرپوروی سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی صحبت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی مزار تحصیل نوشہرہ میں کاکا صاحب کے مزار سے ? میل دور واقع ہے۔ بڑی بابرکت مزار ہے۔

[2] مست بابا صاحب، آپ کی مزار بھی لنڈی کاکا صاحب کے مزار سے سات میل دور ہے آپکی زیارت مرجع خلائق ہے۔

[3] غالب بابا، آپ کی مزار چراٹ کے پہاڑ کے نیچے واقع ہے بڑا دشوار گذار علاقہ ہے، مگر لوگ زیارت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تم کو ایک فرزند مرحمت فرمائے گا۔ اور اس لڑکے کی شہرت اور عزت تجھ سے بڑھ چڑھ کر ہوگی"۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بابا کو جناب کاکا صاحب عطا فرمایا۔ اخون پنجو صاحب کی خدمت میں آپ کو والد لے کر آئے اور اخون صاحب نے دعائے خیر آپ کے لئے فرمائی۔ ابتدائے عمر سے ہی آپ ہونہار، نیک خصلت تھے۔ آپ کی پیشانی سے نورِ ولایت ہویدا تھا۔ آپ کی نیک طبیعت سے آپ کی والدہ بہت خوش تھی اور ہمیشہ آپ کو دعاؤں سے یاد کرتی اور نصیحت کرتی رہتی۔

آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے استاد اخوالدین[۱] سلجوقی جو اللہ دین کے نام سے مشہور تھے، نے باحسن وجوہ کی، اور ظاہری علم کی تکمیل کرلی۔

آپ صائم الدھر، شب بیدار، انتہائی راست گفتار، متواضع، منکسر المزاج، سخی، صاحب قلبِ سلیم، مخلوقِ خدا پر شفقت کرنے والے، ہر وارد و صادر پر رحمدلی کرنے والے تھے ہر ایک مرید پر توجہ باطنی فرما کر اس کو محبتِ الٰہی میں سرشار فرما دیتے۔ وہ مریدین جو آپ سے دور دور ممالک میں سکونت پذیر تھے ان پر بھی آپ کی توجہاتِ باطنی مرکوز رہتی۔

"و[۲] بعض از مخلصان حضرت ایشاں را بہ غیب کہ او شاں اگرچہ بعد مکانی داشتی مثل ہندوستان وغیرہ بتوجہ باطنی او قدس سرہٗ فیض می رسیدے، و آنہا مستفید گشتے، و بہ ایشاں فائدہ رسیدہ"۔

یعنی آپ کے بعض مخلصین جو کہ غیر موجود ہوتے بسبب بعد مکانی کے، مثلاً ہندوستان

۱؎ موضع اکوڑہ، دریائے لنڈہ کے کنارے پر آپ کا مزار ہے۔

۲؎ "مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ"

وغیرہ میں ہوتے تو آپ کی توجہ باطنی سے ان کو فیض پہنچتا، اور وہ مستفید ہوتے"۔

آپ تارکِ ماسوا اللہ، زاہد مرتاض، قرآن مجید کے بحرِ ذخار، حقیقت و معرفت کے رموز و اسرار کے واقف تھے۔ صاحب مقاماتِ قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں[1]۔

"حضرت ایشان را در علم الیقین و حق الیقین و عین الیقین حظ عظیم و علم کامل بود، و دریں مقامات درک وافری داشت"۔

یعنی حضرت کاکا صاحب علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کا کامل و مکمل علم رکھتے تھے اور ان سے اور ان کے مقامات سے بہت عظیم اور وافر واقفیت کے مالک تھے۔ صاحب علم لدنی تھے۔ آپ کی نظر کیمیا اثر تھی، آپ مستجاب الدعوات تھے انتہائی یک سو، گوشہ نشین اور کم گو تھے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کے دست گرفتہ نہیں[2] تھے۔ آپ کا طریقہ اویسی تھا۔ صاحب مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ فرماتے ہیں[3]

---

[1] ایضاً ص۷۷

[2] آپ کے فرزند میاں عبدالحلیم صاحب مقامات قطبیہ و مقالاتِ قدسیہ ص۱۵ پر لکھتے ہیں، کہ ایک روز میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا "کہ یا حضرت شیخ، پیرِ شما کیست"۔ آپ کا پیر کون تھا؟ تو فرمایا "درد نخواہم دید"۔ اور اکثر اوقات یہ بھی کہتے "شیخی بشیخان بخشیدم، پیری بہ پیران بخشیدم و سلوک بسالکان بخشیدم و تصوف بصوفیاں بخشیدم، و من برآنم کہ اللہ تبارک تعالیٰ زنجیرِ بندگی در گردن من انداختہ و تعالیٰ زنجیر از گردن من بدر نگرداند"۔

[3] ص۱۹ مصنفہ میاں عبدالحلیم صاحب فرزندِ ارجمند کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

"اویسی طریقہ داشت، نوازش نبی یافت"
یعنی اویسی طریقہ رکھتے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے سرفراز تھے، ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔[۱]

"پس طریقہ حضرت اویسی بود، و مربی او نور حضرت نبی بود صلی اللہ علیہ وسلم"
یعنی آپ کا طریقہ اویسی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی پرورش کرتا تھا۔

آپ کے فرزند جناب میاں عبدالحلیم صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ آپ نے کبھی نہیں فرمایا۔ مگر میرے خیال میں آپ اپنے والد حضرت شیخ بہادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ سہروردی کی نسبت رکھتے تھے۔

"بخاطر می رسد کہ بطریقہ سلسلہ سہروردی از جناب پدر خود شیخ بہادر ہم نسبتی دارد، واز قول صریح او قدس سرہٗ طریقہ اویسی معلوم شدہ است۔"[۲]
آپ نے اپنی عبادت کا مقام اپنے والد گرامی کی قبر مبارک پر مقرر کیا، اور جتنا بھی آپ کو فیض حاصل ہوا اور فتوحات و برکات ملے یہ سب اپنے والد عالی مرتبت کی قبر مبارک سے حاصل ہوئے۔ آپ سے اتنی کثرت کے ساتھ کرامات کا صدور ہوا کہ ان کے جمع کرنے کے لئے پورا ایک دفتر چاہیئے۔ اس وقت آپ کی قبر مبارک سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آ آ کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ میاں عبدالحلیم صاحب لکھتے ہیں۔

"بعد وفات و رحلت حضرت ایشاں بسیار کساں فیض ہا یافتہ و می یابند بدستور"[۳]

۱۔ ایضاً ص۲۰ ۲۔ ایضاً ص۲۱ ۳۔ ایضاً ص۲۲

بعض را در خواب، و بعض را در حضور مزار حضرت ایشاں"۔

یعنی آپ کی وفات کے بعد بہت لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور کر رہے ہیں، بعض کو تو خواب میں بھی آپ نے فیضیاب کیا ہے اور آپ کے مزار شریف پر بہتوں کو فیض حاصل ہوا ہے۔

حضرت شیخ دریا[۱] صاحب ساکن چمکنی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حج کا ارادہ ہے اجازت مرحمت ہو، آپ نے اجازت نہ دی تین چار بار ایسا ہی ہوا۔ آخر ایک بار آپ نے ان کو اجازت دے کر فرمایا۔

"یا شیخ دریا۔ ایں دیدن بمثل دیدن قیامت می نماید"

یعنی یہ ملاقات اس طرح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ قیامت کو ملاقات ہو"۔ حضرت شیخ دریا صاحب حج سے فارغ ہو کر جب قندھار پہنچے تو وہاں پر پتہ چلا کہ حضرت کاکا صاحبؒ کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ کے اس کشفی قول کو یاد کر کے روتے تھے۔

فقیر جمیل بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت کاکا صاحب نے تین رازوں سے آگاہ کیا ہے، اور وہ ایسے راز ہیں کہ میں ان کو ظاہر نہیں کر سکتا ہوں اور اگر ظاہر کر دوں تو اس میں میری ہلاکت ہے۔

" اوّل ازاں این است کہ شیخ جی صاحب فرمودہ کہ ہر وقت من انگشت خود

---

[۱] حضرت شیخ دریا صاحب کی مزار چمکنی کے باہر ہے۔ شیخ دریا صاحب پہلے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے، پھر کاکا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلافت سے نوازے گئے۔ یہ بڑے صاحبِ کرامت بزرگ تھے

"نہم از مشرق و مغرب کل جہان بتصرف من می آید"۔

یعنی اس راز کی ادنیٰ بات یہ ہے کہ حضرت کا کا صاحب فرماتے تھے، کہ اگر میں اپنی نرانگی کو برقرار رکھ دوں تو تمام جہان میرے زیرِ نگیں ہو"۔

آپ وفات سے ایک سال پہلے سے علیل رہتے تھے۔ مگر باوجود علیل رہنے کے آپ نے نماز قضا نہیں کی۔ اکثر اوقات قیام کی طاقت نہ رکھتے تو دو آدمی آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے، پھر آپ نماز کی تکمیل کر دیتے۔ اپنے معمولات کو آخری وقت تک پورا کیا۔

۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے نکلا۔ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی عمر اسی برس تھی۔ گویا آپ کی پیدائش ۹۸۳ھ میں ہوئی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ آزاد گل صاحب، محمد گل صاحب، خلیل گل صاحب، عبدالحلیم صاحب، نجم الدین صاحب۔

آپ کی اولاد میں علماء، فضلاء اور صاحبان دولت و حکومت ہیں، عوام میں اور خصوصاً علاقہ خٹک میں آپ کی اولاد کو بڑی قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔

آپ کے بہت خلفاء ہیں، ان میں یہ خلفاء بہت مشہور ہیں جو صاحبان علم و فقر اور صاحبِ کرامات تھے۔

غازی خان صاحب عزیز شیخ صاحب، عبدالرحیم مشہور بہ شیخ رحیم خٹک علی گل و

لہ ایضاً ص۱۷۱ ❊

ملی گل (یہ دونوں آپ کے خاص خادم بھی تھے، ان دونوں کی قبریں بھی آپ کے روضہ میں ہیں) - فقیر صاحب شگی، شیخ ذیل صاحب یہ خوشحال خاں خٹک جو کہ مشہور شاعر ہے اس کا بھائی ہے اور آپ کا مرید ہونے کے بعد فقیر جمیل بیگ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خٹک قوم کا امیر تھا - میرزا گل صاحب یہ ولی کامل تھے۔ شیخ بابر صاحب دریاخاں صاحب چمکنی، شیخ فتح گل صاحب، شیخ ادین صاحب، شیخ کمال صاحب، شیخ حیات صاحب، پیر میاں حاجی صاحب، حسن بیگ صاحب، اخوند ہلال صاحب یہ قلندر تھے - اخوند اسماعیل صاحب۔

حضرت شیخ المشائخ حاجی محمدؐ اسماعیل غوری رحمۃ اللہ علیہ

۹۹۶ھ تا ۱۱۱۱ھ

آپ کا نام گرامی محمد اسماعیل غوری ہے، حصول علم کے بعد آپ نے ہفت اقلیم کا سفر اختیار کیا۔ حرمین الشریفین بغداد شریف، کربلائے معلّیٰ، بسطام بخارا یعنی تمام ممالک پھرے ان ممالک کے علماء، مشائخ اور فقراء کو ملے۔ اور طریقہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے کامل ترین افراد سے مل کر روحانی فیوضات کا وافر حصہ پایا اور نہایت ہی مستفید و مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا، اور لاہور پہنچ کر حضرت شیخ سعدیؒ لاہوری سے بیعت کر کے سلوک و معرفت کی تکمیل کی۔ آپ نے جناب محمد اسماعیل صاحب کو صاحب مجاز اور معین کیا اور وصیت کر دی کہ "کسبِ معاش کر کے روزی حلال کماؤ، اور اللہ و رسول جل جلالہٗ، و صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرو" آپ نے اپنے پیر و مرشد کے شیخ حضرت سید آدم بنوری کی صحبت کیمیا اثر سے بھی فائدہ حاصل کیا۔ صاحب

ل حضرت شیخ سعدی لاہوری، حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ شیخ سعدی لاہوری کی پرورش بھی سید آدم بنوری نے کی تھی۔ پھر مرید اور خلیفہ بنایا۔ آپ مادر زاد ولی تھے اور طریقہ اویسی بھی رکھتے تھے۔ صاحب کرامات و اخلاقِ حمیدہ تھے۔ اپنے شیخ کی محبت کو ایمان سمجھتے تھے۔ بروز بدھ ۳ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

خزینۃ الاصفیا فرماتے ہیں۔

"صحبت کیمیا خاصیت حضرت آدم بنوری ہم فائز گشتہ"

نیز آپ کے پیر و مُرشد کے پیر بھائی حضرت یار محمد گل مہاری سے بہرۂ کامل اور فائدہ وافر حاصل کیا۔ اپنے مُرشد کے ارشاد کے مطابق پشاور میں آکر تجارت شروع کی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت میں بھی منہمک ہو گئے۔ خوردہ فروشی کی دکان کر لی تاکہ رزقِ حلال حاصل ہو اور عبادت کے لئے مسجد مہابت خاں کو منتخب کیا۔ صاحب روضۃ السلام شیخ شرف الدین کاشمیری فرماتے ہیں کہ آپ مسجد مہابت خاں پشاور میں جب ذکر و مراقبہ میں مشغول ہوتے تو باوجود اتنا پختہ اور مضبوط عمارت ہونے کے ہلنے اور حرکت کرنے لگتی، ان کے الفاظ ہیں

"آنجناب در مسجد مہابت خاں کہ عمارتش در سنگینی و استحکام ثانی ندارد، چوں بذکرو مراقبہ مشغول می شد مسجد بجنبش می آمد"

غزنی بخارا اور قندھار سے لوگ آ آ کر آپ سے بیعت ہوئے اور اس علاقہ میں آپ سے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ سنت مبارکہ سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی پابند تھے۔ اگر کسی کو بھی سنّتِ مبارکہ کے خلاف کرتے دیکھتے تو نہایت ہی سختی سے منع فرماتے۔ آپ کے اخلاق کا ہر ایک شخص مداح تھا۔ تحمل و بردباری اور عفو درگذر تو کمال درجے کا تھا۔

صاحب روضۃ السلام لکھتے ہیں کہ

"خواجہ اسماعیل غوری جامع خوارق و کرامت بود، وہر چند کہ وی باخفائی خوارق می کوشید بے اختیار از وے سرمی زد"

یعنی "آپ مجسمۂ خوارق و کرامت تھے اور اگرچہ آپ کرامات کو ہر ممکن چھپاتے اور اظہار نہ کرتے تھے، مگر آپ سے بغیر اختیار کے کرامات کا صدور ہو جاتا"۔

صاحب خزینۃ الاصفیا، شیخ شرف الدین سے نقل کرتے ہیں۔

"چوں محراب[1] آں مسجد (یعنی مسجد مہابت خاں) از وقت بنائے مسجد قدرے کجی از سمت قبلہ داشت و بسبب کہنگی شکست و ریخت شدہ بود، ساکنان آں محلہ رجوع بشیخ اسماعیل آوردند کہ دریں باب توجہ بکار برند، کہ کجی مسجد راست گردد، و مرمت و شکست و ریخت بوقوع آید۔ عرض اہل محلہ معرض قبول درآمد و آنحضرت دریں باب توجہ بکار برد، و شبا شب کجی مسجد ہم بدرستی نہاد و شکست و ریخت عمارت ہم درست گردید"۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو طویل عمر عطا فرمائی تھی۔ بقول مولانا مولوی مفتی غلام سرور صاحب لاہوری۔

"عمرے طویل داشت بیک صد و پانزدہ سالگی رسیدہ بود"۔

یعنی آپ کی عمر ایک سو پندرہ برس کی تھی۔

آپ کی وفات ۵ر جمادی الآخر ۱۱۱۱ھ میں ہوئی۔ پشاور میں[2] تھانہ شرقی کے سامنے متصل کچہری مدفون ہوئے۔

---

[1] جب مسجد مہابت خاں کی تعمیر ہوئی، تو مسجد کا قبلہ کج دکھائی دیتا تھا اور مرمت کے قابل ہو گئی تھی۔ اس علاقہ کے لوگوں نے آپ کی طرف توجہ کی یا حضرت توجہ فرماویں کہ یہ کجی قبلہ جو نظر آتی ہے، درست ہو جائے اور مرمت بھی ہو جائے۔ آپ نے اہل محلہ کی درخواست پر ایسی توجہ فرمائی کہ راتوں رات قبلہ کی کجی بھی جاتی رہی اور مسجد کی مرمت بھی ہو گئی

[2] آپ کے پہلو میں سورج ڈوبنے کی طرف آپ کے مرید حضرت عبدالغفور صاحب دفن ہیں۔

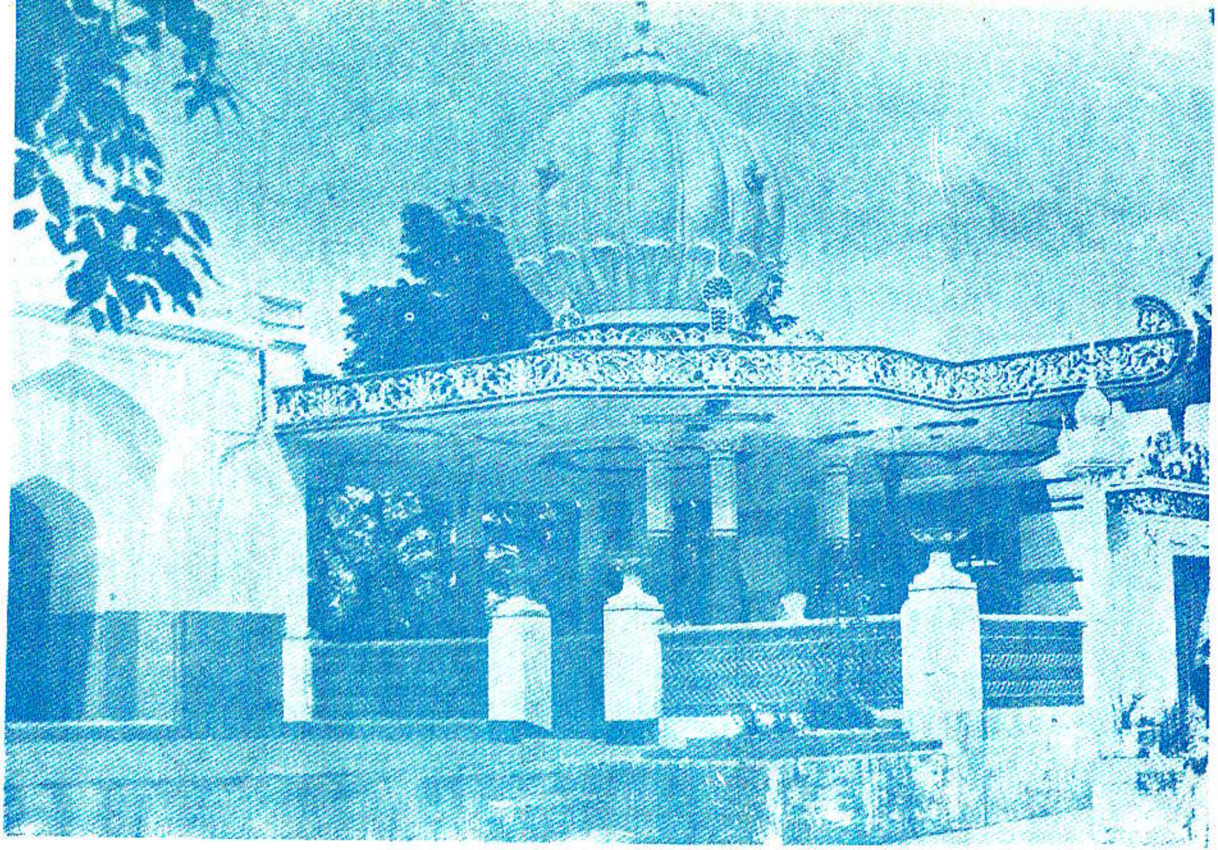

مزارِ فیض آثار حضرتِ سلطان العارفین قطب الاقطاب ابوالبرکات سیّد حسن بادشاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

۱۰۲۳ھ تا ۱۱۱۵ھ

اسم شریف آپ کا نام نامی و اسم گرامی سید حسن ہے۔ مگر مختلف ممالک میں آپ مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ برصغیر ہند و پاکستان میں آپ کو سید حسن، علاقہ ہائے کشمیر[۲] و پونچھ میں شاہ ابوالحسن، اور صوبہ سرحد میں سید حسن[۳] بادشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اہل پشاور آپ کو از راہِ خلوص و عقیدت "میراں سرکار" کے دل پسند نام سے یاد کرتے ہیں مؤخر الذکر نام حضور کی اس نسبت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو آپ کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات سے ہے۔

نسب آپ کا نسب چھ واسطوں کے بعد قطب الدائرہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب بن حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ اور پھر تیرہ واسطوں سے مظہر العجائب والغرائب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک منتہی ہوتا ہے۔

---

۱ خزینۃ الاصفیا

۲ تاریخ کبیر کشمیر، تاریخ اعظمی، تاریخ اقوام کشمیر از محمد دین فوق، قلمی مسودات از مفتی محمد شاہ صاحب سعدی مؤرخ کشمیر۔

۳ تاریخ پشاور۔

ولادت آپ جمادی الآخر سنہ ۱۰۲۳ھ میں ٹھٹہ (سندھ) کے مقام پر عارفِ کامل عالم اجل حضرت سیّد عبداللہ صاحب المشہور "صحابی رسولؐ" کے ہاں کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔

جناب سیّد عبداللہ صاحب حما سے بغرض تبلیغ و سیاحت سندھ تشریف لائے تھے اور سلسلہ و رُشد و ہدایت جاری فرما کر سرزمینِ ہندوستان کو قرآن و حدیث سے منوّر فرمایا۔

تعلیم و تربیت آپ کا گھر علم و حکمت اور تصوف و عرفانِ الٰہی کا دارالعلوم تھا۔ آپ کا ماحول یادِ الٰہی اور اتباعِ سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے جگمگا رہا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی خاندانی عظمت و شرافت علمی فضیلت اور فقرِ نبوت سے وافر حصہ پایا۔ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیرِ سایہ ہوئی، چونکہ آپ کا گھر علم و فضل اور فقر و طریقت کا گہوارہ تھا لہٰذا آپ نے چھوٹی عمر میں ہی (یعنی ۱۶ برس کی عمر میں) جملہ علوم درسیہ کی تکمیل کر لی۔ ۱۷ برس کی عمر میں درس تدریس کا کام سنبھالا اس کے ساتھ ساتھ کمال استقامت و استقلال سے منازل سلوک و تصوّف طے کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جنابِ سیّد غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں[۱]

"تربیت از پدرِ مشفق خود بے حد و بے عد یافتند، و زیرِ سایۂ لطف ایشاں معرفت حاصل نمودند، و بہ درجۂ انتہا رسیدند"۔

مؤرخِ کشمیر مفتی سیّد محمد شاہ صاحب سعادتؔ ایک مرحمت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں "اپنے والد ماجد

---

[۱] قلمی رسالہ از سیّد غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

[۲] حضرت مؤرخ کشمیر سے سنہ ۱۹۶۲ء و سنہ ۱۹۶۳ء میں مسلسل ملاقات رہی۔ علاقۂ کشمیر میں آپ تاریخ میں سند تسلیم کیے گئے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ معلوم نہیں کہ اب زندہ ہیں یا نہیں؟

سید شاہ عبداللہ صاحب سے روحانی تعلیمات کا سرمایہ حاصل کیا۔"

بیعت آپ اپنے والدِ محترم حضرت سید عبداللہ صاحب سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے تھے۔ نیز صاحب مجاز و معنعن بھی تھے۔ آپ کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ کے ہر ایک فرد نے اپنے والد سے ہی فیض اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اور تمام فیوضِ باطنی کا اکتساب کیا۔ اِس سلسلہ طیبہ کے سب کے سب افراد صاحبِ ولایت تھے۔ اور استقامت فی الدین میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ دنیوی لحاظ سے بھی ایک بلند اخلاق، صاحبِ عزت و شرافت شہری تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر سید حسن صاحب اور ان کے بعد اب تک سب کے سب افراد بفضلہٖ تعالیٰ عالم، فاضل، متورع اور مبلغِ اسلام صاحبِ کرامت تھے۔ اور آج تک ان کے مزارات، ان کی پاکیزہ زندگی اور عظمت کے شاہد ہیں۔ جہاں ہر وقت تلاوت قرآن مجید، درود شریف اور یادِ الٰہی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ سلسلہ عالیہ اسی طرح اللہ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس وقت تک جاری ہے۔

مجاہدہ و تزکیہ والد گرامی کے انتقال کے بعد آپ ذکر، فکر، مراقبہ، ریاضاتِ نفس اور مکمل خلوت میں مصروف تھے کہ یکایک آپ کی طبیعت میں وحشت و نفرت پیدا ہوئی۔ حضرت علامہ امام الطریقہ سید شاہ محمد غوث صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ والد گرامی سید حسن صاحب فرماتے ہیں۔

" وہم از انس انسان وحشت کی گرفت، واز خویش و بیگانہ نفرت محض پذیرفت"[1]

اس کے بعد کیا ہوا آپ فرماتے ہیں۔

---

[1] قلمی رسالہ

"پس بعزم ریاضات و مجاہدات در جزائر شورر فتم و ہفت سالہ چلّہ کشیدم،
تا ستر عورت تمام شب درمیان آب می استادم و روزانہ برکنار آب می نشستم و
قوتم از برگ درختاں بود کہ خودمی ریختند"

یعنی آپ ریاضت و مجاہدہ کیلئے دریائے شور تشریف لے گئے اور مسلسل سات برس کا چلّہ کاٹا۔ رات ستر عورت تک اس پانی میں گذارتے اور تمام دن اس پانی کے کنارے پر بیٹھے رہتے آپ کی غذا درختوں کے پتے تھے۔ جو خود بخود گرتے تھے۔ جناب حضرت محدّث جلیل شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسالہ "در کسب سلوک و طریقت" میں تحریر فرماتے ہیں

" در اکثر بلاد خدمت بزرگاں در خلوت و اربعین نشستہ فوائد حاصل نمودند"

یعنی اکثر شہروں میں بزرگانِ کرام کی خدمت میں رہ کر چلّے کاٹے اور فوائد حاصل کئے۔

سفر اپنے آبائے کرام کی سُنّت کے مطابق جب آپ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزیّن ہو گئے تو تبلیغ اسلام کے لئے ہندوستان کے کونے کونے میں پھرنے کے لئے نکلے۔ ایک ایسے وقت میں آپ نے یہ تبلیغی سفر اختیار کیا جبکہ مُسافر کو آج کی سہولتیں میّسر نہ تھیں۔ تقریباً تمام سفر پیدل کیا۔ اثناء سفر میں ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا، اور پھر یہ کہ یہ سفر کسی دنیاوی طمع یا لالچ کے لئے نہ تھا بلکہ تبلیغ اسلام تلاشِ حق، اشاعت سُنّتِ نبوی اور یادِ الٰہی کے لئے تھا۔ اس سفر میں آپ کے چھوٹے بھائی ابوالمکارم حضرت شاہ محمد فاضل خاں باریؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں کن کن بے دین اور بد اخلاق لوگوں سے آپ کو واسطہ پڑا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ جس علاقہ میں بھی ہم تبلیغ کے لئے گئے وہاں:-

"بغیر از کفر و بت پرستی بوئے از دین و آئین در آں سرزمین نہ بود"۔

یعنی سوائے کفر اور بُت پرستی کے اس سرزمین کا دین و آئین نہ تھا حقیقت بھی یہی ہے کہ تاریکی میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خشک اور بنجر زمین کو پانی کی اشد ترین حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول بندوں کا وجود بوجہ یادِ الٰہی کے نور اور رحمت ہوتا ہے۔ جہاں بھی ایسے بابرکات حضرات پہنچتے ہیں وہاں سے تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ کفر اور معصیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کے وجود باجود کی برکت سے اس وطن کے رہنے والوں کو رحمتِ الٰہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہی سرزمین جہاں کفر اور بُت پرستی کا دور دورہ تھا آپ وہاں تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ نتیجے کے طور پر ہزار ہا لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کر کے داخل اسلام ہوتے۔ وہ مقام جہاں پر اللہ جل جلالہ، کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اوصاف حمیدہ سے کوئی واقف نہ تھا۔ عدل و انصاف کا نام تک نہ تھا۔ وہاں پر تھوڑی مدت میں آپ کی کوششوں سے اسلام کو اتنی ترقی ہوئی کہ ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے مساجد تعمیر کی گئیں۔ آپ نے یہاں پر بھی تبلیغ کی نہایت ہی منظم طریقہ پر کی۔ مساجد بنا کر باقاعدہ قرآن مجید کی تعلیم مکتب، اور تبلیغ کی ایک جماعت کا انتظام کرتے۔ صرف کاٹھیا واڑ اور گجرات کے علاقہ میں دو سو پچاس مسجدیں تعمیر کیں اور پانچ خلفاء مقرر کئے جو باقاعدہ اپنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دورہ کر کے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کرتے تھے، ان کے مواعظ و نصیحت کا مرکزی نقطہ "صدق مقال" اور "اکل حلال" ہوتا، گجرات سے ہوتے ہوئے "شاہجہان آباد" تشریف لائے۔ وہاں پر بھی اسی نہج سے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں اور مخلوقِ خدا کو اللہ جل جلالہ، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتاتے رہے۔ غرضیکہ تبلیغ کرتے کرتے پنجاب پہنچے۔ لاہور میں قیام فرمایا۔ مگر وہاں بھی آپ مستقل نہ

ٹھہر سکے اور آپ کیسے ٹھہر سکتے تھے۔ جبکہ آپ کو سرکار بغداد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پشاور میں رہ کر کشمیر، ہزارہ، کابل، غزنی، اور ہرات تک تبلیغ کرنے کا حکم تھا۔ اور اس تمام علاقہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کروانی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ورودِ پشاور

۸۲ھ میں آپ پشاور پہنچے، پشاور سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ (سلطان پور کے نام سے موسوم تھا اور اس کو حلقہ بگرام کہتے تھے) میں قیام کیا۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو امر فرمایا کہ "اے بیٹا یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں اقامت اختیار کرو۔

" و مارا در ہر حال با خود مقصود داری "۔

آپ کو جناب سرکار بغداد نے اپنے عصا سے بتایا کہ "اس جگہ مسجد اس جگہ مکان اور یہ تمہاری قبر ہوگی۔ اللہ جل جلالہ کو اپنے ہر کام میں کار روا اور مشکل کشا جان کیونکہ وہی اس قابل ہے، اور جو کچھ میں نے بتایا ہے خود بخود ہو جائے گا۔"

آپ صبح کو اٹھے اذان دی، نماز پڑھی فرماتے ہیں۔

"ہنوز اشراق نہ خواندہ بودم کہ مردم شہر و اطراف و جوانب فوج در فوج می آیند، بہ رسوخ و اعتقاد ملاقاتم می کنند، کہ گویا آشنائے صد سالہ من بودند"۔

پٹھانوں کے بڑے بڑے سردار اور ارباب بھی آنے لگے، مخلوقِ خدا کا اژدھام ہو گیا۔ آپ نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا، لنگر جاری کر دیا۔ جس جس جگہ سرکار بغداد نے تعمیر کی جگہیں بتائی تھیں وہاں پر لوگوں نے خود بخود تعمیر کر دی، جو بھی آتا اپنی قسمت اور قابلیت کے مطابق معرفتِ الٰہی حاصل کرتا اور نجاتِ اُخروی پاتا، آپ فرماتے ہیں۔

"ہر کہ بطلب مولیٰ می آمد موافق استعداد تعلیمش می کردم"

سفرِ کشمیر

چونکہ تمام علاقوں میں آپ نے تبلیغ کا کام کرنا تھا، لہٰذا آپ نے اس تمام علاقہ کا مرکز پشاور کو بنایا اور تبلیغی سفر کے لئے نکلے آپ نے سنہ ۱۰۸۹ھ میں جناب عنایت اللہ صاحب گجراتی (پنجاب) کو صاحبِ مجاز کر کے یہاں کی خانقاہ کی تعلیم و تربیت کا تمام کام سپرد کر کے خود براستہ دھمتوڑ، پکھلی، ہزارا کشمیر روانہ ہوئے۔

جناب مؤرخِ کشمیر مفتی سعادت صاحب فرماتے ہیں کہ "آپ نے سنہ ۱۰۹۱ھ میں کشمیر پہنچ کر تشنگانِ ہدایت کو علوم باطنی سے سیراب کیا۔ خواجہ عبدالرحیم قادری، میر افضل اندرابی شاہ عنایت اللہ نادری وغیرہم حاضر ہو کر آپ کی توجہات اور فیوضِ رحمت سے بہرہ ور ہوئے۔ جناب حضرت علامۂ وقت محمد افضل صاحب نے مرید ہو کر خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔ اس سفر میں بھی حضرت ابوالمکارم شاہ محمد فاضل صاحب رحمۃ اللہ علیہم رکاب تھے۔

بقول سید غلام رحمۃ اللہ علیہ۔

"در محلہ عیدگاہ در خانۂ منصب داری نزول فرمودند"۔

آپ چھ ماہ کشمیر رہے۔ تبلیغ، سخاوت، بخشش کا طریقہ جاری رکھا، لنگر جاری کیا۔ سینکڑوں غرباء، فقراء، حاجت مند، مسافر اور بے وسیلہ لوگوں کی خدمت کی۔ خواجہ بہاء الدین متوؒ اپنی کتاب بنام خورشید شریف میں فرماتے ہیں۔ "آپ کے لنگر سے پانچ سو آدمی روزانہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ اور جو مفلوک الحال ہوتے ان کو کپڑا بھی عنایت فرماتے"۔ آپ کا اپنا ارشاد ہے۔

---

[۱] مؤرخِ کشمیر کے کتب خانہ میں جو کہ سرینگر میں واقع ہے یہ قلمی کتاب ۱۹۶۲ء میں دیکھی۔

"حق تعالیٰ چناں نوازشم فرمودہ است و چناں دولتم عطا نمودہ است کہ اگر اہلِ مشرق و مغرب جمع شوند و ہر روز از من نفقہ خواہند ہمہ را بدہم و ہرگز بعجز ملائم نیابم۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی نوازشیں کی ہیں اور اس قدر دولت مرحمت فرمائی ہے کہ اگر تمام دُنیا کے لوگ جمع ہو کر مجھ سے نفقہ طلب کریں تو سب کو دوں اور کسی قسم کی کمی نہ ہو۔" آپ کے اس جود و عطا کو دیکھ کر صاحب تاریخ اعظمی (کشمیر) فرماتے ہیں۔

"باوجود ازیں قلیل البضاعت احتیاج استکشاف بنود"۔

آپ کی بے لوث تبلیغِ اسلام اشاعت سنّت رسولِ انام صلّی اللہ علیہ وسلم، یادِ الٰہی خدمتِ فقراء، اور زہد و ریاضت کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق آنے لگے چھ ماہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی حضرت ابوالمکارم سید شاہ محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عطا فرما کر کشمیر میں مریدین کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ کے لئے مقرر فرما کر پشاور واپس ہوئے۔

سفرِ کابل کشمیر سے واپس پشاور پہنچ کر چند ماہ آرام فرمایا اور پھر کابل کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

آپ نے کابل کا سفر تین بار کیا۔ ان تینوں سفروں میں صوفیاء، علماء، مشائخ اور فقراء سے ملتے رہے۔ ہزارہا تشنگانِ ہدایت کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کر کے عرفانِ الٰہی سے سیراب کیا۔ گورنر کابل امیر خان سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ دوسری بار گورنر کابل امیر خان

ـــــہ آپ کا مزار پُرانوار کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر کے قلب میں موسوم بہ "خانیار" مرجع عام خلائق ہے۔ آپ کی وفات [illegible] میں ہوئی

کی دعوت پر کابل تشریف لے گئے۔ آپ نے تمام حکام کو جمع کرکے ان کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ شریعتِ اسلامیہ کی پابندی، غریبوں مسکینوں کے حقوق کی حفاظت، خصوصیت کے ساتھ غریب اور نادار طالب علموں کی اعانت کی ترغیب دی۔ بیواؤں اور یتیموں کے وظائف ان حکام سے مقرر فرمائے۔

آپ نے کابل میں بھی لنگر جاری رکھا۔ اس سفر میں آپ غزنی ہرات اور دُور دراز مقامات پر بغرضِ تبلیغ تشریف لے گئے۔ تیسرا سفر بالکل تنہائی کا تھا۔ اس سفر میں صرف اُن حضرات سے ملے جو منتہی سالک تھے اور جن کا مقصد اعلیٰ مقامات اور مدارج علیا طے کرنا تھا۔ البتہ لنگر بدستور سینکڑوں افراد کو روزانہ ملتا۔ یہ سفر صرف چند دن کا تھا۔ غرضیکہ ان تمام سفروں میں آپ نے انتہائی پختہ عزم و یقین کے ساتھ تبلیغ اسلام فرمائی۔ قرآن مجید کی تعلیم عام کی۔ اشاعت سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا اور سلسلہ عالیہ قادریہ کو اس عروج و کمال تک پہنچایا کہ آج جبکہ ۲۶۷ برس آپ کو بیت چکے ہیں سرزمین سرحد پنجاب، افغانستان اور کشمیر کے گوشہ گوشہ میں آپ کی روحانی تعلیم کے چشمے اُبل رہے ہیں اور لوگ ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔

شادی پشاور شہر کے قریب بطرف مغرب ایک گاؤں کوٹلہ محسن خان کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ایک بڑے خان نے جس کو وہ "ارباب" کہتے ہیں اپنی صاحبزادی کی پیش کش کی، آپ نے قبول فرمایا۔ اِس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند عطا فرمایا، جو اپنے وقت کا محدث جلیل، فقیہہ اعظم، شیخ الشیوخ بنا۔ ان کا نام سید زین العابدین[1] تھا۔ اس شادی کے کچھ عرصہ بعد آپ نے موضع کنڑ کے صحیح النسب

---

[1] آپ کا مزار ضلع ہزارہ میں تحصیل ہری پور میں حویلیاں ریلوے اسٹیشن سے ہری پور روڈ پر سلطان پور گاؤں میں واقع ہے۔ آپ کی وفات ۱۱۶۹ھ میں ہوئی۔

سادات[1] گھرانے میں شادی کی خواستگاری کی یہ گھرانہ عظیم المرتبت ولی اللہ غوثِ خراسان حضرت سیّد علی ترمذی المعروف پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا گھرانہ تھا۔ یہ صاحبزادی جس کے ساتھ آپ کی شادی ہوئی حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کی پوتی تھی اور بقول صاحب خزینۃ الاصفیا

"در طاعات و عبادت رابعہ عصر بود"

کچھ رد و قدح کے بعد آپ کی شادی اس عابدہ صالحہ بیوی کے ساتھ ہوگئی جس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند عنایت فرمائے۔ ایک حضرت علامہ اجل، محدثِ اعظم، عارف باللہ شارح صحیح البخاری حضرت سیّد شاہ محمد غوث صاحب شاوری لاہوری۔ دوسرے حضرت سیّد علی صاحب، ان بیوی[2] صاحبہ کا مزار آپ کے پہلو میں واقع ہے

اخلاق

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ ستودہ سے مزین فرمایا تھا۔ غرباء کی دلجوئی، مسافروں کے ساتھ حسن سلوک، امراء اور حکام سے تحائف قبول نہ کرنا، اور ان کی غیر شرعی حرکات پر بغیر کسی خوف و حزن کے آپ ان کو متنبہ فرماتے۔ بیواؤں اور غریب کنواری لڑکیوں کی اپنے اخراجات سے شادیاں کرواتے۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو مقناطیسی کشش کی طرح قلوبِ خاص و عام کو شرمندہ احسان کرتی تھیں۔

محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] آپ کی وفات ۹۹۱ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار بونیر میں مرجع خلائق ہے۔

[2] بنت محمد جمال بن سیّد عبدالوہاب المعروف میاں عبدل مزار موضع تختہ بند علاقہ بنیر بن سیّد مصطفےٰ محمد المعروف میاں مصطفےٰ ابن سیّد پیر بابا۔ مزار موضع دونائی پشت علاقہ کنٹر۔ سمت مشرقی (افغانستان)

"خدمتِ فقرا و مساکین بسیاری کردند و برعام خلائق چناں شفقت می فرمودند کہ گویا عیال ایشاں بودند"

حضرت علامہ سید غلام صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"برعموم خلقت چناں شفقت و رافت و مہربانی داشتند کہ پدر با پسر داشتہ باشد"

عفو و کرم، حلم و بردباری، تواضع و انکساری کے ایسے عملی نمونے آپ کی زندگی میں ملتے ہیں کہ گویا آپ مکمل طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی عملی تفسیر تھے۔ یہی وہ اخلاق کریمانہ تھے جن کی بدولت ہزارہا گم گشتگاں بادیہ ضلالت کو نیک اعمال کی ہدایت ہوئی۔

آپ کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی حکام وقت سے تحفہ یا نذرانہ قبول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو ان کی زندگی کا صحیح مقصد یعنی انصاف، دیانت داری، مساوات اخوت، عدل، غربا پروری اور حسن سلوک کی نصیحت فرماتے۔ نیز ان لوگوں کو رقم خرچ کرنے کا صحیح مصرف بتاتے۔

ایک بار گورنر کابل نواب امیر خان نے اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ سے آپ کے فرزند جناب حضرت سید شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے نام گذران معیشت کے لئے قطعہ ارضی کا فرمان لکھوا کر حضرت سید حسنؒ صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرماکر فرمایا۔

"یا امیر جزاک اللہ! کہ خیر خواہی فقرا، مرکوز خاطر داری، اما من طالب ایں نیستم و احتیاج ایں ندارم"

کہہ کر وہ فرمان واپس کر دیا اور گورنر کابل کو نصیحت فرمائی کہ

" باید کہ بہ حاجت منداں و مستمنداں بدہی کہ قوت لایموت شاں شود"۔

یعنی ان لوگوں کو جو محتاج اور ضرورت مند ہیں یہ زمین دے دو، تاکہ وہ زندگی بسر کر سکیں

اللہ اکبر! اِتنا بڑا حاکم اپنی کمال عقیدت سے آتا ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کی طرف سے زمین کا ایک قطعہ دیا جاتا ہے۔ مگر آپ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ نیز اس حاکمِ وقت کی صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ یہی وہ جذبۂ کاملہ وصادقہ تھا جس کی وجہ سے بڑے بڑے امراء و بادشاہ، بوریہ نشین فقراء کی خدمت کو مایۂ صد نازش و افتخار سمجھتے تھے۔ آپ کے اس ارشادِ گرامی کا ایک ایک لفظ سچائی۔ دیانت، امانت اور اخلاص کا مظہر ہے

کرامات

جناب سیّد غلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" کرامات ایشاں مثل قطرات و مطرات لایعد ولا یحصیٰ است "

یعنی آپ کی کرامات بارانِ رحمتِ الٰہیٰ کے قطروں کی طرح ان گنت اور بے شمار ہیں

جناب محدث جلیل حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

" خوارق عادات ازیں شاں بحدے ظہور یافتہ کہ تحریر آں دریں مختصر گنجائش ندارد"۔

یعنی آپ کی کرامات اس حد تک ظاہر ہوئیں کہ ان کی تمام تفصیل اس مختصر مجالہ میں نہیں سما سکتی"۔

اولیاء کرام سے کرامات کا صدور ایک مستحسن امر ہے۔ مگر اولیائے کرام نے ہمیشہ شریعت مطہرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مبارکہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا۔ ان کی زندگی کا مقصد ہی اتباعِ سنت ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ قربِ الٰہی حاصل کریں۔

دوسرے امور ان اولیاء کرام کی نظر میں ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔

سید غلام صاحب فرماتے ہیں۔ آپ کا ایک خادم ہر وقت گذشتہ اولیاء کرام کی کرامتیں بیان کرتا اور پھر آپ سے کرامت طلب کرتا۔ آپ نے اس کو فرمایا۔ اے درویش کرامت کے درپے نہ ہو۔ یادِ الہٰی میں ہمہ تن مشغول رہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ کی متابعت کر، کیونکہ نجات اسی میں ہے، لیکن وہ کرامت طلب کرتا رہا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ آپ "امر بالمعروف" کے لئے دوآبہ (ہشتنگر) تشریف لے گئے۔ راستہ میں دریا بہتا ہے جس کو بذریعہ کشتی عبور کرنا پڑتا ہے۔ آپ اُس وقت ایک عراقی گھوڑے پر سوار تھے اور وُہی خادم رکاب تھامے ہوئے تھا۔ جب آپ کشتی کے قریب پہنچے تو آپ نے گھوڑے کی لگام کھینچی، گھوڑا بجائے کشتی کے دریا میں کود گیا۔ وہ خادم جو رکاب تھامے ہوئے تھا دریا میں گر پڑا۔ تمام مرید اور معتقد گھبرا گئے کہ آپ بمعہ خادم و سواری دریا میں غرق ہو گئے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ بمعہ سواری اور خادم دریا کے دوسرے کنارے پر نظر آ گئے۔ اب حیرانگی و تعجب کا عالم تھا۔ کوئی آپ کے قدم چومتا کوئی ہاتھ، آپ کے کپڑے گھوڑا اور خادم بالکل خشک تھے۔ آپ نے اس خادم کو فرمایا۔

"یا عبداللہ دیدی قدرتِ اللہ را"

یعنی اے اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ دیکھ لیا۔ اس نے عرض کیا ہاں جناب، پھر آپ نے فرمایا کہ پہلے تو گذشتہ اولیاء کی کرامات بیان کرتا تھا اب اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھ لیا، مگر یہ بات یاد رکھنا

"ایں ہمہ آنچہ دیدی و شنیدی بازی طفلانست وکار دیگر است سالک را"

این کار آفت است و مانع علو درجات است"

یعنی "یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا اور سُنا بچوں کا کھیل ہے۔ اصل مقصد کچھ اور ہے۔ نیز سالک کے لئے یہ کرامات جتلانا باعثِ آفت ہے اور راہِ سلوک میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔"

جب حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہُوا تو ہر گاؤں اور ہر شہر سے لوگ آئے۔ ان میں وہ لوگ بھی آئے جن کے آپ قرض دار بھی تھے۔ حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قسم کے لوگ آپس میں گفتگو کرنے لگے تو میں نے خیال کیا کہ یہ حضرات اپنے قرضہ کی وصولی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اس لئے میں نے ان سے پوچھا کہ تم کیا سرگوشیاں کرتے ہو، تو انھوں نے جواب دیا۔

" اے صاحبزادہ سخن از کشف و کرامات پدر بزرگوار شما می گوئم و صنعت پروردگار را می بینیم کہ بندگانِ خدا را چساں تربیت کردہ مراتب رسانیدہ کہ عقل در غور این معنی عاجز و نظر صاحب نظراں قاصر است۔"

حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس حقیقت سے آگاہ کرو تاکہ ذوق حاصل کروں۔ انھوں نے مل کر عرض کیا کہ چند دن پہلے جب ہم نے سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شدتِ علالت کے متعلق سُنا تو ہمیں خیال ہوا کہ اگر حضور کا انتقال ہوگیا تو ہمارے قرض کا کیا بنے گا۔ ہم سب نے فیصلہ کیا کہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں گے۔ جب رات ہوئی تو چند اشخاص جن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں نمودار ہوئے ان کی جیبیں اشرفیوں اور روپوں سے بھری ہوئی تھیں۔ انھوں نے ہم سب کو ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ حساب کرو، تاکہ حضور سید حسن صاحب کا قرضہ ہم ادا کردیں

اُنھوں نے ہر ایک کا قرضہ چکا دیا اور تمسکات و چٹھیں لے کر چلے گئے۔ جب اِس بھری مجلس نے یہ واقعہ سُنا تو سب زار و قطار رونے لگے۔ جناب شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اِس واقعہ کا قطعاً علم نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ دُنیا اور فقر کیا ہے۔ ایک شخص کے لاکھوں مُرید ہیں۔ جن میں گورنر، حکام، اُمراء، فقراء اور ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ مگر اس درویش کامل کی وفات پر یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ آپ چند ہزار روپے کے قرضدار بھی تھے، اور قبل از وفات وہ ادا بھی کیا۔

وفات

حضرت قطب الاقطاب سُلطان العارفین غوثِ زماں ابوالبرکات حضرت سید حسن بادشاہ صاحب گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بروز جمعہ بتاریخ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۵۵ھ بوقتِ عصر وفات پائی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

حضرت شیخ یحییٰ[۱] صاحب المعروف حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۰۴۱ھ تا سنہ ۱۱۳۱ھ

آپ کا اسم شریف شیخ یحییٰ والد کا نام پیرداو[۱]، کنیت شیخ ابو اسماعیل یحییٰ اور لقب بہر الاعظم تھا۔ آپ چغتائی (مغل) تھے۔ آپ کے بزرگ ماوراء النہر (سمرقند اور بخارا) سے تشریف لائے تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں آپ حضرت شیخ المشائخ شیخ سعدی لاہوری کے دست گرفتہ تھے اور انہی سے صاحب مجاز اور معنعن تھے۔ آپ اپنے شیخ کی نظر میں بہت مقبول تھے۔ اور آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ چنانچہ جب حضرت شیخ سعدی[۲] لاہوری ۱۱۰۸ھ میں پشاور تشریف لائے تو اپنے تمام مریدین و مخلصین کو ارشاد فرمایا کہ۔ "اب[۳] وہ جناب شیخ یحییٰ صاحب کی صحبت اختیار کریں اور ان سے فیض حاصل کریں"

۱ھ سر الاسرار مصنفہ حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن موضع چمکنی پشاور۔

۲ھ شیخ سعدی لاہوری ۱۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت سید آدم بنوری کے مرید تھے اور حضرت آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ تھے۔

۳ھ سر الاسرار ہ

اِس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کی نظر میں آپ کا مقام کتنا بلند تھا اور روحانیت زہد و اتقاء میں آپ کی شخصیت مثالی اور قابلِ تقلید تھی۔

حضرت میاں محمد عمر صاحب المعروف چمکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب توضیح المعانی کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو راز کی باتیں معراج میں کی تھیں وہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آشکارا کی گئیں، اور وہ راز کی باتیں سلسلہ در سلسلہ حضرت سر الاعظم شیخ یحییٰ کو بخشی گئیں۔ اور ان کے ذریعہ ان باتوں سے مجھے سرفراز کیا گیا"

چمکنی بابا نے آپ کی تعریف میں ایک قطعہ لکھا، فرماتے ہیں۔

قطبِ ہفت اقلیم شیخ رہنما ۔۔۔ شیخ یحییٰ بندۂ خاصِ خدا

مخزنِ لطف و عنایاتِ خدا ۔۔۔ غوثِ اعظم خواجۂ ہر دو سرا

حضرت شیخ المشائخ محدثِ جلیل سید شاہ محمد غوث صاحب قادری پشاوری ثم لاہوری آپ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے، اور آپ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں وافر حصہ پایا، ان کی آپ پر خاص نظرِ عنایت تھی۔ آپ حضرت شیخ یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں[۱] کہ"

"حضرت یحییٰ جیو صاحب کہ از افرادِ زمانہ بودند"

یعنی جناب شیخ یحییٰ حضرت جی صاحب افرادِ زمانہ میں سے ایک فرد تھے۔

آپ نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بہت ہی ترویج و اشاعت کی، انتہائی تتبع سنت

---

[۱] قلمی رسالہ از حضرت موصوف

تھے۔ خوش خلق، متواضع، منکسر المزاج اور سخی تھے۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ کوئی لمحہ بھی یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ گزارتے، آپ کی نظر میں شاہ و گدا ایک تھے۔ آپ کا لنگر ہر وقت جاری تھا اور سینکڑوں افراد سیر ہو کر جاتے۔ ہر ضرورت مند کی حاجت پوری کرتے۔ قدم قدم پر آپ سے کرامات کا ظہور ہوتا۔ حضرت محدث جلیل سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "چونکہ آپ (یعنی حضرت جی صاحب) حبسِ نفس بہت فرماتے تھے۔ اس لئے رات میں ایک، دو یا تین دم لیتے تھے، بڑے ریاضت کش تھے۔ خدا کے سوا کسی کی طرف دھیان نہیں لگاتے تھے۔ ان کی نظر میں خاک و زر، شاہ و گدا ایکسا تھے۔ شغلِ حق کے سوا ان کو مطلق فرصت ہی نہ ہوتی تھی، کہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوں۔ کسی کو آپ کی مجلس میں بات کرنے کی جرأت نہ تھی۔ آپ کی مجلس میں جو ہوتا خدا ہی کی طرف متوجہ رہتا۔ چارپائی پر نہیں سوتے تھے۔ تکیہ بھی نہ رکھتے تھے۔ ہمیشہ اپنے پیر کی زیارت کے لئے اٹک سے لاہور ۱۴ دن میں پیدل سفر کرتے۔"

بڑے بڑے اکابر علماء اور فضلاء آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور تکمیل سلوک کر کے اجازت و ارشاد کے مرتبہ پر پہنچے۔ آپ نے تمام عمر ارشاد و تلقین میں بسر کی اور آپ کے ذریعہ ہزاروں لوگ مراتبِ قرب تک پہنچے۔ آپ اپنے وقت میں یگانۂ آفاق تھے۔ آپ کا صوبہ سرحد کے علاقہ میں عموماً اور پنجاب کے علاقہ میں خصوصاً علم مشیخت بلند تھا جس مرید پر آپ کی نظر پڑ جاتی، کئی کئی دن بے ہوش پڑا رہتا اور تارک الدنیا ہو کر یادِ الٰہی میں مستغرق ہو جاتا۔ آپ کے خلفاء میں صوبہ سرحد کے علاقہ میں دو عظیم شخصیتیں ہوئی ہیں جو ہر لحاظ سے جامع کمالات صوری و معنوی تھیں۔ ایک حضرت محدث جلیل سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاوری ثم لاہوری، دوسرے جناب شیخ المشائخ حضرت میاں محمد عمر صاحب

المعروف میاں صاحب چمکنی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما، اور ہندوستان، پنجاب اور سندھ میں کافی خلفاء تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے، ایک حضرت شیخ اسماعیل اور دوسرے خواجہ محمد عیسےٰ۔

آپ کی وفات سنہ ۱۱۳۱ ہجری میں واقع ہوئی۔

اس وقت آپ کا مزار پراوار ضلع کیمبلپور، موضع اٹک، بلب دریائے اٹک واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

حافظ عبدالغفور صاحب علیہ الرحمۃ نقشبندی پشاوری

۱۰۵۲ھ تا ۱۱۱۶ھ

آپ کا اسمِ گرامی عبدالغفور، والد کا نام صالح محمد، اور آبائی وطن کشمیر ہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی، جب علم ظاہری سے آراستہ ہو گئے تو رُوحانی تسکین کے لئے مرشد کامل کی تلاش میں نکلے، کشمیر میں سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر رُوحانی فیوضات و برکات کا وافر حصہ پایا۔ کشمیر کے گرد و نواح میں بہت سے مشائخ کو ملے اور سلوک و معرفت کے علم کو سبقاً سبقاً پڑھا۔ کشمیر سے روانہ ہو کر لاہور آئے۔ ان دنوں لاہور علماء و مشائخ کا مسکن تھا اور علم و ادب کا مرکز۔ وہاں کے علماء اور مشائخ کی صحبت سے فیضیاب ہو کر پشاور تشریف لائے۔ شیخ محمد عمر صاحب پشاوری کتاب ظواہر السرائر میں فرماتے ہیں کہ

"حافظ عبدالغفور اوّل در پشاور بارادت حافظ محمد اسماعیل غوری پشاوری مستفید شد و بہرۂ وافر حاصل نمود بعد ازاں در لاہور تشریف آوردہ و بشرف بیعت شیخ سعدی لاہوری گروید، و خرقۂ خلافت و اجازت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قادریہ و چشتیہ و سہروردیہ یافت و از کاملانِ وقت شد و تا دو نیم سال حاضر باش

خدمت اشرف مآماعہ:۔ (خزینۃ الاصفیا ص۶۱۶)

پشاور میں علاوہ دوسرے علماء ومشائخ کی صحبت کے جناب حضرت حافظ محمد اسماعیل صاحب غوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہی کے ارشاد کی تکمیل کرتے ہوئے آپ دوبارہ لاہور تشریف لے گئے، اور حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ محترم کی صحبت میں مسلسل اڑھائی برس گذار کر منازل سلوک وتصوف عملاً طے کئے۔ گیارہ برس کے بعد شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ہر چہار سلاسل یعنی قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی میں خلافت عطا فرما کر اڑھائی سال کے بعد رخصت کردیا۔

آپ نے تبلیغی مساعی اور اصلاحِ عام کے لئے صوبہ سرحد میں پشاور (جو اس وقت کابل کا مضافہ تھا) کو اپنا مرکز بنا کر تبلیغ کا سلسلہ شروع کردیا۔ خانقاہ قائم کرکے لنگر دینا شروع کیا۔ سینکڑوں بھوکے پیٹ بھر کر کھانا کھاتے۔ بیسیوں برہنہ کپڑے پہنتے اور بہت سے روحانی تعلیم کی تکمیل کرتے۔ نیز بہت سے آپ کے مبلغ دیہاتوں میں پھر کر امر بالمعروف کرکے واپس اپنے مرکز پر آتے۔ ان کے کھانے پہننے کا سب انتظام خانقاہ کی طرف سے ہوتا۔

آپ خود تبلیغ کے لئے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، شہر شہر پھرتے، بدعات اور رسومات بد کے خلاف عملاً کوشش کرتے عقد بیوگان کرواتے، صرف نکاح پر شادیاں کرواتے، لوگوں میں جو دشمنیاں اور خصومتیں ہوتیں ان کا تصفیہ کرواکر ان کو بھائی بنادیتے۔ اگرچہ آپ کو ان مسائل کے حل کرنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان مشکلات پر قابو پالیتے۔

اشاعت سنّت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم آپ کا خاص وصف تھا۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم سیّد دوعالم مالک و مختار احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کی سنّت مطہرہ کی پابندی نہ کرتا تو آپ اس کو سمجھاتے، اگر نہ سمجھتا تو پھر سختی کرتے اور اس معاملہ میں کسی بڑے سے بڑے حکمران اور دولت مند کی بھی پرواہ نہ کرتے۔

اپنے مواعظ میں حکمران طبقہ کو غربا، فقرا، اور بے چارے مفلوک الحال لوگوں کی حالتِ زار پر خاص کر توجہ دلاتے۔ غرضیکہ ہر طبقہ کے افراد کی آپ اصلاح فرماتے، آپ کی اس غربا پروری کا شہرہ تمام علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے لنگر سے بیک وقت پانچ پانچ سو آدمی لنگر کھاتے۔ آپ کے معاصر حضرت علامہ سیدنا و مرشدنا حضرت سیّد سخی شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "دربیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت" میں تحریر فرماتے ہیں جس کو صاحب خزینۃ الاصفیاء نے نقل کیا کہ

حضرت علامہ سید شاہ محمد غوث قادری گیلانی لاہوری در رسالہ خود تحریر فرمودند کہ حافظ عبد الغفور پشاوری تمام شب بحبسِ نفس و مراقبہ می گزرانیدند و التفات بدنیا و اہلِ دنیا نداشت، و مدام در خدمت مساکین و مسافرین مشغول ماندے و قریب پانصد کس ہر روز در مطبخ وی طعام می خوردند، و دیگران وے گاہے سیر نمیشدند، و خدام عالی مقام از صبح تا شام در پختگی طعام و تقسیم آں مصروف می ماندند و شیخ سوائے طعام، بحاجتمنداں نقد و لباس ہم مرحمت می فرمودند و ایں ہمہ خرچش سوائے دخل ظاہری صرف از خزانۂ غیب بود۔[۱]

---

[۱] خزینۃ الاصفیا ص۶۱۸ ؎

کہ "حافظ عبد الغفور صاحب پشاوری تمام رات "حبس دم" اور "مراقبہ" میں بسر کرتے، دُنیا اور اہلِ دُنیا کی طرف التفات نہ کرتے، ہمیشہ مساکین اور مسافروں کی خدمت میں مصروف رہتے۔ آپ کے "لنگر" سے پانچ سو آدمی روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ جناب حافظ صاحب کھانا دینے کے علاوہ ضرورت مندوں کو کپڑے اور نقدی بھی مرحمت فرماتے" آپ کا جو تعلق اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ تھا وہ حضرت علامہ شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

"در عشقِ الٰہی بدیں آگاہی می گذرانید کہ کسے آیتے از آیاتِ قرآن روبروئے وے می خواند یا لفظ "اللہ" بر زبان می آورد، گریہ و اضطراب بہ حافظ طاری می شد"

آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ بقول صاحب خزینۃ الاصفیا ص ۱۵۷ کہ جناب حافظ صاحب جب مُریدین پر توجہ فرماتے تھے تو محلّہ کانپنے لگتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت بڑا دلزلہ آیا ہے۔ پہلے پہل تو اہلِ محلّہ کو خوف و ہراس دامنگیر ہوا۔ مگر جب ان کو معلوم ہو گیا تو پھر حرکت زمین کے وقت جان جاتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب طلباء پر توجہ کر رہے ہیں۔

اگر آپ کے کرامات کو جمع کیا جائے تو ایک الگ مضمون بنتا ہے۔ اس جگہ آپ کی چند کرامات لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ کرامات اولیاء کرام حق ہیں "قربِ نوافل" کے ذریعہ اولیاء کرام کا ہر کام یعنی سماعت، بصارت، چھونا، چلنا پھرنا غرضیکہ سب کام مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ علماء اہلِ حق اہلِ سنّت و جماعت اولیاء عظام سے کرامات کا صدور مستحسن امر سمجھتے ہیں۔

صاحب روضۃ السلام جناب مولینا شرف الدین صاحب کشمیری فرماتے ہیں "کہ یہ

راقم جناب حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ حاضرین پر شیرینی تقسیم کر رہے تھے۔ آپ کے خادموں سے ایک خادم نے اپنا حصّہ لیا۔ اس کو دوسرا حصّہ بھی دے کر فرمایا یہ تیرے بیٹے کے لئے ہے۔ وہ خادم فوراً قدمبوس ہُوا، اور عرض کرنے لگا کہ اس وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اگر حضرت حافظ صاحب کو کشف ہے تو مجھے دو حصے دینگے۔ آپ میرے خیال پر آگاہ ہو گئے ہیں، لہٰذا میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے اس قصور پر معاف کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔

" حالا عفو کردم و آئندہ گاہے بامتحان احوال درویشان نہ پردازی"

یہی صاحب روضۃ السلام لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مُریدین کی خبر گیری کے لئے پشاور کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ عصر کا وقت تھا مسجد میں مریدین کے ساتھ ذکر و فکر اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں لیٹروں کا ایک گروہ مسجد کی طرف آیا۔ بعض مُریدین جو مراقب نہ تھے یہ ماجرا دیکھ کر شور و غوغا کرنے لگے، قبلہ حافظ صاحب نے سر اُٹھایا اور فرمایا کہ اس شور و غوغا سے کیا فائدہ، بیٹھے رہو اور بخدا مشغول باشید، سب کے سب مراقب ہو گئے۔ جب ذکرِ الٰہی اور مراقبہ سے فارغ ہو گئے تو شیخ بمعہ مریدین کے پشاور میں اپنے سکونتی مکان پر موجود تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ سید ابوالمعالی کشمیری فرماتے ہیں کہ "میں ایک دن حضرت حافظ صاحب کے ساتھ پشاور کے ایک بازار میں جا رہا تھا جب میں نے آپ کے ہمراہ چند قدم لئے تو اپنے آپ کو حضرت موصُوف کے ساتھ کشمیر میں موجود پایا۔ میں اور آپ زینہ کدل پر جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد نگین (جو کاغذ فروشوں کے بازار میں ہے) پہنچ گئے۔ وہاں سے واپس ہو کر پھر زینہ کدل پہنچے۔ تو حضرت حافظ صاحب نے میرا ہاتھ چھوڑ لیا۔ معاً ہاتھ چھڑانے کے میں اور حافظ صاحب

پشاور میں تھے۔"

آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جو شخص اپنے بدن میں جس جگہ بھی درد پاتا ہو، آپ کے مزار پُرانوار پر حاضر ہو اور آپ کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس تکلیف سے آرام دے دیتا ہے۔ اِس فقیر کے سامنے آپ کے مزار پر ۱۴ر مارچ ۱۹۴۹ء کو ایک فرنگی موٹر میں پڑا ہوا آیا۔ اس کے مسلمان بہروں نے اس کو موٹر سے اٹھا کر آپ کے مزار مبارک کے پاؤں کی طرف لٹا دیا۔ لیٹے لیٹے وہ انگریزی میں دُعائیں کرتا رہا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اُٹھا بغیر سہارے کے موٹر تک گیا؛ پھر واپس لوٹا اور آکر مزار پُرانوار کو چار بوسے دیئے اور بالکل تندرست ہو کر چلا گیا گویا کہ اُسے درد تھا ہی نہیں۔

آپ کی وفات بزمانہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ ۱۴ر شعبان المعظم ۱۱۱۶ھ میں ہوئی۔ مزار پُرانوار پشاور چھاؤنی میں تھانہ شرقی کے سامنے مرجع عوام ہے۔ ہر سال اسی تاریخ کو جناب حضرت شیخ المشائخ سید میر اصغر صاحب المعروف پیر میر آغا جان صاحب کابلی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی نہایت اہتمام سے عرس کرتے تھے۔ اب آنجناب کے فرزند عرس کرتے ہیں۔

حضرت شیخ المحدثین سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۰۸۴ھ تا سنہ ۱۱۵۲ھ

آپکا اسم گرامی سید محمد غوث لقب شیخ المحدثین غوث وقت اور شاہ محمد غوث کے نام سے مشہور ہیں[۱]
آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شادی خاندان سادات کنڑ حضرت سید علی ترمذی المشہور پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نواسی سے کی۔ یہ بی بی صاحبہ اتنی نیکوکار اور صالحہ تھیں کہ آپ کا لقب رابعہ عصر پڑ چکا تھا۔ آپ اسی عفیفہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والد محترم کے زیر سایہ ہوئی، چنانچہ آپ خود رقمطراز ہیں[۲]۔

چوں احقر در ہفت سالگی رسید ہر چند قرآن می خواند ضبط نمی شد، و قاصر الفہم بود قبلہ گاہی بجناب حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ، در باطن عرض کردند کہ ایں پسر را مہربانی فرمایند، از جناب مہربانی شد کہ بہرہ از علم ظاہر و باطن بخشیدم، بعد آں

---

[۱] خزینۃ الاصفیا ص ۱۷۵ "وز طاعات و عبادات رابعہ عصر بودہ" [۲] قلمی رسالہ از حضرت موصوف ص ۵۲-۵۱

بفضلِ الٰہی فتح یاب علم شد، واندک زمان تحصیل علم ظاہر شد"۔

یعنی جب اِس احقر کی عمر سات سال کی ہوئی تو بہت ہی قرآن مجید پڑھا مگر ضبط نہ ہوا۔ بڑا ہی قاصر الفہم تھا۔ جناب قبلہ گاہ والد صاحب نے باطنی طور پر حضرت پیر دستگیر (غوث اعظم) رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں عرض کی کہ اس بیٹے پر مہربانی فرماویں۔ آپ نے عنایت فرمائی۔ اور ظاہر و باطن کے علوم سے نوازا گیا۔ اس مہربانی کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علوم کے دروازے کھُل گئے اور بہت تھوڑی مدت میں علم ظاہری حاصل ہو گیا"۔

"چنانچہ در سن ہژدہ سالگی از تحصیل کتب متداولہ فارغ شدم، مطول در شش ماہ خواندم، و دیگر کتب را بسرعت تمام خواندہ شد"۔

چنانچہ اٹھارہ برس کی عمر میں تمام علوم کی مروّجہ کتابیں پڑھ لیں، مطوّل کو چھ ماہ میں پڑھ لیا۔ نیز دیگر کتابوں کو بھی جلدی جلدی پڑھ لیا۔ تلویح توضیح جناب عالم علوم ظاہری و باطنی اخوند مولینا محمد نعیم صاحب سے پڑھی۔ جناب مولانا صاحب کابل کے پرگنہ "محمود کار" میں رہتے تھے۔ جب آپ علوم متداولہ سے فارغ ہو گئے تو احادیث پڑھنے کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"کہ استماع حدیث از خدمت میاں جان محمد صاحب[1] کلاں کہ در منڈی فائیزا باد بودہ می نمودم۔ واذن حدیث گرفتم"۔

یعنی استماع حدیث میاں جان محمد صاحب کلاں جو کہ منڈی فائیزا باد میں سکونت رکھتے تھے،

---

[1] میاں جان محمد صاحب کلاں، جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب کے مدرس اور خلیفہ تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیا ص ۴۸۳ پر لکھتے ہیں۔ "در طریقت و شریعت و فقہ و حدیث عالم کامل و مقتدائی زمانہ بود"۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۱۲۰ھ ہے۔

کی اور حدیث شریف کی اجازت بھی (انہی سے) لی۔" بعض علوم آپ نے میاں نور محمد مدقق حاجی یار بیگ صاحب، مولانا مولوی عبدالہادی صاحب اور میاں محمد مراد نابینا سے اخذ کئے، فرماتے ہیں۔

"در خدمت میاں نور محمد صاحب مدقق، و حاجی یار بیگ و مولوی عبدالہادی صاحب، و میاں محمد مراد صاحب نابینا کہ ایں ہمہ فضلائی کمال تحریر بودند استفادہ از بعضے علوم نمودہ شد۔"

آپ دورانِ تعلیم ہی میں والد گرامی مرتبت کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے کہ سلوک و معرفت کے علوم سے بھی آپ کو حصّہ عطا فرمایا جاوے مگر والد محترم ہمیشہ آپ کو ارشاد فرماتے کہ پہلے علوم ظاہر کی تکمیل کر لو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں۔

"در اثنائے تعلیم ہم شوق و طلبِ حق بایں فقیر غالب بود، اما قبلہ گاہ می فرمودند کہ بعد از فراغ تحصیل چیزے گفتہ خواہد شد۔"

جب آپ تحصیل علم کر چکے تو اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ برس کی تھی۔ جناب قبلہ والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ اب حصول علم سے فارغ ہو چکا ہوں۔ راہِ حقیقت کی طرف رہنمائی کیجئے۔ جناب ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے طریقہ عالیہ قادریہ میں بیعت فرما کر "ذکرِ الٰہی" کی تلقین کی۔ خلوت میں بٹھا دیا اور چار چلے والد محترم کے حضور میں ہی ذکرِ الٰہی کے پورے کئے۔

"چنانچہ چہار اربعین بحضور والد خود نشستم"

اس کے بعد آپ چھ سال تک ایک علیحدہ تنہائی کے مقام پر عبادت و زہد میں مصروف

رہے اور سلوک و معرفت کے دشوار گذار منازل کو پورا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس عرصہ میں اپنے واردات اور اپنی کیفیات اپنے والد کی خدمت میں عرض کرتا رہتا۔

"آنچہ صواب بود تحسین می فرمودند' اور اگر لغزش ہوتی تو تدارک آں نمودند" آپکا ارشاد ہے کہ۔

"تفاصیل آں در نوشتنی نمی آید از کسب و شغل معلوم می شود"

یعنی ان باتوں کی تفصیل حیطۂ تحریر سے باہر ہے کہنے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے"۔
غرضیکہ چھ برس تک آپ ذکرِ لسانی، جھر، خفیہ، ذکرِ قلبی اور مراقبات میں مصروف رہے۔ چھ برس کے بعد جناب والد گرامی قدر نے اپنے فرزندِ ارجمند کو سلسلہ عالیہ قادریہ کا منشورِ خلافت تحریر فرما دیا۔

آپ نے اولیاء اللہ کو ملنے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے متعدد سفر کئے۔ سب سے پہلے پشاور شہر ہی میں جناب حافظ عبد الغفور صاحب کشمیری نقشبندی کی صحبت میں حاضر ہوئے، آپ فرماتے ہیں۔

"اگرچہ صحبت ایشاں مفید بود۔ لیکن فقیر را اصلاً تشفی نمی شد"

یعنی اگرچہ ان کی صحبت فائدہ مند تھی، مگر درحقیقت اطمینان خاطر میسر نہ تھا۔
مختلف فقرا کو مل کر آپ "اٹک" تشریف لے گئے۔ اٹک میں حضرت حاجی صاحب یعنی شیخ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی، حضرت جی صاحب آپ سے انتہائی شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"مہربانی بسیار کردند، ذکر قلبی در صحبتِ ایشاں غالب بود، چنانچہ ذکر قلب و طریقہ حبس و بعضی مقامات بر در حبس ضرور بودند از صحبتِ ایشاں حاصل شد،"

ونیز اجازت طریقہ نقشبندیہ فرمودند"۔

یعنی حضرت یحییٰ صاحب نے (حضرت جی صاحب) بہت مہربانی فرمائی، ان کی صحبت میں ذکرِ قلبی غالب ہوا، ذکرِ قلبی، حبس کا طریقہ، اور بعض دیگر مقامات جو کہ حبس کے لئے ضروری ہیں، ان کی صحبت سے حاصل ہوئے، نیز آپ نے طریقہ عَلیّہ نقشبندیہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی"۔ اٹک کے گرد و نواح کے فقرا کو مل کر راولپنڈی کے قریب نورپور شاہاں میں شاہ لطیف[1] مجذوب سے بھی ملے۔ آپ خود رقمطراز ہیں۔

"توجہ در حق فقیر کردند، اثر آں در معلوم شد۔ لیکن بعد یک روز اثر آں معدوم گشت و باقی نماند"۔

نوشہرہ (نواح گجرات) میں حاجی تلگو صاحب کنجاہ میں درویش محمد جعفر صاحب سے مل کر لاہور پہنچے۔ لاہور آپ کے وقت میں علماء، مشائخ، فقراء اور مجاذیب کا مرکز تھا۔ لاہور کے تمام حضرات سے ملاقات کی، آپ فرماتے ہیں۔

"مجاذیب و گوشہ نشینان و سالکان و اہل شوق را بسیار دیدم در مزارات بزرگان ہم شب ہا گذرانیدہ شد"۔

میاں جان محمد صاحب کلاں، میاں جان محمد صاحب قصاب پورہ والے، میاں نور محمد صاحب مدقق، حاجی یاد بیگ صاحب، مولوی عبدالہادی صاحب، میاں محمد مراد صاحب نابینا، حاجی محمد سعید صاحب اور دوسرے بزرگان کی ملاقات کی۔ لاہور سے چل کر نواح سرہند شریف میں حضرت سید بھیکہ چشتی سے ملے، آپ فرماتے ہیں۔

---

[1] بری امام کے نام سے مشہور ہیں۔

"اجازت و استفادہ بعضی اذکار و اشغال حاصل نمودم چنانچہ اجازت شغل سہ پایہ ہشت رکنی را از خدمتِ اوشاں حاصل کردم"

سرہند شریف تشریف لائے۔ یہاں پر جناب شیخ صبغۃ اللہ صاحب، حضرت میاں عبدالاحد صاحب، المعروف بہ میاں گل صاحب اور میاں فرخ شاہ صاحب[1] سے ملاقات کی۔ حضرت میاں گل صاحب نے آپ کو حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے جا کر توجہ دی۔ اور اپنی کتاب مسمیٰ بہ معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عنایت فرمائی۔ سرہند شریف سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں شیخ محمد چشتی اور شیخ کلیم اللہ صاحب اور دوسرے بزرگانِ کرام سے ملاقات کی۔ شیخ کلیم اللہ صاحب نے اپنی مصنفہ کتاب القیمات آپ کو عنایت فرمائی۔ مزارات پر بھی جہان آباد میں راتیں گذاریں چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"برمزار شریف حضرت خواجہ قطب الدین چند گاہ گذرانیدم اوشاں ہم بفضلات و عنایات فرمودند۔"

یعنی حضرت خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار شریف پر کچھ راتیں گذاریں تو آپ نے بہت ہی فضیلتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ دہلی سے اکبر آباد ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے اور حضرت خواجۂ بزرگ عطائے رسول قطبُ الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے، اور سلام عرض کیا۔ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] میاں فرخ شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ "کہ جامع علم ظاہر و باطن و اعلم زمان و مصنفِ وقت و محدث بودند"

"در باطن مہربانی فرمودند و توجہات عنایات کردند"

اجمیر شریف سے واپس لاہور پہنچے۔ وہی شوق اور وہی لگن، اولیاء اللہ کی خدمت کا جذبہ صادقہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ لاہور کے قریب ایک گاؤں بنام سیام چوراسی تھا۔ وہاں ایک ولی اللہ تھے جن کا اسم گرامی عبد الغنیؒ تھا وہ ان دنوں لاہور تشریف لائے تھے۔ آپ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں۔

"فقیر مکرر بخدمتِ ایشاں رفتہ، اکثر صحبت ایشاں و مجلس خاص ایشاں میسّر می شد، توجہ نسبتِ ذات بحت کردند، چنانچہ ازاں سبب بے خودی و بیرنگی غلبہ می کرد، و اجازت آں نسبت و دیگر مراقبہ ذکر و شغل ہم بفقیر دادند۔ چنانچہ گاہ نسبتِ مذکور غالب می بود و گاہی نمی باشد"

یعنی مجھے ان کی خاص صحبتیں خلوت میں میسر ہوئیں نسبت ذات بحت کی توجہ کرتے تھے۔ اسی لئے بے خودی اور بے رنگی غلبہ کرتی تھی۔ اس نسبت، دیگر شغل اور مراتب ذکر کی اجازت مرحمت کی۔ چنانچہ کبھی وہ نسبت غالب ہوتی اور کبھی نہ ہوتی۔

اتنا طویل سفر کرنے کے بعد جب آپ واپس پشاور پہنچے، تو ارشاد فرمایا۔

"اکثر بزرگان را از سالکان و مجذوبان و صلحاء و مرتاضان، را زیارت کردہ شد ہمہ مہربانی فرمودند، بقدر نصیب چیزے حاصل نمودہ شد، اما آنچہ مطلوب ایں حقیر بود میسر نہ شد۔ ع

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا ندادہ بوئے
نہ دمید صبح بختم چہ گناہ نہم قضا را"

یعنی اکثر بزرگانِ کرام سے، سالکوں، مجذوبوں صلحا اور مرتاض لوگوں کی زیارت کی۔ تمام

"در باطن مہربانی فرمودند و توجہات عنایات کردند"

اجمیر شریف سے واپس لاہور پہنچے۔ وہی شوق اور وہی لگن، اولیاء اللہ کی خدمت کا جذبہ صادقہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ لاہور کے قریب ایک گاؤں بنام سیام چوراسی تھا۔ وہاں ایک ولی اللہ تھے جن کا اسم گرامی عبدالغنی تھا وہ ان دنوں لاہور تشریف لائے تھے۔ آپ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرماتے ہیں۔

"فقیر مکرر بخدمتِ ایشاں رفتہ، اکثر صحبت ایشاں و مجلس خاص ایشاں میسّر می شد، توجہ نسبتِ ذات بحت کردند، چنانچہ ازاں سبب بے خودی و بیرنگی غلبہ می کرد، و اجازت آں نسبت و دیگر مراقبہ ذکر و شغل ہم بغفیر دادند۔ چنانچہ گاہ نسبتِ مذکور غالب می بود و گاہی نمی باشد"

یعنی مجھے ان کی خاص صحبتیں خلوت میں میسر ہوئیں نسبت ذات بحت کی توجہ کرتے تھے اسی لئے بے خودی اور بے رنگی غلبہ کرتی تھی، اس نسبت، دیگر شغل اور مراتب ذکر کی اجازت مرحمت کی۔ چنانچہ کبھی وہ نسبت غالب ہوتی اور کبھی نہ ہوتی۔

اتنا طویل سفر کرنے کے بعد جب آپ واپس پشاور پہنچے، تو ارشاد فرمایا۔

"اکثر بزرگان را از سالکان و مجذوباں وصلحاء و مرتاضان، را زیارت کردہ شد ہمہ مہربانی فرمودند، بقدر نصیب چیزے حاصل نمودہ شد، اما آنچہ مطلوب ایں حقیر بود میسر نہ شد۔ ع

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے
نہ دمید صبح بختم چہ گناہ نہم قضا را"

یعنی اکثر بزرگانِ کرام سے، سالکوں، مجذوبوں صلحا اور مرتاض لوگوں کی زیارت کی۔ تمام

حضرات نے مہربانی فرمائی۔ جس قدر قسمت میں تھا حصہ ملا، مگر میری دلی مراد پوری نہ ہوئی۔
آپ نے پشاور سے پھر کشمیر کا سفر اختیار کیا۔ مورّخ کشمیر حضرت مفتی محمد شاہ صاحب سعادت فرماتے ہیں۔ "کہ سرزمین کشمیر میں متواتر چند دفعہ تشریف فرما کر قدرتی مظاہر و مناظر سے لطف اُٹھایا تبلیغِ دین کا فریضہ بجا لائے۔ مشائخ کرام کی ملاقات سے کامیاب رہے۔ طریقہ شریفہ کے نشر و اشاعت میں پوری توجہ سے کام لیا۔"

آپ کے علم و فقر کی شہرت اتنی عام ہوئی کہ ہر کہ و مہ کی زبان پر آپ کی دینی تبلیغ، خدمتِ فقرا، درس اور لنگر کا تذکرہ تھا۔ لوگ جوق در جوق آتے اور حسب حال امداد حاصل کر کے جاتے۔ جو تحائف اور ہدایا آتے تو آپ فقراء مساکین، بیواؤں اور یتیموں پر صرف کر دیتے، مسافر کو زادِ راہ مہیا کرتے، اتنے اخراجات کرنے کے باوجود آپ کے چہرۂ اقدس پر میل تک نہیں آئی، اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی حکمرانِ وقت اور امیر سے کوئی امداد قبول کی۔ دربار دہلی کی طرف سے ایک بار آپ کی خدمت میں ایک ہزار اشرفیاں پیش کی گئیں آپ نے یہ فرماتے ہوئے واپس کریں کہ "مستحق افراد میں ان کو بانٹ دو سب مجھے ان کی ضرورت نہیں، یہ غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کا حق ہے"۔

جب محمد شاہ[1] بادشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ (اس وقت آپ لاہور میں تشریف فرما تھے) تو اس نے پشاور سے آپ کے نام حکم نامہ لکھا کہ دربار میں حاضر ہوں، اور میرے لئے دُعا کریں۔ آپ نے محمد شاہ بادشاہ کو صاف جواب لکھ کر بھیج دیا

"کہ طریق پیر ما نیست کہ نزد بادشاہ روند، و باستمداد ے پرداز ند، کہ برائے

---

[1] یہ حملہ محمد شاہ نے بعہدِ نادر شاہ ۱۱۵۱ھ میں کیا تھا [2] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۱۸۵ ؎

ہر یک استمداد حق جل وعلا کافی است۔"

آپ کے اس جواب سے بادشاہ بہت برافروختہ ہوا، غصہ سے جھلا اٹھا، اور حکم دیا کہ سب سے پہلے لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد غوث صاحب کو اس حکم عدولی پر سزا دوں گا۔ اس کے بعد دہلی کی طرف قدم بڑھاؤں گا۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جب محمد شاہ مع لشکر کے دریائے اٹک پر پہنچا تو دریا میں طغیانی آگئی اور دن بدن بڑھنے لگی۔ کافی دن محمد شاہ کو یہاں پر لگ گئے، اس نے امراء سے مشورہ کیا۔ مشورہ کرنے کے بعد بادشاہ نے اپنا قاصد پشاور میں آپ کے خلیفہ محمد غوث[۱] کے پاس بھیجا کہ وہ دعا کریں کہ طغیانی ختم ہو، آپ کے خلیفہ نے بادشاہ کو جواب لکھا۔

"کہ ایں ہمہ توقف از شامت ارادہ بد بادشاہ است، کہ بہ نسبت حضرت سید محمد غوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادہ باز آید ممکن است کہ از آب دریا عبور نماید۔"

جب بادشاہ کو ایک فقیر درویش کا یہ پرزہ کاغذ ملا، تو لرز گیا۔ توبہ کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے طغیانی کو ختم کر دیا۔ بادشاہ دریا عبور کر کے لاہور پہنچا۔ محمد شاہ بادشاہ نے لاہور پہنچ کر اپنے حضور طلب کیا۔ مگر آپ نے شدت کے ساتھ محمد شاہ کے دربار میں جانے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اشرفیاں آپ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ نہایت ہی اخلاقِ کریمانہ سے بادشاہ کو ملے۔ مگر اشرفیاں لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ "میرا تقویٰ اور اعتماد اللہ جل جلالہٗ پر ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔ صاحب

---

[۱] یہ محمد غوث، حضرت شاہ محمد غوث صاحب کا خلیفہ تھا اور دربار مبارک سید حسن رحمۃ اللہ علیہ میں مقیم تھا۔ مستجاب الدعوات تھا۔

خزینۃ الاصفیا فرماتے ہیں،

"کہ (بادشاہ) در لاہور رسیدہ مخلصانہ ملاقات کرد"

جس وقت آپ کے والد محترم حضرت ابوالبرکات سید حسن رحمۃ اللہ کا انتقال ۱۱۱۵ھ میں ہوا تو اس کے فوراً بعد بادشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کے نام حضرت ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے گرد چالیس جریب زمین کی سند لکھ کر بھیج دی، مگر آپ نے قطعی جواب دے دیا کہ "میں فقیر آدمی ہوں، اللہ تعالیٰ کا دروازہ مجھے کافی ہے۔ وہی میرا کارساز ہے، وہی میرا مولیٰ ہے اور وہ بہت اچھا آقا ہے۔"

۱۱۲۰ھ میں پشاور شہر میں خانقاہ عالیہ قادریہ سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر باقاعدہ سلسلہ تدریس شروع کر دیا۔ درس قرآن، درس حدیث اور طریقہ مبارکہ کے ارشادات خود فرماتے، آپ کے درس مبارک میں اکابر علما کے لڑکے اور مشائخ کرام کے صاحبزادگان آکر علوم سے بہرہ ور ہوتے۔ حدیث شریف کا درس اتنا وسیع تھا کہ علاوہ پنجاب و سرحد کے کابل، ہرات اور غزنی کے طلبا جوق در جوق آ آ کر شامل ہوتے نیز تمام طلبا کی رہائش لباس اور طعام کا بندوبست بھی آپ خود فرماتے، دوسری طرف اپنے سلسلہ مبارک کی نشر و اشاعت میں انتھک کوشش کرتے۔ سینکڑوں مریدین اور معتقدین آتے

لہ یہ سند آپ نے واپس کی تو پھر وہاں سے واپس کی گئی۔ درگاہ مبارکہ کے منتظمین خلفاء نے یہ سند قبول کرلی تھی۔ مگر آپ نے نہ مانا۔ وہ سند اس فقیر کے پاس نسلاً بعد نسل پڑی ہوئی تھی۔ اس فقیر نے وہ سند محبی و مخلصی مہتمم عجائب خانہ پشاور جناب محمد شکور صاحب ایم۔اے کی وساطت سے نیشنل میوزیم کراچی کو دے دی۔

اور رشد و ہدایت سے بہرہ یاب ہو کر واپس لوٹتے، غرضیکہ آپ کی خانقاہ میں تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ کوئی قرآن حکیم، احادیث شریف، فقہ شریف اور تصوّف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی نفی اثبات کے ذکر میں مشغول ہے، کوئی مراقبہ کر رہا ہے تو کوئی رابطہ قلب کے ساتھ درد و شوق بڑھا رہا ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ سب پر آپ کی نظرِ کرم موجود ہے۔

۱۱۳۱ھ میں آپ نے بخاری شریف کی شرح لکھی۔ آپ ۱۱۴۰ھ تک پشاور میں رہے اور پھر لاہور تشریف لے گئے۔ چار برس تک لاہور میں بھی اسی طرح تبلیغ دین و اشاعت سلسلہ میں منہمک رہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بادشاہ روحانی حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، قطب الاقطاب کے مقام پر سرفراز ہو کر لاہور میں مقیم ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ جس طرح مقامات و علوم باطنی سے مشرف تھے، اسی طرح علوم ظاہری سے بھی آراستہ و پیراستہ تھے۔ جناب مؤرخ کشمیر مفتی سعادت صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ خواجہ محمد مراد بیگ جیسے حقیقت شناس بزرگ نے آپ کی تعریف و توصیف میں لکھا ہے۔

"کہ بکلی علم آراستہ است بذکر و فکر اشتغال دارد"

صاحب خزینۃ الاصفیا و حدیقۃ الاولیا۔ فرماتے ہیں۔

"جامع ظاہر و باطن، کاشفِ رموزِ طریقت و حقیقت بود"

جس علم و عرفان کی آپ چالیس برس تک اشاعت کرتے رہے۔ آپ نے اس کو کتابوں میں تحریر بھی فرمایا۔ زبانی طور پر یہ بات خاندان میں چلی آرہی ہے کہ آپ نے تقریباً چار سو کتابیں لکھیں۔ مگر چونکہ آپ کی تمام اولاد تبلیغ کے لئے میدانوں اور پہاڑوں میں

پھرتی رہی اس لئے کتابیں محفوظ نہ رہ سکیں۔ جو کتابیں مل سکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **شرح غوثیہ** : آپ نے بخاری شریف کی یہ شرح ۱۳۱۱ھ میں فرمائی جو کہ شرح غوثیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شرح علم حدیث میں ایک بحر ناپید اکنار ہے۔ حدیث شریف کے متعلق جتنے علوم ہیں وہ سب اس شرح میں آپ نے حل فرمائے ہیں۔ اس شرح میں علاوہ دیگر متعلقہ علوم کے بخاری شریف کے اسماء الرجال کو مکمل بیان کیا ہے۔ فقہ حنفی کی تطبیق نہایت ہی احسن طریقہ پر کی ہے۔ حضرت استاذِ محترم عزت مآب صاحبزادہ حافظ علی احمد صاحب شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ نے جب یہ شرح ملاحظہ فرمائی تو فرمایا۔ "اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت کے سامنے لوحِ محفوظ تھی جس کو دیکھ کر آپ یہ شرح لکھ رہے تھے"۔ جناب مولینا عبید الحق صاحب محدث دار بنگوی فرماتے تھے کہ جس طرح نووی مسلم شریف کی دیگر شروح سے بے نیاز کر دیتی ہے اسی طرح بخاری شریف کی یہ شرح، بخاری کی اور شروح سے بے نیاز کرتی ہے"۔ یہ شرح فارسی میں ہے اور صاحبزادہ فضل صمدانی صاحب ساکن بھانہ ماڑی پشاور کے کتب خانہ میں تھی اور اب پشاور یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے۔ یہ شرح صرف پہلی جلد ہے جو کہ بخاری شریف کے تین پاروں پر مشتمل ہے۔ تقطیع بڑی ہے اور تقریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

۲۔ **رسالہ اصولِ حدیث** : یہ حدیث کے اقسام پر عربی میں آپ نے لکھا ہے۔ اس فقیر نے اس کو چھپوایا ہے اور اکثر دار العلوموں میں بطورِ درس کے پڑھایا جاتا ہے اس فقیر کے اُستاذِ محترم صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بخاری شریف کے اسباق کے دوران اس کا نہایت ہی نفیس و جلیل ترجمہ کیا ہے۔ اِنشاء اللہ چھاپ دیا جائے گا۔

۳- رسالہ در بیان کسبِ سلوک و بیان طریقت و حقیقت[1] (فارسی قلمی)

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، تصوّف پر لکھا ہے۔ یہ رسالہ مکمل و اکمل مرشد ہے۔ سالک کو قدم قدم پر ہدایت کرتا اور سمجھاتا ہے۔ چنانچہ آپ خود اس رسالہ میں رقمطراز ہیں کہ طالب کو اگر اس راہ کی طلب ہے تو

"اوّل مرشد کند کہ کار بدون او نکشائد دحل این عقدہ بوصل اوست، اگر این چنین مرشد نہ باید پس آنچہ دریں رسالہ مسطور است از محققان و صاحب کمالان حاصل نمودہ خلاصہ آں نوشتہ، باید کہ بریں عمل نماید البتہ از فائدہ و پہنائی این راہ خالی نخواہد ماند، و اتفاقی خواہد شد، اگر استعداد کامل باشد، شاید بمقصود برسد"۔

اس رسالہ میں ایک دیباچہ اور چھ فصلیں ہیں۔ دیباچہ میں "ذکرِ مدام" اور "ذکرِ تمام" "اکلِ حلال" "صدقِ مقال" وغیرہ پر بحث ہے۔ پہلی فصل شریعت کے بارے میں ہے اس فصل کی ابتدا میں فرمایا۔

"اوّل سالک را لازم است کہ سعی در متابعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماید و قدم از متابعت او بیرون نہ نہد، و در عقائد، اعمال، افعال و احوال در تبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوشد"۔

---

[1] لاہور سے "اللہ والے" کتب فروش نے آپ کا ایک رسالہ جس میں اس رسالہ کا کچھ حصّہ شامل ہے "اسرارِ طریقت" کے نام سے اُردو میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ نہایت ہی نامکمل ہے۔ اس میں صفحہ ۱۳ سے لے کر صفحہ ۳۹ تک کا مضمون جناب حضرت محمد غوث صاحب گوالیاری کا ہے جو کہ اصل کتاب میں موجود نہیں نیز ترجمہ کرنے والے نے بھی ترجمہ میں کوتاہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔ آمین

۳۔ رسالہ در بیان کسبِ سلوک و بیان طریقت و حقیقت[1] (فارسی قلمی)

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، تصوف پر لکھا ہے۔ یہ رسالہ مکمل و اکمل مرشد ہے۔ سالک کو قدم قدم پر ہدایت کرتا اور سمجھاتا ہے۔ چنانچہ آپ خود اس رسالہ میں رقمطراز ہیں کہ طالب کو اگر اس راہ کی طلب ہے تو

"اول مرشد کند کہ کار بدون او نکشاید و حل ایں عقدہ بوصل او ست، اگر ایں چنیں مرشد نہ باید پس آنچہ دریں رسالہ مسطور است از محققان و صاحب کمالان حاصل نمودہ خلاصہ آں نوشتہ، باید کہ بریں عمل نماید البتہ از فائدہ و پہنائی ایں راہ خالی نخواہد ماند، و انتفائی خواہد شد، اگر استعداد کامل باشد، شاید بمقصود برسد"۔

اس رسالہ میں ایک دیباچہ اور پانچ فصلیں ہیں۔ دیباچہ میں "ذکرِ مدام" اور "فکرِ تمام" "اکلِ حلال" "صدقِ مقال" وغیرہ پر بحث ہے۔ پہلی فصل شریعت کے بارے میں ہے اس فصل کی ابتداء میں فرمایا۔

"اول سالک را لازم است کہ سعی در متابعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماید و قدم از متابعت او بیرون نہ نہد، و در عقائد، اعمال، و افعال و احوال در تبعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوشد"۔

---

[1] لاہور سے "اللہ والے" کتب فروش نے آپ کا ایک رسالہ جس میں اس رسالہ کا کچھ حصہ شامل ہے "اسرارِ طریقت" کے نام سے اُردو میں شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ نہایت ہی نامکمل ہے۔ اس میں صفحہ ۳۱ سے لے کر صفحہ ۳۹ تک کا مضمون جناب حضرت محمد غوث صاحب گوالیاری کا ہے جو کہ اصل کتاب میں قطعاً نہیں، نیز ترجمہ کرنے والے نے بھی ترجمہ میں کمی بیشی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے۔ آمین

نماز کی پابندی، نبوی استفادہ کا طریقہ، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود، طریقہ تہجد، طریقت سے کیا مراد ہے اور ذکر کے طریقوں کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں ان مراقبوں کا ذکر ہے جو ذکر کے بعد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مراقبہ حضور، مراقبہ شہود، مراقبہ معیت، احاطہ ذاتیہ، اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ تیسری فصل حقیقت کے بیان میں ہے۔ چوتھی فصل معرفت اور پانچویں فصل مراتب وجود اور ظہور ذات کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل میں اپنے پیر و مرشد والد محترم کا تذکرہ اور خرقہ خلافت کا بیان ہے اور ان بزرگان کرام اور علمائے کرام کا ذکر ہے جن سے آپ نے استفادہ کیا اور انہیں ملے۔ نیز اپنا شجرہ بھی ہے

۴ - **رسالہ ذکر جہر** : اس رسالہ میں قرآن مجید، احادیث شریف، کتب فقہ اور کتب علمائے کرام سے مدلل طریقہ سے ذکر جہر کا ثبوت دیا ہے اور نہایت ہی احسن وجوہ بیان فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ عربی میں قلمی ہے۔

۵ - **ترجمہ قصیدہ غوثیہ شریف** : فارسی قصیدہ شریف کی عام فہم اور صوفیانہ شرح ہے۔ صرف اور نحو کے مشکل مقامات کو نہایت آسان طریقہ پر حل فرمایا ہے۔ پیر عبدالغفار صاحب لاہوری نے ۱۹۰۰ء میں شائع کی تھی۔ اس شرح کا نام آپ نے "شرح محمدیہ" رکھا ہے۔

۶ - **اسرار التوحید** : (عربی) قلمی یہ کتاب توحید کے موضوع پہ ہے، کلکتہ (بھارت) میں حضرت مولانا مولوی عبدالرؤف صاحب داناپوری مصنف اصح السیر کے کتب خانہ میں ہے۔ حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ جب فصوص الحکم مصنفہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو آپ کو دو مقامات پر بہت

اشکال وارد ہوتے - آپ فرماتے ہیں ۔" ایکؔ تو وجہ مطلق کی تحقیق اور اس سے کثرت کے ظاہر ہونے کی کیفیت، دوسرا خاتم الاولیاء کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ آخر ایک رات حضرت شیخ ابنِ عربی اور شیخ صدرالدین قونی کو جو کہ شیخ کے اجل اصحاب سے تھے امعہ مولوی جامی کے خواب میں دیکھا۔ (خدا ان سب پر اپنی رحمت کرے) انہوں نے ہر دو مسئلوں کو خاکسار کے سامنے حل کر کے سمجھا دیا۔ جب میں بیدار ہوا تو میری تسلی تھی، بلکہ اس خواب کے بعد تو یہ کیفیت ہے کہ علم میں جو قضیہ وارد ہوتا ہے ایسا صاف ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے وجدان سے حاصل ہوا ہے اور جو شخص ان مسئلوں میں تصرف کرتا ہے۔ اس کا انتشار شبہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ناسمجھی کے باعث ایسا کر رہا ہے۔ اس کا جواب فوراً ذہن میں آموجود ہوتا ہے۔ ذرا بھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ گویا اِس علم کے مسئلے موجود ہیں"۔ فرماتے ہیں۔ "چنانچہ اس علم میں کئی رسالے لکھے ان میں سے ایک کا نام اسرار التوحید عربی میں کلاں رسالہ ہے۔ دوسرا فارسی میں، اس میں بعض وجدانی حقائق بھی درج کئے گئے ہیں"۔ اسی طرح آپ نے قرآن مجید کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ (ڈیرہ اسماعیل خان) کلاچی میں حضرت خواجہ نور محمد صاحب سروری قادری کے کتب خانہ میں ہے واللہ اعلم۔

منطق، فلسفہ اور الہیات کی کتابوں پر آپ نے شروح تحریر فرمائے ہیں۔ مگر افسوس کہ ان کتابوں کا پتہ نہیں لگ سکا۔ اگر کسی کے پاس ہیں تو وہ بتلانا بھی گوارا نہیں کرتے۔

لہ رسالہ در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت شائع شدہ پشاور حضرت علامہ مولینا مولوی الحاج حافظ نصیر احمد صاحب المتوفی سنہ ۱۳۰۱ھ خطیب اسلام المشہور میاں صاحب قصہ خوانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی کوئی کتاب ہو تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

آپ کے کشف و کرامات کو اگر جمع کیا جائے تو ایک مکمل الگ کتاب بن جائے گی مگر آپ کی ذات ستودہ صفات ان باتوں سے ارفع اعلیٰ اور بہت ہی بلند ہے۔ آپ نے خود بھی ان باتوں کو در خور اعتنا نہیں سمجھا، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ "سالک کو بعض اوقات ذکر کی حالت میں اپنے اور غیر کے قلب کا شاہدہ ہوتا ہے اور بعض اوقات اور باتیں بھی کھل جاتی ہیں۔ کشف قبور بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ (سالک) مطلوبِ حقیقی سے محروم رہ جاتا ہے" اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ ایسے روحانی درسگاہ کے فیض یافتہ تھے۔ جس کے استاد[۱] والا قدر کا یہ ارشاد ہے کہ

"ایں ہمہ (کشف و کرامات وغیرہ) آنچہ دیدی وشنیدی بازی طفلان است

وکارِ دیگر است، سالک را ایں کار آفات است و مانع علو درجات است"

اسی وجہ سے اس میں اختصار کیا جاتا ہے اور آپ کی وہ کرامتیں لکھی جاتی ہیں جن سے آپ کا تعلق باللہ ظاہر ہوتا ہے۔ نیز جن کرامات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا کو آپ نے کس طرح پائے استغنا سے ٹھکرایا۔

صاحب[۲] یادِ رفتگان لکھتے ہیں۔ "ایک دفعہ ایک نابینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ سید آلِ رسول ہیں مجھے دم کریں (تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی نصیب

۱؎ یہ قول آپ کے پیرو مرشد حضرت ابوالبرکات سید حسن بادشاہ صاحب قادری پشاوری کا ہے۔

۲؎ یادِ رفتگان کا مصنف محمد دین فوق امرتسری ہے۔

فرمادے) آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اُس کی آنکھوں پر دم کیا، اور ہاتھ پھیرا وُہ شخص فوراً بینا ہو گیا۔

جب آپ لاہور جاتے ہوئے اٹک پہنچے، تو ایک مہاتما بمعہ اپنے چیلوں کے آپ کی خدمت میں آیا، اور کہا کہ آپ درویش ہیں آپ کے لنگر سے سینکڑوں آدمی روٹی کھاتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک ٹکڑا کیمیا کا حاضر ہے آپ جتنا چاہیں اس سے سونا بنا کر اپنی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا اور وہ کیمیا آپ نے لے کر دریا میں پھینک دیا۔ وہ مہاتما بہت ہی خفا ہوا اور ناراضگی کا اظہار کیا۔ آپ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے دریائے اٹک کو کلمہ طیبہ پڑھ کر اشارہ کیا۔ دریا پھٹ گیا۔ تو اس مشرک کو ہر طرف سنگِ پارس ہی سنگِ پارس نظر آئے۔ آپ نے اس مشرک کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر اتنا عظیم احسان ہے جو تم نے دیکھا اور یہ احسانِ عظیم تم پر بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان لے آؤ۔ وہ مہاتما بمعہ اپنے چیلوں کے آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر یہی مہاتما آپ کا خلیفہ بنا اور بڑے بڑے اولیاء آ کر اس سے فیض پاتے۔ اِس کی قبر آپ کے پاؤں کی طرف ہے۔

صاحب حدیقۃ الاولیاء جناب مولینا مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت کی کرامتیں اکثر مشہور ہیں۔ مگر چشم دید یہ ہے، جب رنجیت سنگھ کے بعد کھڑک سنگھ جانشین حکومت لاہور ہوا تو اس کے بیٹے نونہال سنگھ نے جو بااختیار حاکم تھا حکم دیا کہ لاہور کی فصیل کے باہر چار ہزار قدم تک زمین صاف کر دی جائے۔ مکانات گرا دیئے جائیں، اور درخت کاٹ دیئے جائیں۔ ایک انگریز دلّا روس اس کام پر مقرر کیا گیا۔

اُس نے مکانات گرانے شروع کر دیئے۔ آپ کے مکان کی چار دیواری بھی گرائی شروع کی گئی۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ جب اندرون دیوان خاص مزار کی چار دیواری گرائی گئی تو قدرتِ الٰہی سے اسی روز کھڑک سنگھ مر گیا۔ اور نونہال سنگھ جب نعش جلا کر آیا تو سلامی کی توپوں کے زلزلے سے قلعہ کے دیوار کا پتھر جدا ہو کر نونہال سنگھ کے سر پر آگرا، اور وہ جوان، جوان مرگ ہوا۔ اس کی والدہ چند کور ڈری اور حکم دیا کہ مزار حضرت کا نہ گرایا جائے۔ چنانچہ گرا ہوا مکان اسی وقت تعمیر کیا گیا۔

آپ کی وفات ۲ ربیع الاول ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔ بیرون دہلی دروازہ لاہور آپ کا مزار واقع ہے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ (سید میر محمد عابد شاہ صاحب، سید میر شاکر شاہ صاحب، میر سید شاہ میر صاحب، میر باقر شاہ صاحب، یہ ہر چہار آپ کے مرید اور خلفاء تھے۔ اور آنجناب کے بہت سے اور خلفا بھی تھے۔ ان میں سے حافظ محمد سعید صاحب، حافظ محمد صدیق صاحب۔ محمد غوث صاحب اور جناب شیخ وجیہہ الدین صاحب المعروف پیر زنبلی[1] لاہوری، نیز آپ کے پوتے جناب حضرت شاہ غلام صاحب بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔

---

[1] صاحب خزینۃ الاصفیا ص۱۰۰ پر لکھتے ہیں۔ "بیعت سلسلہ قادریہ بخدمت حضرت شاہ محمد غوث گیلانی کرد و خرقہ خلافت یافت۔" آپ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ " از مکمل مشائخ متاخرین و اعاظم اولیائے روئے زمین است، جامع علوم ظاہری و باطنی و مورد فیوض صوری و معنوی و واقف اسرار جلی و خفی مقتدائی زمانہ یکتائی وقت خود بود۔" آپ کی وفات ۱۱۸۲ھ میں ہوئی، آپ کی قبر لاہور سے باہر مزنگ میں واقع ہے۔

حضرت غوثِ زماں میاں محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضع چمکنی پشاور

سنہ ۱۰۸۴ھ تا سنہ ۱۱۹۰ھ

آپ کا اسم شریف میاں محمد عمر صاحب، والد کا نام ابراہیم خان، دادا کا نام کلاخان ہے، اور القاب مورخ عظیم، شیخ المشائخ، عمدۃ العلماء، قدوۃ الفضلاء، اور غوثِ زماں ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں عموماً اور دوسرے شہروں میں خصوصاً میاں صاحب چمکنی شریف کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ باجوڑ کے علاقہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا کلاخان بہت بڑے عالمِ دین اور طریقہ قادریہ و چشتیہ کے روحانی پیشوا تھے۔ حکمران طبقہ، اور دیگر ہر قسم کے لوگ آپ کی روحانیت اور علم کے معترف تھے۔ جس کی بدولت آپ کو بڑی عزت و عظمت سے دیکھا جاتا جناب کلاخان شاہ جہان[1] کے دورِ حکومت میں لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں آپ کی تشریف آوری کا جب شاہ جہان کو پتہ چلا تو اُس نے آپ کی بہت ہی خاطر و مدارات کیں اور انتہائی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اور دریائے راوی

---

[1] شاہ جہان سنہ ۱۰۳۷ھ میں تختِ شاہی پر بیٹھا اور سنہ ۱۰۷۶ھ میں فوت ہوا۔

کے کنارے پر موضع فریدآباد کی جائداد بطور جاگیر کے دے دی۔ کلاخان صاحب اپنے تمام کنبہ کو لے کر فرید آباد میں آباد ہو گئے، اور تمام جاگیر کا انتظام و انصرام خود کیا۔

فرید آباد کے قریب ایک موضع تھا جس کا نام سیداں والا ہے۔ جناب کلاخان نے اس موضع میں ایک شریف گھرانے میں شادی کی۔ اس بیوی کے بطن سے صرف ایک لڑکا مسمی محمد ابراہیم خان پیدا ہوا۔

جناب کلاخان اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اور باقی قبیلہ کو فرید آباد میں رہائش پذیر کر کے اپنے آبائی وطن باجوڑ کو عازم سفر ہوئے۔ جب دریائے سندھ کو عبور کر کے خلہ خیل دیل علاقہ میں موضع کلاخان پہنچے تو وہاں پر جناب کلاں خاں کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے محمد ابراہیم خان نے پریشانی کے عالم میں والد کو وہاں ہی دفن کر کے باجوڑ کی راہ لی۔

جناب میاں محمد عمر صاحب اس واقعہ کو پشتو کے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں۔

ثوک به بدل نه کا مبرم حکم د وحید
راغے کلاخان په کلاخان کښې شهید

یعنی وحدہٗ لاشریک کی قضاء مبرم (نہ ٹلنے والی قضا)، کو کوئی بھی نہیں تبدیل کر سکتا۔ جب کلاخان، کلاخان پہنچے تو شہید کر دیئے گئے۔

کچھ عرصہ جناب محمد ابراہیم صاحب نے جندول علاقہ باجوڑ میں قیام کیا اور پھر فرید آباد اپنی جاگیر پر اور کنبے کے پاس چلے آئے۔

اتفاقاً پشاور اور اس کے گرد و نواح میں ہولناک قحط پڑا، بڑے بڑے زمیندار مفلوک الحال ہو گئے، افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی جگہیں انھیں چھوڑنی پڑیں تو موضع جھکنی کے خان ملک سعید خان بھی اپنا کنبہ لے کر فرید آباد چلا گیا، اور وہاں پر

سکونت اختیار کرلی

ملک سعید خان نے اپنی لڑکی جناب محمد ابراہیم صاحب سے بیاہ دی، جس کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ان ۱؎ میں سے ایک کا نام نامی اسم گرامی محمد عمر المشہور میاں صاحب چمکنی تھا۔

جب دورِ قحط ختم ہوا اور علاقہ آباد ہونے لگا تو ادھر اُدھر گئے ہوئے لوگ اپنے اپنے علاقہ میں واپس آنے لگے تو ملک سعید خان بھی واپس اپنے آبائی گاؤں موضع چمکنی آکر آباد ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد ملک سعید خان کو معلوم ہوا کہ جناب محمد ابراہیم صاحب فوت ہو گئے ہیں تو وہ فرید آباد گئے اور اپنے نواسے نواسیوں کو بمعہ اپنی صاحبزادی کے لے کر موضع چمکنی چلے آئے، اُس وقت جناب میاں عمر صاحب کی عمر شریف صرف آٹھ یا نو برس کی تھی۔

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش آپ کی والدہ صاحبہ کے زیر سایہ آپ کے نانا ملک سعید خان نے باحسن وجوہ سرانجام دی۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد اسی علاقہ کے اکابر مشائخ اور علماء کی صحبت میں رہ کر دینیات کی تکمیل کرلی۔

مولانا محمد فاضل صاحب پاپینی (ڈنگرہار)، شیخ فرید صاحب ساکن موضع اکبر پورہ ضلع پشاور۔ مولانا حاجی محمد امین صاحب۔ ساکن پشاور چھاؤنی، صدیقی نقشبندی حضرت شیخ المشائخ عبدالغفور صاحب نقشبندی اور حضرت محمد یونس صاحب (جن کا مزار

۱؎ ایک کا نام محمد موسیٰ، اور دوسرے کا نام محمد عیسیٰ تھا۔

موضع طور و معیار ضلع مردان میں واقع ہے) رحمہم اللہ علیہم اجمعین آپ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں۔ اِن حضرات عالی مرتبت سے آپ نے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔

حضرت میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بنام خزینۃ الاسرار یا سر الاسرار لکھی ہے۔ اس میں آپ نے حاجی شیخ سعدی لاہوری کے ساتھ اپنی ارادت کا مفصل بیان کیا ہے۔

آپ پہلی بار ۱۰۴۱ھ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد جب بھی آپ اپنی جاگیر کی وصولی کے سلسلہ میں فرید آباد جاتے تو حضرت شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی ارادت و محبت کا اظہار کرتے۔

جب ۱۰۵۱ھ میں جناب مولینا محمد فاضل صاحب کی جگہ مٹہ مغل خیل علاقہ دوآبہ میں شیخ سعدی تشریف لائے تو حضرت میاں عمر صاحب اس وقت بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جب شیخ سعدی صاحب موضع اچینہ میں شیخ ابراہیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے تو میاں صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آخر میں جبکہ شیخ سعدی لاہوری ۱۵ ر صفر ۱۱۰۶ھ کو کوہاٹ وغیرہ کا دورہ کر کے واپس پشاور آئے تو آپ نے پشاور میں[1] اِن کا استقبال کیا۔

اگرچہ آپ کی محبت اور ارادت حضرت شیخ سعدی لاہوری سے بدرجہ کمال تھی، مگر آپ حضرت سر الاعظم شیخ یحییٰ المعروف اَتک حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ

---

[1] سر الاسرار ص ۱۴ بحوالہ "روحانی ترڑون" از عبدالحلیم صاحب اثر افغانی (قلمی)۔

تھے۔ شیخ سعدی لاہوری حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ اور حضرت آدم بنوری، حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید و خلیفہ تھے۔

جناب چمکنی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح المعانی[1] شرح خلاصہ کیدانی کے دیباچہ میں اپنی بیعت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"شما طریقہ اویسی وہ، د حضور پُر نور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم رُوح پُر فتوح شما تربیت کړے وہ، لیکن بہ ظاہر کښې شما لپارہ داخبرہ ضروری وہ چہ د کوم یو ژوندي پیر نہ د ے بیعت اوکړم، پہ دے وجہ اٹک د حضرت شیخ یحییٰ المعروف حضرت جی صاحب نہ م پہ نقشبندیہ طریقہ کښې بیعت اوکړو"۔

ترجمہ:- میرا (رُوحانی) طریقہ اویسی تھا۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پُر فتوح نے میری تربیت کی تھی، لیکن ظاہری طور پر میرے لئے ضروری تھا کہ کسی ایک زندہ پیر کی بیعت کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اٹک کے حضرت یحییٰ صاحب المعروف حضرت جی صاحب سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی"۔

آپ نے تکمیل سلوک کے بعد مسندِ ارشاد کو زینت بخشی، تبلیغِ اسلام، اشاعت علوم اسلامیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج میں مصروف ہو گئے۔ گرد و نواح کے شہروں میں اور بستیوں میں وعظ کرتے اور "امر بالمعروف" "نہی عن المنکر" فرماتے۔ تمام اوقات

---

[1] یہ کتاب پشتو میں ہے۔

عبادتِ الٰہی، اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں بسر کرتے۔ لنگر جاری کیا۔ ہر آنے جانے والوں کو لنگر سے کھانا ملتا۔ مسافر کی اثنائے سفر کی ضروریات بھی مہیا فرماتے۔ تقریباً پانچسو کے قریب افراد روزانہ دونوں وقت کا کھانا لنگر سے کھاتے۔ اُمراء اور غربا یکساں آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرتے۔ آپ کی خانقاہ باقاعدہ طور پر سلوک و معرفت کی ایک درسگاہ تھی، جس میں حسبِ توفیق ہر ایک صاحب معرفت بن کر مخلوقِ خدا کی ہدایت میں مصروف ہو جاتا۔

آپ انتہائی سادگی اور بے ریا زندگی بسر کرتے۔ عموماً روزہ سے ہوتے اور اگر کبھی کبھار افطار بھی کرتے تو بہت ہی کم کھاتے۔ بغیر ضرورت کے گفتگو نہ فرماتے۔ انتہائی درجے کے متبع سنّت تھے۔ حضورِ اکرم سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی عملی تفسیر تھے۔

آپ کی صحبت بابرکت میں بڑے بڑے اعاظم علما۔ اور فقہا انتہائی ارادت سے آتے اور اپنی اس حاضری کو سعادتِ اُخروی و دنیوی کا سبب سمجھتے، یہاں تک کہ آپ سے بیعت ہو کر صاحب مجاز بھی ہوئے۔

اس کے ساتھ ساتھ کہ آپ نے طریقۂ نقشبندیہ کو اپنی زندگی کا مقصد اور وظیفہ بنا رکھا تھا۔ آپ نے تحریر کے ذریعہ بھی مذہب و قوم کی خدمت کی، جو آج تک رہنمائی کرتی ہے۔

خلاصۂ کیدانی فقہہ حنفی کی ایک متداول کتاب ہے جس میں نماز کا مکمل طریقہ ہے آپ نے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس کا پشتو نظم میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب دار العلوم رفیع الاسلام کے مہتمم جناب مولینا سید فضل صمدانی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے

جس کا نام "توضیح المعانی" ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارکہ پر ایک کتاب "شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی - ایک ضخیم کتاب سرالاسرار یا خزینتہ الاسرار تقریباً ۹ سو صفحات پر فارسی میں لکھی اس کتاب میں اپنے مشائخ کا تذکرہ اور علم تصوف کو لکھا ہے - یہ کتاب بہت ہی نایاب ہے -

محترم عبدالحلیم صاحب اثر افغانی نے اس کتاب کو کابل میں دیکھا ہے مفتی غلام سرور صاحب لاہوری مرحوم نے اپنی مایۂ ناز کتاب "خزینتہ الاصفیا" میں اکثر اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں - ایک کتاب "المعالی" قصیدہ امالی (جو کہ عقائد احناف کی کتاب ہے) کی شرح میں لکھی، یہ بھی قلمی ہے اور بھانہ مارٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے - "پشتو نسب نامہ" بھی آپ نے ایک کتاب لکھی ہے - یہ تمام کتابیں قلمی ہیں -

آپ کی کرامات بے حد و حساب ہیں، آپ کے مریدین میں "لوئے بابا" احمد شاہ ابدالی بھی تھے - بیان کیا جاتا ہے کہ جب احمد شاہ ابدالی "لوئے بابا" ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے آپ سے طالب دعا ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ

"ہمراہ خود ہمہ وقت مرا پنداری"

یعنی مجھے ہر وقت اپنے سامنے تصور کرنا - اِدھر "لوئے بابا" لڑتا اور آپ ایک قینچی لے کر چوکینی کے کسی ایک باغ میں داخل ہو کر پتوں کو کاٹتے رہتے - "لوئے بابا" کہتے تھے - کہ جس طرف بھی جہاد میں منہ پھیرتا مجھے حضرت صاحب موصوف کا فروں کے ساتھ لڑتے ہوئے نظر آتے -

اس وقت بھی آپ کی یہ زندہ کرامت ہے کہ جس شخص کو بدن کے کسی مقام پر درد ہو وہ آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہے - اللہ آپ کی برکت اور طفیل سے اس کو

شفا مرحمت فرماتا ہے، اور سینکڑوں لوگ روزانہ حاضری دیتے ہیں۔ پشاور شہر کے علاقہ میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

آپ کی وفات رجب المرجب ۱۱۹۰ھ میں واقع ہوئی اور موضع چمکنی میں جرکہ شاہی سڑک پر پشاور سے تین میل دور واقع ہے، آپ کا مزار ہے۔

آپ کے خلفاء بھی اسی طرح صاحب علم، صاحب سلوک و معرفت اور صاحب تحریر ہوئے ہیں۔ ویسے تو آپ کے کافی خلفاء ہوئے ہیں مگر یہاں پر چند ایک نام لکھتا ہوں:

اخوند ملا عبدالحکیم صاحب ۔ موضع گجر گڑھی ضلع مردان

اخوند زادہ حاجی فضل اللہ ۔ موضع آگرہ، تحصیل چارسدہ ضلع پشاور

محمدی صاحبزادہ صاحب ۔ یہ آپ کے فرزند عزیز ہیں۔ آپ بہت ہی عالم و فاضل تھے۔ آپ نے "مقاصد الفقہ" نامی کتاب اور "درہ منظوم" لکھا ہے۔ نیز برہان الاصول (اصول فقہ عربی)

مولینا عبدالرحیم صاحب لائبریرین اسلامیہ کالج تحریر کرتے ہیں۔

"بارھویں صدی کے علماء میں سے ہے۔ اپنے زمانہ میں عالم متبحر تھا"

عبید اللہ میاں گل صاحب ۔ آپ بھی آپ کے فرزند ہیں اور صاحب تصنیف عالم ہیں۔ پشتو میں "عبرت نامہ" نامی کتاب لکھی ہے۔

قاضی اخون عبدالرحمٰن صاحب ۔ پشاور شہر

ارباب معز اللہ خان صاحب ۔ موضع سربند

لہ لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دار العلوم الاسلامیہ صفحہ ۱۰۳

اخوند حافظ فقیر محمد صاحب - بازار احمد خان شہر بنوں۔

محمد اخند زادہ - موضع رستم علاقہ سدوم

نور محمد قریشی - نرے کی تھانہ، مالاکنڈ ایجنسی

احمد شاہ ابدالی - (لوئے بابا) بادشاہ درانی

حضرت غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب پشاوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۱۰۱ھ تا ۱۱۷۵ھ

آپ کا اسم گرامی غلام محمد، لقب قدوۃ الاولیاء اور مشہور ہیں حضرت جی صاحب کلاں پر آپ نسباً فاروقی ہیں، اور پانچویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتے ہیں۔

سرہند شریف علم و فضل، سلوک و معرفت کا مرجع تھا۔ اور آپ کے والد گرامی حضرت حضرت علامہ غلام محمد معصوم المعروف معصوم ثانی، صاحب علم و زہد و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھے، لہٰذا آپ کی تربیت بھی علماء و فضلاء کی گود میں ہوئی۔ علم حدیث میں خصوصاً اپنے وقت کے علماء میں سب کے قافلہ سالار تھے۔ ہر ایک بات پر جو کہ عادات سے ہوتی یا عبادات سے متعلق ہوتی حدیث بیان فرماتے۔ علوم درسی سے فراغت حاصل کر کے اپنے والد محترم سے بیعت ہو کر کمالات باطنی کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔ والد محترم نے اپنی زندگی ہی میں خلافت عطا فرما کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز کیا۔ اور اپنی تمام اولاد مریدین و مخلصین کو آپ کے سپرد کر دیا۔

آپ کے وجود مبارک سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو کمال عروج حاصل ہوا،

اور عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔ ہر چہار طرف سے عالم، اُمرا، مشائخ اور فقرا آ آ کر مُریدین کے حلقہ میں شامل ہونے لگے۔ آپ کے نواسہ حضرت عبداللہ صاحب ایک دو ورقی پمفلٹ موسوم بہ "حالات حضرت جی صاحب پشاور والا" میں تحریر فرماتے ہیں

"آوردہ اند کہ در حلقہ صبحگاہی ایشاں زیادہ از دوازدہ ہزار مردم جمع می شدند"

یعنی آپ کے صبح کے حلقہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔

جبکہ ہندوستان میں دورِ مُغلیہ زوال پذیر ہو رہا تھا۔ شاہانِ مُغلیہ رُو بانحطاط تھے۔ اور نادر شاہ ایرانی کے ہاتھ سے تخت و تاج دہلی برباد ہو گیا تھا۔ مرہٹوں اور سکھوں کے تسلّط و اقتدار میں پنجاب جا چکا تھا، اُنھوں نے مساجدِ اسلامیہ کو ڈھانا مسلمانوں کے شہروں کو برباد کرنا مسلمان عورتوں کی بے حرمتی کرنا اور مال و اسباب لُوٹنا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اِس مہیب اور خطرناک ماحول میں حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد بھی سرہند شریف چھوڑ کر دُور و دراز شہروں میں چلی گئی۔ چنانچہ آپ نے بھی ان درندہ صفت سکھوں کے ہاتھوں سے تنگ آ کر پشاور میں قیام فرمایا۔ حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر اولاد کچھ تو رامپور، اور کچھ خراسان کی طرف ہجرت کر گئی۔

آپ کا مقرر کردہ طریقہ تھا کہ چھ مہینہ لاہور اور چھ مہینہ پشاور قیام کرتے جس طرح بادشاہوں کا قافلہ ہوتا اسی طرح سفر کرتے۔ یعنی اولاد، بھائی، متعلقین، اور تمام سالکین و سلاطین کے ساتھ آمد و رفت کرتے۔ نیز موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں ایک سو کے قریب اُونٹ گھوڑے، کجاوے اور پالکیاں آپ کے ہمراہ ہوتیں۔

پشاور شہر میں آپ نے باقاعدہ باغ اسد اللہ خان میں خانقاہ قائم کی۔ یہ باغ بہت بڑا تھا۔ اس کی تمام آمدن خانقاہ کے اخراجات پر صرف ہوتی۔ اسد اللہ خان

فدائیوں سے تھا اور آپ کا انتہائی مخلص معتقد تھا۔ اس باغ کے ساتھ زرعی زمین بھی تھی اور یہ سب آپ کی وفات کے بعد سکھوں کے دور تک اس باغ اور زمین کی آمدن آپ کی درگاہ پر خرچ ہوتی۔ آپ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑی مسجد، اور مسافروں کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے۔ یہ تمام عمارتیں سکھوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگئیں۔ اب صرف تقریباً ایک جریب زمین ہے جس پر ایک خستہ سی مسجد اور آپ کا مزار ہے۔

آپ کی اولاد کابل، قندھار، اور سندھ میں آباد ہے۔ آپ کی اولاد میں سب کے سب عالم، فاضل اور اولیاء کاملین تھے۔ اس وقت بھی صاحبانِ علم و فضل و مجاہدہ یعنی نقشبندی حضرات اب بھی آپ کے مزار پُرانوار پر مراقبات و ختم شریف کرتے ہیں۔ زائرین برائے ایصالِ و فاتحہ حاضر ہوتے ہیں۔

عید الفطر کی رات شوال کے مہینہ میں ۱۱۶۱ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ اور اسی باغ اسد اللہ خان میں بجوڑی دروازے کے باہر (شعبہ میں) دفن کئے گئے۔ آپ کی قبر کے ساتھ آپ کے فرزند حضرت شاہ غلام حسن المتوفی ۱۲۰۷ھ کی قبر ہے۔ آپ بھی عالم و فاضل اور اپنے والدِ محترم کے خلیفہ تھے۔ والد گرامی کی زندگی میں ہی ارشاد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں کمالات کو پہنچے، اور ہزارہا مخلوقِ خدا کو ہدایت نصیب فرمائی۔

آپ کے خلیفہ جناب محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قبر بھی اسی قبرستان میں واقع ہے۔

حضرت قطبِ وقت فضل احمد صاحب معصومی المعروف "جیو صاحب" حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۵۱ھ تا ۱۲۳۲ھ

آپ کا اسم شریف شاہ میاں غلام محمد[2]، لقب فضل احمد معصومی ہے اور آپ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ عوام الناس اور باواحترام آپ کو حضرت جی (جیو) کے بزرگانہ نام سے پکارتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱۵۱ھ[1] میں بمقام سرہند شریف ہوئی۔ آپ کا نسب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب کی وساطت سے حضرت امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ نیز آپ اپنی دادی صاحبہ کی وجہ سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

حفظ قرآن مجید کے بعد تعلیم مذہبی میں منہمک ہو گئے۔ مذہبی علوم سے بہرہ ور ہو کر اپنے

---

[1] صاحب "تحفۃ المرشد" فرماتے ہیں کہ "تاریخ ولادت حضرت جیو صاحب ظہر ولی یعنی حضرت جی صاحب کی تاریخ ولادت بحروف ابجد "ظہر ولی" سے نکلتی ہے یعنی ظ، ہ، ر، و، ل، ی - مجموعہ ۱۱۵۱ھ بنتا ہے۔

[2] میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب بیرون بوڑی گیٹ دوسرے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ الگ موجود ہے۔

نانا جناب حضرت شاہ محمد رسا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں چوبیس برس رہ کر جامع علوم ظاہری و باطنی، صاحبِ ذکر و فکر، صاحبِ مجاہدہ و مشاہدہ، صاحب استقامت و کرامت اور مکارمِ اخلاق سے متصف ہوئے، انھی سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی، اور طریقہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں جناب شیخ عبداللہ صاحب بخاری المقلب بحضرت میر صاحب سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

"فقیر خدمت حضرت میر صاحب لا اہم علیہ الرحمۃ بسیار کردہ ام، ولایں برکات کہ یافتہ ام از اثر التفات وصحبتِ ایشاں است"[۱]

یعنی میں نے حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی ہے۔ یہ تمام برکات میں اور سعادت انھی کی محبت، شفقت اور توجہ کاملہ کا نتیجہ ہے۔

آپ مریدین کو ہر چہار سلسلہ میں مرید فرماتے۔ مگر خصوصاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید کرتے اور اس کی وجہ خود بیان کی، فرماتے ہیں۔

"دریں فساد زماں، و بعد عہد نبوت تعلیم ایں طریقہ علیہ از تعلیم طرق دیگر اولیٰ و انسب است، کہ التزامِ شریعت و متابعت سنت دریں طریقہ از طرق دیگر بوجہ اتم و اکمل موجود است"[۱]

یعنی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، بدعات و رسومات جاہلیہ کی زیادتی سے بہت فساد پیدا ہو گیا ہے۔ چونکہ اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) میں دیگر سلاسل سے بوجہ اتم و اکمل بہت زیادہ سنتِ نبوی کی متابعت اور التزام شریعت پایا جاتا ہے۔ اس

---

[۱] "تحفۃ المرشد" ص ۴

لئے اِسی سلسلہ کی تعلیم عام طور پر کرتا ہوں۔"

آپ نے اس سلسلہ کو سرہند شریف میں شروع کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اتنی برکت اور اِتنا تصرّف عنایت فرمایا کہ جو طالبِ مولا آتا واصل بحق ہو جاتا اگر ناقص آتا تو کامل ہو جاتا۔ نیز آپ کی دینی تبلیغ کی وجہ سے ہزاروں لوگ صلاحیت سے سرفراز ہوئے۔

جب سرہند شریف پر سکھوں کا تسلط ہوا اور انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے، گھروں کو جلایا، مساجد کو اصطبل بنایا۔ پاک دامن عورتوں کو بے عزت کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا تو مسلمانوں نے سرہند سے ہجرت کی۔ ان ہجرت کرنے والے لوگوں میں آپ بھی تھے۔ آپ بمعہ اہل و عیال کے براستہ پچھ ہزارہ پشاور تشریف فرما ہوئے اور محلہ "کاکا جمعدار" میں قیام کیا۔ پشاور شہر میں آپ کے اخلاق کریمانہ اور متابعت سُنّت کی وجہ سے آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی مشہور و معروف علماء[1] آپ کی صحبت بابرکت کو سعادتِ دارین سمجھتے۔ کاکا جمعدار کی مسجد بہت ہی مختصر تھی اور اژدہام زیادہ تھا تو آپ نے وہاں سے اُٹھ کر محلہ فضل حق صاحبزادہ میں آکر قیام کیا، آپ کا مزار بھی اب یہیں ہے۔

اگرچہ پشاور آپ کی مستقل قیام گاہ تھی، مگر آپ اکثر ماورا، سرحد کے سفر بھی کرتے پشاور سے لے کر بخارا تک آپ نے پانچ بار سفر کیا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جو راستہ میں پڑتے ہیں آپ کے دست گرفتہ ہوئے حتّٰی کہ بادشاہ بخارا غازی شاہ مُراد

---

[1] مثلاً رئیس المحدثین حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب، جناب حافظ محمد عظیم صاحب

اور اس کا بیٹا امیر حیدر، بمعہ اپنے دربار کے علماء اور اُمراء کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔

چار سو کے قریب آپ کے خلفا تھے، جنھوں نے دینِ حق کی تبلیغ کی، سُنّتِ نبوی کی اشاعت کی۔ اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد کی پابندی کی۔ طریقہ نقشبندیہ مجدّدیہ کی کمال اخلاص اور محبت کے ساتھ خدمت سرانجام دی۔ ان حضرات کا "امر بالمعروف" "نہی عن المنکر" کا کرنا خاص وصف تھا۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ تیرہ برس کی عمر سے لے کر وفات تک صائم الدھر رہے۔ اکثر اوقات علیحدگی اور چلّہ میں رہتے۔ سفر و حضر میں دُعائیں اوراد اور وظائف پڑھتے رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد تفسیر حدیث کا درس فرماتے۔ نماز ظہر کے بعد فقہ پڑھاتے مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس دیتے۔ عصر کی نماز کے بعد مراقبہ فرماتے مُریدین پر توجہ کرتے، اور تمام رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیام کرتے۔

جناب حضرت جی صاحب اتنی عبادت، ریاضت، مجاہدہ، تبلیغ اسلام اور متابعت سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنے کے باوجود فرماتے ہیں۔

"[1] عاجز گناہ و نامہ تباہ و عصیاں فراواں و غفلت و پریشانی و سہو و نسیان و خطا و نقصان دیگر چیزے نمی باشد"

یعنی میرے پاس سوائے گناہ، خرابیٔ نامۂ اعمال، گناہوں کے بہتات، غفلت پریشانی

---

[1] تحفۃ المرشد صفحہ ۵۹ ؎

جھول، نسیان، غلطی اور کمزوری کے اور کچھ بھی نہیں"۔ اور اکثر یہ مصرعہ پڑھا کرتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

"جمع بینہ بہ سر ایمان خویش می لرزم"۔ اور یہ شعر پڑھا کرتے۔

ندارم ہیچ گونہ توشۂ راہ　　بجز لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

یہ آپ کا انکسار اور عاجزی تھی جو آپ اللہ جل جلالہ، کی بارگاہ میں کیا کرتے تھے۔

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ پشاور پہنچے تو پشاور پر چاروں طرف سے تباہیوں اور بربادیوں کے بادل اُمڈ اُمڈ کر چھا رہے تھے۔ ان مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت اس وقت قحط تھا۔ لوگ موت کے کنارے سسکیاں بھر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے تھے۔ آپ نے اپنے "درویشانہ لنگر" کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ ہزار ہا لوگ اس لنگر سے روزانہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھاتے۔ بلکہ اکثر غربا اپنے گھروں کو بھی لے جاتے۔

ایک بار آپ کی خدمت میں ایک طالب علم آیا۔ اس نے سید الکونین، عالم علوم اولین و آخرین سیدنا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک نعت پڑھی جب وہ اِس شعر پر پہنچا۔

"وصف و ثنا کہ لائق نعتت بود کجا است　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

تو آپ بار بار فرماتے کہ خدا تیری زبان پر رحمت کرے۔ جب وہ نعت ختم کر چکا تو آپ نے ایک کنواں اور پانچ جریب زمین جو کہ آپ کی اپنی ملکیت تھی اس طالب علم کو بخش دی، اور فرمایا کہ یہ اسی شعر کا صدقہ ہے۔

آپ نے تین بار اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنا تمام گھر اور ساز و سامان تقسیم کر دیا اور

چٹائی تک نہ چھوڑی۔ ایک بار ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی پگڑی اور گلے سے کُرتا اُتار کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ اس کو فروخت کر کے اپنا گذارہ کرلے۔

آپ کے حلم کا ایک واقعہ ہے، ایک شخص آکر مُرید ہوگیا۔ چند عرصہ کے بعد مردود طریقت ہوگیا۔ پھر پشیمان ہوکر حاضر خدمت ہوا، اور اپنی جہالت و پشیمانی پہ نادم ہوا۔ اور عرض کیا کہ اپنی بردباری اور حلم کا صدقہ مجھے معاف فرمادیں۔ آپ نے معاف فرماتے ہوئے دوبارہ داخل سلسلہ کیا اور روحانی فیوض و برکات سے نوازا۔

ہرات پر محمود شاہ غازی کی حکومت تھی۔ زمان شاہ نے اس پر حملہ کردیا۔ محمود شاہ غازی شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگ گیا۔ والیِ بخارا نے اس کو عزت و احترام سے رکھا۔ اتفاقاً ان دنوں آپ بھی وہیں قیام فرما تھے۔ محمود شاہ ہر رات آپ کا دامن پکڑ کر طالبِ دُعا ہوتا۔ اور بعد گریہ و زاری عرض کرتا کہ مجھے میرے والد کی سلطنت دوبارہ مل جائے۔ ایک دن محمود شاہ غازی نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ تو آپ نے محمود شاہ کو فرمایا۔ "تم ظالم ہو، جب حکومت کے نشہ میں غرق ہوجاتے ہو تو ظلم و جبر کرنا شروع کردیتے ہو، اگر میں تمہارے لئے دُعا کروں تو میں بھی ظالموں میں گِنا جاؤں گا۔" محمود شاہ نے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ "عدل و انصاف کروں گا، اور کسی شخص پہ زیادتی نہیں کروں گا" آپ نے یہ وعدہ بھی لیا "کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو حکومت عطا کرے گا، تو کوئی کام شریعتِ محمدیہ کے خلاف نہ کرو گے" محمود شاہ نے یہ عہد کیا اور کہا کہ "جب میں ایسا کروں تو آپ امر بالمعروف کریں اگر باز نہ آؤں تو بددُعا کریں" آپ نے فرمایا۔ کہ میں کسی کو بددُعا نہیں کرتا، نیز آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ دوسرے دن وہ آیا آپ

نے اِس کو فرمایا کہ اِنتظام کرو۔ "کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کی دُعا کو قبولیت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ انشاء اللہ تم کو اپنے والد کی سلطنت عطا فرمائے گا۔"

محمود شاہ غازی چند سواروں کے ساتھ ہرات کو روانہ ہو گیا۔ گورنر ہرات شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہاں کا انتظام، اسلحہ، فوج وغیرہ سنبھال کر محمود شاہ نے قندھار کا رُخ کیا۔ قندھار کا حاکم فرار ہو گیا۔ وہاں پر قبضہ کرنے کے بعد محمود شاہ نے کابل پر حملہ بول دیا۔ ایک دن کی لڑائی کے بعد زمان شاہ کوہستان کو بھاگ گیا اور محمود شاہ تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر آپ کی حق گوئی اور جرأت و ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ سمجھایا کہ حکومت اسلامی قوانین اسلام کے نفاذ کے ساتھ ہے۔

جناب حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی استقامت فی الدین کی مکمل و مکمل حیات تھی۔ آپ اپنی زندگی میں انتہائی طور پر کشف و کرامات کا اخفا کرتے مگر بغیر قصد و ارادہ کے بھی آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوتا۔ صاحب تحفۃ المرشد حظ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"از آں جناب ولایت مآب قدس سرہ آں قدر کرامات و خرق عادات و واقعات و حالات و اشراجات و کشوفات و الہامات از اوّل تا آخر عمر شریف بقصد و اختیار یا بے قصد و بے اختیار باذن ملک جبار ظہور کردہ است و بوقوع آمدہ است کہ احصائی آں متعسر و متعذر، واز حد حدود حضرت خارج است۔"

آپ کو "کشفِ عیانی اور "کشف کونی" بھی تھا۔ بخارا سے واپسی پر علاقہ حصار میں ایک مخلص کے گھر ٹھہرے۔ آپ بمعہ متعلقین مراقبہ میں تھے۔ دوران مراقبہ اس علاقہ

کے ایک معزز سید، سید شاہ برہان الدین صاحب چناری آپ کی ملاقات کو پہنچ گئے مراقبہ کے دوران آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور سید صاحب موصوف کے پاس آئے ان کو اٹھا کر اپنی جگہ پر بہت عزت و تکریم سے بٹھایا۔ چونکہ آپ نے اس سے پہلے سید موصوف سے نہ ملاقات کی تھی اور نہ ہی آپ پہچانتے تھے۔ لہٰذا اہلِ حلقہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے ان کو کیسے پہچانا۔ آپ نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا۔ نَبَّأَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (مجھ کو علیم و خبیر نے غائبانہ خبر دی ہے)

فضیلت پناہ داملا عوض باقی جو نہایت ہی متورع اور متقی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اکثر آپ کی خدمت میں موجود رہتا۔ آپ دینی مسائل مجھ ہی سے پوچھتے، اور دیگر علماء پر مجھے فوقیت بھی دیتے۔ مگر میرے دل میں مُرید ہونے کا خیال پیدا نہیں ہُوا۔ اِس لئے میلان طبیعت طریقت کی طرف نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ متقدمین کی کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد مشائخ کو ان کے مطابق نہ پاتا اِس لئے بھی پست ہمّت ہو گیا تھا۔ ایک بار یہ خیال آیا کہ جب حضرت جی صاحب تبع سنّت سے مستحبات بعض اوقات رہ جاتے ہیں تو باقی مشائخ کا کیا حال ہو گا۔ فوراً آپ نے مجھے ایک طرف کر کے بلایا، اور فرمایا۔

"ایں را می دانم کہ در خاطرِ شما از چند وجہ از جانب ایں فقیر شبہہ است، بروید و امشب فلاں فلاں کتاب کہ در خانہ دارید ایں مسئلہ را بہ بینید"۔

یعنی اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ اس فقیر کے متعلق تمھارے دل میں چند شبہات ہیں۔ آج رات آپ فلاں فلاں کتاب جو کہ آپ کے پاس ہیں دیکھ لیں"۔ حضرت ملاں صاحب فرماتے ہیں۔

"پنہاں کردم"

میں نے اسی طرح کیا، تو تسلّی ہوگئی کہ حضرت جی صاحب کی حرکات و سکنات بھی عین سُنّت مطہرہ کے مطابق ہیں، جو کہ بہت وسیع مُطالعہ کے بعد انسان معلوم کرسکتا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے مکشوفات کا قائل ہوگیا۔ اور مخلص مُریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ میرے تمام شبہات و اعتراضات زائل ہوگئے۔"

اگر آپ کی کرامات لکھی جائیں تو پوری کتاب بنتی ہے۔ صاحب تحفۃ المُرشد نے اپنی کتاب کے ص۱۰۱ سے لے کر ص۱۲۸ تک بیان کی ہیں۔ آپ نے مشائخی کا سلسلہ وفات سے دو سال قبل ہی بہت کم کر دیا تھا۔ خانقاہ اور مریدین صاحبزادہ فضل حق صاحب[1] کے سپرد کر دی تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے تمام فرزندوں اور مُریدین کو جمع کیا۔ صبر، تقویٰ، حدود اللہ کی پابندی اور سنّت نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کی وصیّت کی اس وصیت کے بعد کسی اور طرف التفات نہیں کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوگئے، ذکر و فکر اور کلمہ توحید پڑھتے رہے حتّٰی کہ "رفیقِ اعلیٰ" سے جا ملے۔

آپ کی وفات یکم محرم الحرام ۱۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ (بدھ) صبح کے وقت ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ فضل حق صاحب نے آپ کی وفات "آہ مرشد برفت" سے نکالی۔

---

[1] آپ کے فرزند تھے۔ آپ کی مزار والد کے پہلو میں ہے۔ اب یہ محلّہ جہاں آپ کا مزار ہے فضل حق صاحبزادہ کے نام سے ہی موسوم ہے۔

حضرت قطبِ وقت فضل احمد صاحب معصومی المعروف "جیو صاحب" حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۵۱ھ تا ۱۲۳۲ھ

آپ کا اسم شریف شاہ میاں غلام محمد[2]، لقب فضل احمد معصومی ہے اور آپ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ عوام الناس اور باوا احترام آپ کو حضرت جی (جیو) کے بزرگانہ نام سے پکارتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱۵۱ھ[1] میں بمقام سرہند شریف ہوئی۔ آپ کا نسب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب کی وساطت سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ نیز آپ اپنی دادی صاحبہ کی وجہ سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔

حفظ قرآن مجید کے بعد تعلیم مذہبی میں منہمک ہو گئے۔ مذہبی علوم سے بہرور ہو کر اپنے

---

[1] صاحب "تحفۃ المرشد" فرماتے ہیں کہ "تاریخ ولادت حضرت جیو صاحب ظہر ولی یعنی حضرت جی صاحب کی تاریخ ولادت بحروف ابجد "ظہر ولی" سے نکلتی ہے یعنی ظ۹۰۰، ہ۵، ر۲۰۰، و۶، ل۳۰، ی۱۰۔ مجموعہ ۱۱۵۱ھ بنتا ہے۔

[2] میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب بیرون بوڑیاں گیٹ مدرسے بزرگ ہیں جن کا تذکرہ الگ موجود ہے۔

نانا جناب حضرت شاہ محمد رسا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ بابرکت میں چوبیس برس رہ کر جامع علوم ظاہری و باطنی، صاحبِ ذکر و فکر، صاحبِ مجاہدہ و مشاہدہ، صاحب استقامت و کرامت اور مکارمِ اخلاق سے متصف ہوئے، انھی سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی، اور طریقہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں جناب شیخ عبداللہ صاحب بخاری الملقب حضرت میر صاحب سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔

"فقیر خدمت حضرت میر صاحب لاہم علیہ الرحمۃ بسیار کردہ ام، ہر ایں برکات کہ یافتہ ام از اثر التفات و صحبتِ ایشاں است"[۱]

یعنی میں نے حضرت میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کی ہے۔ یہ تمام برکات میں اور سعادت انھی کی محبت، شفقت اور توجہ کاملہ کا نتیجہ ہے۔

آپ مریدین کو ہر چہار سلسلہ میں مرید فرماتے۔ مگر خصوصاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید کرتے اور اس کی وجہ خود بیان کی، فرماتے ہیں۔

"دریں فساد زماں، و بعد عہد نبوت تعلیم ایں طریقہ علیہ از تعلیم طریق دیگر اولیٰ و انسب است، کہ التزام شریعت و متابعت سنت دریں طریقہ از طرق دیگر بوجہ اتم و اکمل موجود است"[۲]

یعنی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، بدعات و رسومات جاہلیہ کی زیادتی سے بہت فساد پیدا ہو گیا ہے۔ چونکہ اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) میں دیگر سلاسل سے بوجہ اتم و اکمل بہت زیادہ سنتِ نبوی کی متابعت اور التزام شریعت پایا جاتا ہے۔ اس

---

[۱] "تحفۃ المرشد" ص ۵

لئے اسی سلسلہ کی تعلیم عام طور پر کرتا ہوں۔"

آپ نے اس سلسلہ کو سرہند شریف میں شروع کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اتنی برکت اور اتنا تصرف عنایت فرمایا کہ جو طالبِ مولا آتا واصل بحق ہو جاتا اگر ناقص آتا تو کامل ہو جاتا۔ نیز آپ کی دینی تبلیغ کی وجہ سے ہزاروں لوگ صلاحیت سے سرفراز ہوئے۔

جب سرہند شریف پر سکھوں کا تسلط ہوا اور انھوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے، گھروں کو جلایا، مساجد کو اصطبل بنایا۔ پاک دامن عورتوں کو بے عزت کیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو قتل کیا تو مسلمانوں نے سرہند سے ہجرت کی۔ ان ہجرت کرنے والے لوگوں میں آپ بھی تھے۔ آپ بمعہ اہل و عیال کے براستہ پکھلی ہزارہ پشاور تشریف فرما ہوئے اور محلہ "کاکا جمعدار" میں قیام کیا۔ پشاور شہر میں آپ کے اخلاق کریمانہ اور متابعت سنّت کی وجہ سے آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی مشہور و معروف علماء[1] آپ کی صحبت بابرکت کو سعادتِ دارین سمجھتے۔ کاکا جمعدار کی مسجد بہت ہی مختصر تھی اور اژدہام زیادہ تھا تو آپ نے وہاں سے اٹھ کر محلہ فضل حق صاحبزادہ میں آکر قیام کیا، آپ کا مزار بھی اب یہیں ہے۔

اگرچہ پشاور آپ کی مستقل قیام گاہ تھی، مگر آپ اکثر ماوراء سرحد کے سفر بھی کرتے پشاور سے لے کر بخارا تک آپ نے پانچ بار سفر کیا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جو راستہ میں پڑتے ہیں آپ کے دست گرفتہ ہوئے حتّٰی کہ بادشاہ بخارا غازی شاہ مُراد

۱؎ مثلاً رئیس المحدثین حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب، جناب حافظ محمد عظیم صاحب

اور اس کا بیٹا امیر حیدر، بمعہ اپنے دربار کے علماء اور اُمراء کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہُوا۔

چار سو کے قریب آپ کے خلفا تھے، جنھوں نے دینِ حق کی تبلیغ کی، سُنّتِ نبوی کی اشاعت کی۔ اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد کی پابندی کی۔ طریقہ نقشبندیہ مجدّدیہ کی کمال اخلاص اور محبت کے ساتھ خدمت سرانجام دی۔ ان حضرات کا "امر بالمعروف" "نہی عن المنکر" کا کرنا خاص وصف تھا۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ تیرہ برس کی عمر سے لے کر وفات تک صائم الدہر رہے۔ اکثر اوقات علیحدگی اور چلّہ میں رہتے۔ سفر و حضر میں دُعائیں اوراد اور وظائف پڑھتے رہتے۔ چاشت کی نماز کے بعد تفسیر حدیث کا درس فرماتے۔ نمازِ ظہر کے بعد فقہ پڑھاتے مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس دیتے عصر کی نماز کے بعد مراقبہ فرماتے مُریدین پر توجّہ کرتے، اور تمام رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیام کرتے۔

جناب حضرت جی صاحب اتنی عبادت، ریاضت، مجاہدہ، تبلیغِ اسلام اور متابعت سُنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کرنے کے باوجود فرماتے ہیں۔

"ما بجز گناہ و نامہ تباہ و عصیاں فراواں و غفلت و پریشانی و سہو و نسیان و خطا و نقصان دیگر چیزے نمی باشد"[۱]

یعنی میرے پاس سوائے گناہ، خرابیٔ نامۂ اعمال، گناہوں کے بہتات، غفلت پریشانی

---

[۱] تحفۃ المرشد صفحہ ۸۲

بجُز بُھول، نسیان، غلطی اور کمزوری کے اور کچھ بھی نہیں ہے"۔ اور اکثر یہ مصرعہ پڑھا کرتے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

"جمع بینہ بہ سرا ایمان خویش می لرزم"۔ اور یہ شعر پڑھا کرتے۔

ندارم ہیچ گونہ توشہ راہ   بجز لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ

یہ آپ کا انکسار اور عاجزی تھی جو آپ اللہ جل جلالہ، کی بارگاہ میں کیا کرتے تھے۔

سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ پشاور پہنچے تو پشاور پر چاروں طرف سے تباہیوں اور بربادیوں کے بادل اُمڈ اُمڈ کر چھا رہے تھے۔ ان مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت اس وقت قحط تھا۔ لوگ موت کے کنارے سسکیاں بھر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بچے والدین کے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے تھے۔ آپ نے اپنے "درویشانہ لنگر" کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ ہزارہا لوگ اس لنگر سے روزانہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھاتے۔ بلکہ اکثر غربا اپنے گھروں کو بھی لے جاتے۔

ایک بار آپ کی خدمت میں ایک طالب علم آیا۔ اس نے سید الکونین، عالم علوم اولین و آخرین سیدنا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک نعت پڑھی جب وہ اس شعر پر پہنچا۔

"وصف و ثنا کہ لائق نعتت بود کجاست   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

تو آپ بار بار فرماتے کہ خدا تیری زبان پر رحمت کرے۔ جب وہ نعت ختم کر چکا تو آپ نے ایک کنواں اور پانچ جریب زمین جو کہ آپ کی اپنی ملکیت تھی اس طالب علم کو بخش دی، اور فرمایا کہ یہ اسی شعر کا صدقہ ہے۔

آپ نے تین بار اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنا تمام گھر اور ساز و سامان تقسیم کر دیا اور

چٹائی تک نہ چھوڑی۔ ایک بار ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اپنی پگڑی اور گلے سے کُرتا اُتار کر اس کو دے دیا اور فرمایا کہ اس کو فروخت کر کے اپنا گذارہ کر لے۔

آپ کے حلم کا ایک واقعہ ہے، ایک شخص آ کر مُرید ہو گیا۔ چند عرصہ کے بعد مرتدِ طریقت ہو گیا۔ پھر پشیمان ہو کر حاضرِ خدمت ہوا، اور اپنی جہالت و پشیمانی پہ نادم ہُوا۔ اور عرض کیا کہ اپنی بردباری اور حلم کا صدقہ مجھے معاف فرما دیں۔ آپ نے معاف فرماتے ہُوئے دوبارہ داخلِ سلسلہ کیا اور روحانی فیوض و برکات سے نوازا۔

ہرات پر محمود شاہ غازی کی حکومت تھی۔ زمان شاہ نے اس پر حملہ کر دیا۔ محمود شاہ غازی شکست کھا کر بخارا کی طرف بھاگ گیا۔ والیٔ بخارا نے اس کو عزت و احترام سے رکھا۔ اتفاقاً ان دنوں آپ بھی وہیں قیام فرما تھے۔ محمود شاہ ہر رات آپ کا دامن پکڑ کر طالبِ دُعا ہوتا۔ اور بعد گریہ وزاری عرض کرتا کہ مجھے میرے والد کی سلطنت دوبارہ مل جائے۔ ایک دن محمود شاہ غازی نے آپ کو بہت تنگ کیا۔ تو آپ نے محمود شاہ کو فرمایا۔ " تم ظالم ہو، جب حکومت کے نشہ میں غرق ہو جاتے ہو تو ظلم و جبر کرنا شروع کر دیتے ہو، اگر میں تمہارے لئے دُعا کروں تو میں بھی ظالموں میں گِنا جاؤں گا"۔ محمود شاہ نے توبہ کی اور وعدہ کیا کہ " عدل و انصاف کروں گا، اور کسی شخص پہ زیادتی نہیں کروں گا"۔ آپ نے یہ وعدہ بھی لیا " کہ جب اللہ تعالیٰ تجھ کو حکومت عطا کرے گا، تو کوئی کام شریعتِ محمدیہ کے خلاف نہ کرو گے"۔ محمود شاہ نے یہ عہد کیا اور کہا کہ " جب میں ایسا کروں تو آپ امر بالمعروف کریں اگر باز نہ آؤں تو بد دُعا کریں"۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں کسی کو بد دُعا نہیں کرتا، نیز آپ نے فرمایا کہ کل آنا۔ دوسرے دن وہ آیا آپ

نے اِس کو فرمایا کہ اِنتظام کرو۔ "کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کی دُعا کو قبولیت سے نوازا اور اللہ تعالیٰ انشاء اللہ تم کو اپنے والد کی سلطنت عطا فرمائے گا۔"

محمود شاہ غازی چند سواروں کے ساتھ ہرات کو روانہ ہو گیا۔ گورنر ہرات شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہاں کا انتظام، اسلحہ، فوج وغیرہ سنبھال کر محمود شاہ نے قندھار کا رُخ کیا۔ قندھار کا حاکم فرار ہو گیا۔ وہاں پر قبضہ کرنے کے بعد محمود شاہ نے کابل پر حملہ بول دیا۔ ایک دن کی لڑائی کے بعد زمان شاہ کوہستان کو بھاگ گیا اور محمود شاہ تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ اس واقعہ کو پڑھ کر آپ کی حق گوئی اور جرأت و ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز آپ نے یہ سمجھایا کہ حکومت اسلامی قوانین اسلام کے نفاذ کے ساتھ ہے۔

جناب حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی استقامت فی الدین کی مکمل و اکمل حیات تھی۔ آپ اپنی زندگی میں انتہائی طور پر کشف و کرامات کا اخفا کرتے مگر بغیر قصد و ارادہ کے بھی آپ سے کشف و کرامات کا صدور ہوتا۔ صاحب تحفۃ المرشد خط پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ازاں جناب ولایت مآب قدس سرہ آں قدر کرامات و خرق عادات و واقعات و حالات و اشراحات و کشوفات و الہامات از اوّل تا آخر عمر شریف بقصد و اختیار یا بے قصد و بے اختیار باذن ملک جبار ظہور کردہ است و بوقوع آمدہ است کہ احصائی آں متعسر و متعذر، و از حد حدود حضرت خارج است۔"

آپ کو "کشف عیانی اور "کشف کونی" بھی تھا۔ بخارا سے واپسی پر علاقہ حصار میں ایک مخلص کے گھر ٹھہرے۔ آپ بمعہ متعلقین مراقبہ میں تھے۔ دوران مراقبہ اس علاقہ

کے ایک معزز سید، سید شاہ برہان الدین صاحب چناری آپ کی ملاقات کو پہنچ گئے مراقبہ کے دوران آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور سید صاحب موصوف کے پاس آئے ان کو اُٹھا کر اپنی جگہ پر بہت عزّت و تکریم سے بٹھایا۔ چونکہ آپ نے اس سے پہلے سید موصوف سے نہ ملاقات کی تھی اور نہ ہی آپ پہچانتے تھے۔ لہٰذا اہلِ حلقہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ نے ان کو کیسے پہچانا۔ آپ نے تبسّم کرتے ہوئے فرمایا۔ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (مجھ کو علیم و خبیر نے غائبانہ خبر دی ہے)

فضیلت پناہ داملا عوض باقی جو نہایت ہی متورع اور متقی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اکثر آپ کی خدمت میں موجود رہتا۔ آپ دینی مسائل مجھ ہی سے پوچھتے، اور دیگر علماء پر مجھے فوقیت بھی دیتے۔ مگر میرے دل میں مُرید ہونے کا خیال پیدا نہیں ہُوا۔ اِس لئے میلان طبیعت طریقت کی طرف نہیں تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ متقدمین کی کتابیں مطالعہ کرنے کے بعد مشائخ کو ان کے مطابق نہ پاتا اِس لئے بھی پست ہمت ہو گیا تھا۔ ایک بار یہ خیال آیا کہ جب حضرت جی صاحب تبع سنّت سے مستحبات بعض اوقات رہ جاتے ہیں تو باقی مشائخ کا کیا حال ہوگا۔ فوراً آپ نے مجھے ایک طرف کر کے بلایا، اور فرمایا۔

"ایں را می دانم کہ در خاطرِ شما از چند وجہ از جانب ایں فقیر شبہہ است، بروید وامشب فلاں فلاں کتاب کہ در خانہ دارید ایں مسئلہ را بہ بینید"۔

یعنی اِس بات کو خوب جانتا ہوں کہ اس فقیر کے متعلق تمھارے دل میں چند شبہات ہیں۔ آج رات آپ فلاں فلاں کتاب جو کہ آپ کے پاس ہیں دیکھ لیں"۔ حضرت ملّا صاحب فرماتے ہیں۔

"پنہاں کردم"

میں نے اسی طرح کیا، تو تسلّی ہو گئی کہ حضرت جی صاحب کی حرکات و سکنات بھی عین سُنّت مطہرہ کے مطابق ہیں، جو کہ بہت وسیع مُطالعہ کے بعد انسان معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کے مکشوفات کا قائل ہو گیا۔ اور مخلص مُریدین کے زمرہ میں شامل ہوا۔ میرے تمام شبہات و اعتراضات زائل ہو گئے۔"

اگر آپ کی کرامات لکھی جائیں تو پوری کتاب بنتی ہے۔ صاحب تحفۃ المرشد نے اپنی کتاب کے ص۱۰۱ سے لے کر ص۱۲۸ تک بیان کی ہیں۔ آپ نے مشائخی کا سلسلہ وفات سے دو سال قبل ہی بہت کم کر دیا تھا۔ خانقاہ اور مریدین صاحبزادہ فضل حق صاحب[1] کے سپرد کر دی تھی۔ جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے تمام فرزندوں اور مُریدین کو جمع کیا۔ صبر، تقویٰ، حدود اللہ کی پابندی اور سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت کی وصیّت کی اس وصیت کے بعد کسی اور طرف التفات نہیں کیا اور رفیقِ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، ذکر و فکر اور کلمہ توحید پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ "رفیقِ اعلیٰ" سے جا ملے۔

آپ کی وفات یکم محرم الحرام ۱۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ (بدھ) صبح کے وقت ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ فضل حق صاحب نے آپ کی وفات "آہ مرشد برفت" سے نکالی۔

---

[1] آپ کے فرزند تھے۔ آپ کی مزار والد کے پہلو میں ہے۔ اب یہ محلہ جہاں آپ کا مزار ہے فضل حق صاحبزادہ کے نام سے ہی موسوم ہے۔

حضرت علامہ حافظ غلام جیلانی صاحب المعروف ”میاں صاحب آسیا والے“

۱۱۹۸ھ تا ۱۲۹۲ھ

آپ کا نام نامی حافظ غلام جیلانی، والد کا نام حافظ غلام حبیبؒ لقب علامہ عصر اور ”میاں صاحب آسیا“ کے نام سے مشہور تھے۔ چغتائی خاندان تھا۔

آپ کے والد عالم و فاضل نہایت ہی متقی اور پابند سنت تھے۔ وعظ فرمایا کرتے۔ فتویٰ بھی دیا کرتے۔ سکھوں کے خلاف محدثین ہندوستان کی بڑی مدد کی۔

حافظ غلام جیلانی صاحب نے اپنے والد سے قرآن مجید حفظ کیا اور علوم مدرسیہ سے فراغت حاصل کی۔ حافظ حبیب اللہؒ صاحب قندھاری آپ کے اساتذہ میں

ؒ مولینا عبدالرحیم صاحب مرحوم لائبریرین اسلامیہ کالج پشاور "لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ کے صفحہ ۱۱۳ پر حافظ حبیب اللہ کے متعلق لکھتے ہیں" بارھویں صدی ہجری کا ایک عالم متبحر ہے۔ مولینا غلام جیلانی مرحوم ایک واسطے سے ان کے شاگرد تھے۔

فاضل حبیب اللہ قندھاری اپنے وقت کے علامہ تھے۔ آپ نے بہت کتابیں لکھیں۔ شیخ فقیر اللہ شکارپوری (سندھ) رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شیخ الشیخ تھے۔ آپ کے علم کا شہرہ بخارا تک تھا۔ اس وقت

(بقیہ بر صفحہ ۱۱۴)

سے تھے۔ نیز حضرت مولانا مولوی حافظ عبدالرحیم صاحب افغان بھی آپ کے اُستاد تھے۔ حدیث شریف[۱] حضرت مولینا مولوی سبحان علی صاحب دہلوی سے پڑھی۔

جس وقت حافظ عبدالرحیم صاحب افغان کو قومی اور وطنی سرگرمیوں کی بنا پر بغاوت کے الزام میں انگریزوں نے دس سال قید کیا تو اس وقت حضرت میاں صاحب کو بھی ان کی تحریک کا ایک اہم رکن سمجھ کر قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا اور انگریزوں کی نظر میں آپ بھی ایک کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے۔

آپ کے اُستاد فاضلِ اکمل حافظ حبیب اللہ صاحب قندھاری اور آپ نے تحریکِ محدثین ہندوستان کی پوری پوری حمایت و اعانت کی تھی۔ علماء پشاور نے محدثین ہندوستان کے عقائد کی بنا پر جو وہابی ہونے کے فتوے دیئے تھے ان پر ان ہر دو حضرات نے جواب میں رسالے لکھے۔ جناب حضرت جی صاحب، سید امیر شاہ کوٹھہ ملا صاحب پر جو فتویٰ دیا گیا تو حضرت میاں صاحب آسیا والے نے اس کا رد کیا۔

اسلامیہ کالج کے کُتب خانہ میں آپ کی مندرجہ کتابیں موجود ہیں "مغتنم الحصول فی علم الاصول" (عدد مسلسل ۱۳۲) یہ کتاب اصولِ فقہ میں ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ رسالہ "احادیث موضوعۃ"۔ "اهانة الملة في التوقف عن تكفير اهل القبلة"۔ "عدم تکفیر اہل قبلہ" ہر دو رسالہ عربی میں ہیں اور عدم تکفیر اہلِ قبلہ فارسی میں ہے۔ (عدد مسلسل ۸۰۱ پر)

[۱] میر قاسم ادیب پشاوری نے مندرجہ ذیل عبارت مولینا عبدالرحیم افغان مرحوم کے ایک قلمی روزنامچہ سے نقل کی ہے۔ یہ قلمی روزنامچہ قاسم صاحب نے رحیم بخش صاحب اعرار مدیر ماہنامہ "دیدہ ور" کے پاس دیکھا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ جب میں مدیر "دیدہ ور" کے پاس گیا تو اُس نے کتاب بتلانی بھی گوارہ نہ کی۔ مولینا عبدالرحیم

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۵)

اللہ بخش صاحب یوسفی لکھتے ہیں ؎ "کہ مولینا مولوی غلام جیلانی صاحب جو کہ پشاور کے مشہور عالم دین تھے۔ تحریک مجاہدین کی حمایت میں تھے"۔

صرف یہی نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی (جس کو انگریزی فسطائیت نے غدر کا نام دیا) میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ آپ کے علم کا شہرہ دُور دراز ممالک تک پہنچا ہُوا تھا۔ غزنی، ہرات، ثمرقند، بخارا اور کابل تک کے طلبار آ کر آپ سے اپنی علمی استعداد کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے، اور اس چشمۂ علم و حکمت سے فیضیاب ہو کر لوٹتے، آپ علوم متداولہ کے جملہ فنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، اسی لئے آپ

افغان علاقہ آسیا محلہ بڑھ کی مسجد کے امام تھے۔ عابد و زاہد اور متبحر عالم تھے۔ پشاور شہر کے اکثر علمار آپ کے ہی شاگرد تھے۔ انگریزوں کے بہت ہی سخت مخالف تھے۔ وائسرائے ہند جو ان دنوں کلکتہ میں مقیم تھا حافظ صاحب کو لکھا۔ "از جانب گورنر جنرل (کلکتہ) مکتوب بدیں مضمون گورنر جنرل اوّل (ہند) مولینا حافظ عبدالرحیم صاحب افغان نوشتہ، شمارا اطلاع باید کہ آلے دورِ مغلیہ ختم شد، و دور برطانیہ قائم شد دریں اثنا اطاعت حکومت انگلیشیہ بہرحال لازم است۔

آپ نے انتہائی دلیری اور جرأت کے ساتھ حق بات کا واضح اور علی الاعلان اظہار کیا، اور جواب میں لکھا۔ "ما برائے ہندوستان لفظ برطانیہ پسند نمی توانم، چرا کہ ایں اسلامیہ ہند است، ما برائے سلطنت مسلمین دوبارہ تحریک می کنم"۔ انہی وطنی سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کو حکومتِ انگریزی نے دس سال قید کیا۔

؎ حافظ غلام جیلانی صاحب کے قلمی فتویٰ کا مجموعہ جو کہ ملا مجید علاقہ ہشتنگری پشاور کی مسجد کے امام کے پاس ہے۔ یہ ایک بہت قیمتی مجموعہ ہے، جو کہ تقریباً ۱۲۰۰ صفحات پر ہے۔

؎ تاریخ یوسف زئی پٹھان صفحہ ۳۸۰

تمام فنون پڑھاتے، آپ کا ذوق مطالعہ اس حد کمال تک پہنچا ہوا تھا کہ کسی وقت بھی بغیر
کتاب کے نہ ہوتے، اور آپ کے کتب خانہ کی تقریباً ہر ایک کتاب پر آپ نے
کچھ نہ کچھ تحریر کیا ہے۔ جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم لائبریرین اسلامیہ کالج
پشاور تحریر فرماتے ہیں۔ "تیرھویں صدی کا بہت بڑا متبحر عالم تھا۔ ان کے تبحر علمی کا اس
سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اس عظیم الشان کتب خانہ میں ایسی کتاب کم تر ہوگی جس پر
علامہ موصوف نے مطالعہ کر کے کچھ حاشیے یا کوئی مفید یادداشت نہ لکھی ہو۔"

آپ کی یہ عادت تھی کہ اپنے مطالعے کے کمرے میں چراغ کی مدھم روشنی میں کتابوں
کے مطالعہ میں کہنیوں کے بل بیٹھے بیٹھے رات گزار دیتے۔ آپ کے متعلق یہ واقعہ زبان زد
خلائق ہے کہ ایک بار شب جمعہ آپ کے مطالعے کے کمرے میں ایک نور ظاہر ہوا۔ دیکھا
تو حضرت خضر تھے۔ حضرت خضر نے آپ سے فرمایا کہ آپ نے میری تلاش میں زندگی بسر
کر دی ہے۔ میں نے چاہا کہ آپ سے مل لوں، اب فرمائیے کہ آپ کو کیا ضرورت ہے
جناب حافظ صاحب نے مسکرا کر فرمایا۔ اے جناب خضر! جب کچھ دینے کا وقت
تھا تو آپ نہیں ملے آپ نے اپنی کہنیاں دکھلاتے ہوئے حضرت خضر سے فرمایا۔ دیکھئے
حصول علم کے لئے میں نے شب و روز کتابوں کے مطالعہ میں اس کمرے میں اپنی
کہنیاں متورم اور ڈاڑھی سفید کر دی ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

آپ کے اسی ذوق مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے ایک بہت ہی اعلیٰ، کمیاب
اور قیمتی کتب خانہ مہیا فرمایا۔ جس وقت آپ حج پر تشریف لے گئے تو وہاں سے

---

[1] لباب المعارف العلمیہ ص ۹۸

بھی آپ بہت نایاب کتب تلاش کر کے ہمراہ لائے، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ انجیل مقدس کا ایک قلمی نسخہ ساتھ لائے تھے جس کو آپ بہت ہی عزت و تکریم سے رکھے ہوئے تھے، اور بڑے بڑے عیسائی علماء اس کی زیارت کے لئے آتے۔ آخر آپ کی وفات کے بعد جبکہ یہ کتبخانہ اسلامیہ کالج بھیجا گیا۔ تو اس انجیل مقدس کے نسخہ کو یورپ بھیج دیا گیا۔ آپ کے کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تقریباً علوم اسلامیہ کے ہر فن پر کتابیں موجود تھیں۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو اس عظیم و جلیل کتب خانہ کے مالک آپ کی بیوہ اور آپ کی دو صاحبزادیاں ٹھیریں۔ آپ کی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ اس کتب خانہ کو حاصل کرنے کے لئے بادشاہ کابل امیر حبیب اللہ خان صاحب نے کوشش کی اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ قیمت ادا کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مگر آپ کی بیوہ اور صاحبزادیوں نے اتنی بڑی رقم کو قبول نہ کیا اور بادشاہ کابل کو کتب خانہ نہ دیا۔

سنہ ۱۹۱۳ء میں اسلامیہ کالج بنایا گیا۔ منتظمین و بانی اسلامیہ کالج سر سید سرحد سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب مرحوم نے انتہائی کوشش کی اور "حضرت میاں صاحب آسیا" کا کتب خانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ کتب خانہ اس وقت اسلامیہ کالج میں "مکتبہ مشرقیہ دارالعلوم اسلامیہ پشاور" کے نام سے موجود ہے۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے جنھوں نے اس قیمتی کتب خانہ کو محفوظ کر دیا اور یہ کتب خانہ آج تک تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے۔[1]

---

[1] لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ از مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب ناظم مکتبہ شرقیہ دارالعلوم اسلامیہ سرحد۔

نہیں کہ اس کتب خانہ کا کیا حشر ہوتا۔

مولینا عبد الرحیم صاحب مرحوم ناظم کتب خانہ تحریر فرماتے ہیں[1] ۔ "مولینا مرحوم (یعنی میاں صاحب آسیا) کی عادت تھی کہ پہلے تو وہ ہر ایک کتاب کو اس کی اصلی صورت میں حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ان کے کتب خانہ میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جو خود مصنفوں کے سامنے لکھی گئی ہیں۔ یا مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کی گئی ہیں"۔ یا اس نسخے کی نقل النقل ہیں، کئی ایک کتابیں بڑے بڑے علماء سلف مثلاً احمد بن عمران مقدسی، علامہ جبرتی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ البتہ اگر اصلی صورت میں کتاب کا ملنا میسر نہیں ہوتا تھا تو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی نقل لے لیا کرتے تھے جس کی بیسیوں مثالیں کتب خانہ کے دیکھنے سے مل سکتی ہیں۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں اس طرح مولینائے ممدوح کے حسن اہتمام سے نقل کی گئیں، اور ان تمام کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانائے ممدوح کے پاس مختلف علوم کی بہتوں تصنیفات کا بیش بہا خزانہ جمع ہوگیا۔ یہ علمی خزانہ مولینائے ممدوح کو اتنا عزیز تھا کہ معمولی درجے کے اشخاص کو تو اس کی شکل دکھانے تک سے دریغ کرتے تھے، ہاں صحیح علمی مذاق رکھنے والوں کے لئے ان کے کتب خانہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

اس کتب خانہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ "کتب خانہ میں مختلف علوم وفنون کی تین ہزار کتابیں موجود ہیں۔ جس میں سے اکثر کتابیں اپنی قدامت، کمیابی، خوشخطی اور دیگر

---

[1] مکتبہ شرقیہ دار العلوم اسلامیہ پشاور کی فہرست ص۳ و ص۴ "چند ایک تمہیدی باتیں"۔

خصوصیت کی وجہ سے نہایت اہمیت رکھتی ہیں، بعض کتابیں تو ایسی نایاب ہیں کہ ہندوستان بھر کے کتب خانوں میں ان کا وجود نہیں ملتا"۔ ۵ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو جب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب دہلوی نے اس کتب خانہ کا معائنہ کیا تو باوجود اس وسعتِ نظر کے جو ان کو فنِ طب میں حاصل ہے۔ انھوں نے بعض طبی کتابیں خاص طور پر نکلوائیں۔ غور و امعان سے دیر تک ان کا مطالعہ کیا اور ان کو "قلتِ نایاب" سے تعبیر کیا"۔ مولانا عبدالرحیم صاحب اس کتب خانہ کی اہمیت کو واضح فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :" اس کتب خانہ کی اہمیت ایک دوسرے طریقہ پر بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان بھر میں سرکارِ عالیہ حیدرآباد دکن کا کتب خانہ آصفیہ ایک چوٹی کا کتب خانہ ہے۔ جس کی مفصل فہرست اس وقت نیاز مندِ مولف کے پیشِ نظر ہے۔ لیکن جب اس کی موجودہ کتابوں کا اس کتب خانہ کی موجودہ کتابوں سے بہ نظرِ دقیق مقابلہ کیا جاتا ہے تو واضح ہوتا ہے کہ کتب خانہ ہٰذا کی اکثر کتابوں میں جو امتیازی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کتب خانہ آصفیہ کی کتابوں میں مفقود ہیں، یا بہت کم ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کتب خانہ آصفیہ میں کتابوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے"[1]

۱۹۳۶ء میں جناب ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی (لندن) نے اس کتب خانہ کا مطالعہ کیا اور ایک تحقیقی مقالہ لکھا۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ " دینی علوم کے علاوہ دنیاوی علوم میں بھی بہت سی نادر کتابیں موجود ہیں مثلاً علمِ کیمیا میں مفاتیح الرحمت از طغرائی، علم طب میں زبدۃ الطب، علمِ جراحی میں کتاب الاقناع، علمِ ہندسہ (جیومیٹری) میں کتب اقلیدس اور شرح اشکال التاسیس

---

۱ ایضاً

وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں"۔

آگے چل کر تحریر کرتے ہیں "کچھ عرصہ ہوا جب میں یہاں کے مخطوطات کو دیکھ رہا تھا، تو فنِ جہاز رانی پر دو نہایت نایاب کتابیں نظر سے گذریں جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ "پیرس" کے کتب خانہ قومی کے سوا اور کہیں موجود نہیں ایک کا نام "العمدۃ" اور دوسری کا نام المنہاج الفاخر بحر الذاخر[۱] یہ دونوں کتابیں سلیمان بن احمد المہری کی تصنیف سے ہیں جو بحر الہند کا ایک تجربہ کار کپتان تھا فرانسیسی مستشرق جبرئیل فیران (GABRIEL FARRANE) نے اس کپتان[۱] اور اس کی تصانیف کے متعلق بہت کچھ تحقیق کی ہے اور اس کے چند ایک رسالوں کو بھی شائع کیا ہے[۱]"۔

ان آرا کی روشنی میں حضرت میاں صاحب "آسیا" کا علمی ذوق و شوق تلاش تجسس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے کتنی کاوش و تفحص کے بعد یہ کتب خانہ جمع کیا ہوگا۔

مولینا عبدالرحیم صاحب ناظم کتب خانہ نے ان تمام کتابوں کی فہرست مرتب کر کے شائع کی ہے۔ یہ فہرست تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

جب آپ حج مبارک کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے پشاور سے لے کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور پھر واپس پشاور تک پہنچنے کا باقاعدہ روزانہ کا سفرنامہ لکھا ہے جو کہ فارسی میں ہے اور اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد مسلسل ۵۵۹ پر موجود ہے۔

---

[۱] ماہنامہ "طلوع" اپریل سنہ ۱۹۳۶ء لاہور

آپ ۱۶ر شوال ۱۲۸۸ھ کو بذریعہ شکرم یعنی ٹانگہ کے پشاور سے لاہور تک گئے اور پھر لاہور سے بذریعہ ریل گاڑی بمبئی گئے اور بمبئی سے بحری جہاز کے ذریعے حرمین الشریفین تشریف لے گئے۔ ۳ر ربیع الاوّل ۱۲۸۹ھ کو واپس پشاور پہنچے پشاور میں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا اور مہرانی کوتوالی کے قریب آپ کو شکرم سے اُتار کر پیادہ سرآسیا تک لے جایا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حج کی واپسی سے تقریباً تین برس بعد آپ کا اِنتقال ہوا۔ اِس طریقہ سے آپ کا سنِ وفات ۱۲۹۲ھ بنتا ہے۔

حضرت علامہ حافظ محمد احسن صاحب المعروف حافظ دراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۰۲ھ تا سنہ ۱۲۶۳ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ محمد احسن[1] والد کا نام حافظ محمد صدیق اور دادا کا نام محمد شریف تھا۔ "حافظ دراز[2]" کے نام سے مشہور تھے۔ "استاذ العلماء" لقب تھا۔

آپ موضع خوشاب (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ مگر مستقل طور پر پشاور شہر کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا۔ آپ کا تمام خاندان علم و فضل اور قرآن مجید کے حفاظ کا گھرانہ

---

[1] حدائق الحنفیہ ص۴۷۲ از مولوی فقیر محمد صاحب جہلمی

[2] پشاور کے لوگ آپ کو حافظ دراز کے نام ہی سے جانتے ہیں اور آپ کے اصلی نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آپ کو دراز یعنی لمبا اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا قد غیر معمولی لمبا تھا۔ میرے استاذ محترم گرامی محدث صوبہ سرحد صاحبزادہ حافظ عبدالاحد جان صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ایک بار موضع چکنی میں حافظ دراز صاحب جوتی بنوانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک پیزار دوز اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے جوتی بنا رہا تھا۔ آپ نے اس کے کوٹھے پر اپنے سر کو اٹھا کر فرمایا۔ او جوتی والے میرے پاؤں کی جوتی ہے؟ اُس نے جواب میں کہا کہ مرنیا گھوڑے سے نیچے اُتر کر او پر آجا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوں وہ یہ سن کر گھبرا گیا، کہ یہ اتنے لمبے قد کا آدمی ہے۔ کوٹھا چھوڑ کر بھاگ گیا۔

سورۂ یوسف اور والضحیٰ سے لے کر آخری سورۃ تک کی تفاسیر لکھی۔ معراج نامہ اور وفات نامہ نامی رسالے لکھے۔

بادشاہ بخارا نے آپ سے چند نہایت ہی اہم سوالات دریافت کیئے۔ آپ نے ان تمام سوالات کے جواب بالتفصیل دیئے جو کہ اسلامیہ کالج کی لائبریری میں عدد مسلسل ۷۹۶ میں محفوظ ہے۔

آپ نے بہت ہی قیمتی اور بیش بہا کُتب خانہ چھوڑا تھا۔ شومیٔ قسمت سے برلب کھڈ اندرون قصہ خوانی بازار میں آپ کے مکان کے ساتھ آگ لگ گئی۔ جس کی وجہ سے وہ آگ آناً فاناً آپ کے مکان تک پہنچ گئی۔ آپ کے نواسے مکان سے سامان تک نہ نکال سکے۔ تمام سامان بمعہ کتابوں کے جل کر خاکستر ہوگیا۔ اور وہ بیش قیمت کُتب خانہ ضائع ہوگیا۔

آپ کی وفات بعمر ۶۱ برس ۱۲۶۳ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ المتخلص بہ واعظ

۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۵ھ

آپ کا اسم شریف محمد عظیم، لقب بحر العلوم، تخلص واعظ، اور حافظ جی صاحب گنج والے، کے نام سے مشہور ہیں، جامع مسجد گنج کے امام، خطیب اور مدرس تھے۔

آپ کے خاندان کے ایک بزرگ جناب مفتی[1] فضل کریم صاحب فرماتے ہیں کہ آپ حضرت قدوۃ السالکین خواجہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ آپ کا خاندان علم ظاہری و باطنی کا مرکز تھا۔ اس لئے آپ بہت تھوڑی عمر میں (یعنی ۱۶ برس کی عمر میں) تکمیل علوم فرما کر مسند درس پر متمکن ہوئے۔ چند برس درس تدریس

ل جناب مفتی فضل کریم صاحب حضرت بحر العلوم کے نواسہ کے فرزند تھے آپ نے بعمر ۷۰ برس، ۷ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۹۶۳ء بروز ہفتہ وفات پائی۔ نہایت ہی ملنسار، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

مجھے جناب حافظ تاج محمد صاحب گلکار نے بیان کیا کہ مفتی صاحب کے دفن کے چھٹے دن جب میں مفتی صاحب کی قبر بنانے لگا کہ قبر کو پاؤں کی جانب سے کھولا تو قبر سے خوشبو ہی خوشبو آرہی تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے منوں بھر گلاب کا عطر ڈالا ہوا ہے۔ اور یہ خوشبو تمام قبرستان میں پھیل گئی۔

فرمانے کے بعد اچانک طبیعت میں انقلاب آیا۔ درس کو چھوڑ کر سلوک و معرفت کے حصول کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ آپ پنجاب سے نکل کر پشاور میں گنج دروازہ کے باہر سڑک کے کنارے پر "تہہ خانے والے ملا صاحب" کے قبرستان میں ایک چھوٹی مسجد ہے اس میں ٹھہرے، اور عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ یہاں پر آپ نے درس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

آپ کے زہد و تقویٰ اور علم کی شہرت پشاور اور اس کے گرد و نواح میں پھیلی، علماء، مشائخ اور عوام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبول کر دیا۔ علاقہ گنج کی جامع مسجد (جو کہ مسجد خواجہ معروف کے نام سے موسوم ہے) میں مدرس، امام اور خطیب بنائے گئے۔

جب پنجاب میں سکھوں کے جبر استبداد اور مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں نے وہاں سے ہجرت کرنا شروع کر دیا تھا تو ان مہاجرین میں حضرت قطب برحق شاہ غلام محمد صاحب المعروف "حضرت جی صاحب پشاوری" بھی سرہند سے ہجرت کر کے پشاور تشریف لائے اور علاقہ یکہ توت میں مقیم ہوئے، حضرت بحر العلوم صاحب بھی آپ کی ملاقات کے لئے آیا کرتے تھے، اور یہ مراسم یہاں تک بڑھے کہ بقول مصنف تحفۃ المرشد[۱] حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ہر جمعرات کے دن اپنی مجلس میں بلوا کر وعظ کرواتے، الفاظ یہ ہیں۔

"در روز پنجشنبہ حضرت حافظ محمد عظیم صاحب واعظ کہ بحر العلوم بود برائے وعظ نزد خود طلب می فرمودند۔"

۱۔ صفحہ ۳ برحاشیہ، تحفۃ المرشد کا مصنف مرزا نظام الدین صاحب مزار شریف (کابل) کا متولی ہے، اور حضرت جی صاحب کا خلیفہ بھی رہا ہے اور آپ کے صاحبزادہ فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر یہ کتاب آپ کے حالات میں لکھی ہے۔

نیز آپ نے جناب "حضرت جی صاحب" کی معیت اور صحبت میں رہ کر علوم باطنی کا وافر حصہ پایا، اور آپ سے ہی ہر چہار سلاسل میں بیعت ہوئے اور بقول حضرت محمد حسن[۱] بن حضرت امام محمد لوحانوی۔

"و نیز بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاوری از خلفائی حضرت جیئو (جی) صاحب بودند"۔

یعنی حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم واعظ پشاوری حضرت جی صاحب کے خلفاء میں سے تھے۔

حضور سید دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی محبت کا جو عالم تھا وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ایک بار جناب بحر العلوم صاحب حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے مشرف ہوئے تو آپ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے دیدار پُر جمال سے مشرف ہونے کے بعد یہ آنکھیں اب اور کسی کو نہ دیکھیں۔" جب آپ بیدار ہوئے تو نابینا تھے، آپ کی بہت ہی خوب صورت اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں۔ سبحان اللہ کیا عشقِ محمدی تھا۔ اور آپ کی پیارے محبوب مالک و مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی والہانہ محبت تھی۔ حضور عالمِ ماکان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت و عشق کا یہ نتیجہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت بحر العلوم کو علمِ لدنی سے نوازا۔

بغیر بینائی کے معقول و منقول کی کتابیں پڑھاتے۔ ہر ایک استفتاء کا جواب املا

---

[۱] تحفۃ المرشد کا حاشیہ صفحہ ۱۹۔ امام محمد رضا لوحانی حضرت جی صاحب کے خلیفہ تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں ذکوڑی شریف میں آپ کا مزار ہے۔

فرماتے۔ کتاب کا نام، صفحہ، اور سطر تک لکھواتے۔ صاحب تاریخ پشاور[1] لکھتے ہیں۔ "یہ صاحب (یعنی حافظ محمد عظیم صاحب) عالم باعمل تھے۔ ان کی نسبت لوگ اعتقاد ولایت رکھتے ہیں، اور تمام عمر ان کی تعلیم علوم میں باوجود نابینا ہونے کے گذری"۔ آپ کو صحاح ستہ کے تمام اسانید زبانی یاد تھے۔ جناب مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں[2] "حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت، صحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے"۔ آپ کے علم اور بزرگی کا شہرہ ملک کے طول و عرض میں پھیلا۔ آپ کے درس میں مختلف علاقوں کے طلباء جوق در جوق آنے لگے، اور ہر قسم کے علوم سے بہرہ یاب ہو کر مشہور عالم و فاضل ہوئے۔ حضرت "خواجہ معروف" کی مسجد دارالعلوم اسلامیہ کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ طلباء کی روٹی، رہنے کی جگہ اور کپڑا بھی آپ خود مہیا کرتے۔ آپ کے ساتھ آپ کے اس دارالعلوم میں مشہور و معروف دو عالم جناب اخونزادہ عبداللہ صاحب اور مولینا قاضی مسعود صاحب بھی علوم منقولہ کا درس پڑھاتے۔ آپ کے دور میں صوبہ سرحد پر سکھوں نے غلبہ اور اقتدار حاصل کیا ہوا تھا۔ سکھوں کا دور یہاں کے لوگوں کے لئے جبر و استبداد اور ظلم و تعدی کا دور تھا۔ یہ ایک ایسا دور تھا کہ جس میں ظلم کا نام انصاف، جبر و ستم کا نام رحم و کرم، اور تباہی و بربادی کا نام آبادکاری تھا۔ خانقاہوں کی عمارتوں کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ مساجد کو اصطبل کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔ اسلام پر ہر طرف سے کفر کی یلغار تھی۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں انتہائی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے عالم

---

[1] از لالہ کنہیا لال دکپتان اے۔ جی ہسٹنگز صفحہ ۲۰۹
[2] کتاب اسماعیل شہید جلد دوم صفحہ ۲۸۱، صفحہ ۲۸۲

میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت کرنا۔ وعظ کی مجالس کا انعقاد کرنا بہت ہی کٹھن اور مشکل کام تھا۔ مگر آپ نے کمال ہمت و استقلال کے ساتھ کسی قسم کے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے دارالعلوم اور مجالسِ وعظ کو جاری رکھا۔

سکھوں کا جرنیل ابوطبیلہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے اب تک یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جرنیل اطالوی تھا، اور اتنا ظالم و جابر تھا کہ یوسف زئی اس کے جبر و استبداد کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ یہ جرنیل ابوطبیلہ ۱۸۳۸ء سے لے کر ۱۸۴۲ء تک پشاور میں مقیم رہا۔ ایک دفعہ اس نے آپ کو حکم بھیجا کہ آپ میرے پاس حاضر ہو جائیں مگر آپ نے نہایت ہی دلیری اور جرأت کے ساتھ اس کے قاصد کو کہہ دیا کہ گورنر کو ضرورت ہے تو اس فقیر کے پاس آئے۔ چنانچہ ابوطبیلہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[1]

آپ کے شاگردانِ رشید میں سے مشہور و معروف شاگرد حضرت شیخ المشائخ، شیخ الاسلام والمسلمین مجاہدِ اعظم حافظ عبدالغفور صاحب المشہور بہ اخون صاحب صوات رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عالم اجل فاضلِ اکمل عالم علوم اسرارِ الٰہی سید اکبر شاہ صاحب ساکن بھانہ ماڑی، حضرت علامۂ وقت فہامۂ عصر مولانا ابوالفضل اولنا مرید محی الدین صاحب نوشہروی، وغیرہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ نیز بقول مولینا غلام رسول صاحب مہر،[2] جناب مولانا مولوی سید امیر صاحب المشہور کوٹھہ ملا صاحب بھی آپ کے شاگرد تھے۔

---

[1] یہ روایت جناب فضل کریم صاحب مرحوم نے مجھے بیان کی۔

[2] "اسماعیل شہید جلد دوم ص ۸۲-۲۸۱۔

محدثین ہندوستان نے جناب سید احمد صاحب شہید کی قیادت میں سکھوں کے خلاف جو جنگیں کیں ابتداءً آپ نے، آپ کے شاگردوں نے اور آپ کے معتقد مشائخ کرام نے خوب گرم جوشی سے حصہ لیا۔ محدث جلیل فقیہ عصر شیخ المشائخ سیدنا و مرشدنا حضرت سید غلام صاحب المعروف بہ آغا میر جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گورکھٹڑی میں اس جماعت محدثین کی دعوت کی اور یہ دعوت اس صورت میں تھی کہ کھانے کا تمام سامان یعنی دُنبے، چاول، گھی، مصالحہ اور لکڑی سب دے دیا گیا اور انہوں نے خود پکا کر کھایا[1]۔ مگر بعد میں مذہبی اور سیاسی اختلاف کی بنا پر حضرت بحر العلوم نے بمعہ متعلقین کے یکسوئی اختیار کر لی۔

مولینا مولوی غلام رسول صاحب مہر محدث اپنی کتاب "اسماعیل شہید" کے صفحہ ۱۸۱[2] جلد دوم میں لکھتے ہیں "شاہ اسماعیل کے مجموعہ مکاتیب میں دو مکتوب ایسے ہیں جو پشاور کے دلش علماء کے نام بھیجے گئے۔ پہلا ۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ (۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء) کو دوسرا ۱۷ شوال ۱۲۴۵ھ (۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء) کو۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء کی طرف سے سید صاحب اور آپ کے رفقاء پر کئی الزام لگائے گئے تھے مثلاً ا۔

۱۔ سید صاحب اور آپ کے رفقا الحاد و زندقہ میں مبتلا ہیں۔ ان کا کوئی مذہب و مسلک نہیں ہے۔ نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذاتِ جسمانی کے جویا۔

۲۔ وہ ظلم اور تعدی کے خوگر ہیں۔

---

[1] بروایت جناب حضرت قطب وقت آغا سید سید احمد شاہ صاحب مرحوم جدام

[2] افسوس ہے کہ مولانا مرحوم نے وہ خطوط نہ چھاپے، اگر وہ خطوط سامنے ہوتا تو یہ مسئلہ کافی مبرہن ہو جاتا۔

۳ - بلا وجہ شرعی، مسلمانوں کے اموال ونفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

۴ - سید صاحب انگریزی رسالہ میں ملازم تھے۔ مولینا اسماعیل اور بعض دوسرے لوگوں نے انھیں مہدی موعود قرار دیا۔ انگریزوں نے ان کو ملک سے نکال دیا۔

۵ - وہ مکہ معظمہ پہنچے وہاں سے براہ مسقط و بلوچستان قندھار گئے۔

۶ - خادی خان کو ملا عبد الغفور (اخون صاحب سوات) کے ذریعہ صلح کے بہانے بلایا اور قتل کرا دیا۔

۷ - وہ افغانوں کی لڑکیوں کو جبراً "جدید الاسلام" ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں"
اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہیں۔ مگر ثابت ہوتا ہے کہ پشاور کے علماء کرام نے مجاہدین سے اختلاف کیا۔ اور یہ اختلاف معمولی نہیں تھا۔ بلکہ بنیادی اختلاف تھا۔ جن کے نام یہ خطوط لکھے گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب مہران کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ کہ "مولانا حافظ محمد احسن صاحب بن محمد صدیق معروف بہ حافظ دراز پشاوری، متبحر عالم علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر سرحد سے سمرقند تک ان کے علم کا چرچا تھا۔ دوسرے یہی بزرگ ہیں جن کی تعریف میں لکھتے ہیں حضرت بحر العلوم حافظ محمد عظیم صاحب علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شیخ وقت اصحاح ستہ کے اسانید زبانی یاد تھے روتے بہت تھے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ تیسرے مولانا غلام حبیب صاحب جو کہ آسیا والے میاں صاحب غلام جیلانی کے والد تھے یہ بہت بڑے عالم تھے (۴) مولینا مفتی محمد احسن صاحب بن مولانا مفتی محمد احمد متبحر عالم تھے۔ محلہ کوٹلہ رشید گنج پشاور (۵) مولینا مفتی حافظ احمد صاحب (۶) مولانا مولوی عبد المالک اخونزادہ (۷) مولانا مراد اخونزادہ (۸) مولینا قاضی سعد الدین (۹) مولینا قاضی مسعود (۱۰) مولینا عبد اللہ اخونزادہ۔

حضرت بحر العلوم صاحب اپنے مواعظ میں عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو مدلل طریقے سے بیان فرماتے اور فرق باطلہ کا مسکت طریقہ پر رد فرماتے۔ یہ بات عام طور پر پشاور میں مشہور ہے بلکہ زبان زد خلائق ہے کہ جس وقت منبر پر رونق افروز ہوتے۔ تین بار" الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" بلند آواز سے پڑھتے۔ آپ کے معاصر علماء سے حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی صاحب المشہور "میاں صاحب آسیا" نے اعتراض کیا۔ آپ نے ان کو کہلا بھیجا، کہ آیئے اور جمعہ کے وعظ میں یہ مسئلہ سن لیجئے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب "میاں صاحب آسیا" بمعہ اپنے معتقدین کے آپ کی مجلس وعظ میں تشریف لائے۔ اس وقت علماء کے وعظ کا یہ طریقہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد عصر تک وعظ کیا کرتے تھے۔ حسب قاعدہ آپ نے درود و سلام پڑھ کر اسی مسئلہ ندا پر تقریر شروع کر دی، تمام وقت آپ کی تقریر سے لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں آہ و بکا کرتے رہے، اور یہی عالم "آسیا والے میاں صاحب" کا بھی تھا۔ "آسیا والے میاں صاحب مطمئن ہو کر چلے گئے۔[۱]

حضور محبوب سبحانی قطب ربانی سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بحر العلوم کو والہانہ عقیدت تھی اور یہ عقیدت عشق کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ ہر وقت خواہ آپ درس میں ہوتے یا وعظ فرماتے حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے ہی کمالات اور کرامات بیان فرماتے۔ ایک بار جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ طلبا

---

[۱] مجھے یہ واقعہ چاچا غلام سرور صاحب مرحوم نے بیان کیا جو کہ میاں صاحب آسیا کے انتہائی معتقد تھے۔ اور وہ اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اس وقت میری عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی۔

کو دے دیا، یہاں تک کہ آپ پر گیارہ وقت کا فاقہ گذرا تو آپ نے بغداد شریف کی طرف مُنہ کر کے عرض کیا۔ مفتی فضل کریم مرحوم فرماتے تھے کہ مجھے والد صاحب نے فرمایا کہ معاً ایک شخص دروازے پر آیا اس کے پاس چاولوں کی ایک عوری تھی کہا کہ "محمد عظیم کو کہو کہ خود آکے لے جائے" حضرت خود دروازے پر آئے اور وہ عوری لے کر گئے، اس عوری میں سے ہر لقمہ کے ساتھ ایک ایک اشرفی نکلی، جب آپ نے گیارہ لقمے لے لئے اور گیارہ اشرفیاں ہو گئیں، تو فرمایا کہ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے گیارہ ناموں کا صدقہ یہ گیارہ اشرفیاں ہیں۔ اب میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ بارھواں لقمہ لوں۔ آپ کی یہ والہانہ عقیدت آپ کی اولاد کو بھی نصیب تھی (اسی طرح مفتی فضل کریم صاحب مرحوم حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ، کے ساتھ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور انتہائی شوق و جذبہ کے ساتھ حضورؐ کا اسم گرامی لیتے تھے) آپ کے دور میں پشاور میں ایک بار بہت سخت بیماری پھیلی۔ پشاور کے لوگ اپنی اصطلاح میں اس کو "وبا" کہتے ہیں۔ سینکڑوں افراد روزانہ لقمۂ اجل ہو جاتے، لوگ آپ کی خدمت میں دُعا کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ تمام لوگوں کو ساتھ لے کر پشاوری حضرت اجی صاحب کی مزار پُرانوار پر حاضر ہوئے۔ اور آپ کے مزار کو پانی سے غسل دیا، اور پھر آپ کے توسل سے دُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً پشاور سے اِس عذاب کو دُور فرما دیا۔

آپ نے کثرت کے ساتھ مدح، نصائح اور مُناجات بھی نظم کی صورت میں لکھے ہیں۔ پُرانی وضع کے خطیب حضرات اب تک اپنے خطبوں میں پڑھتے ہیں۔ صاحب تاریخ پشاور لکھتا ہے کہ "اور کبھی تعلیم سے فراغت ہوئی تو اشعار، مناجات

ے صفحہ ۲۰۹ از لالہ کنہیا لال و کپتان اے۔ جی۔ ہسٹنگز

اور مدح اور نصائح میں رہے"۔

آپ کے چار صاحبزادے تھے۔

(۱) حافظ محمد امین صاحب ہمہ متبحر عالم، علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے۔ آپ کو امیر شیر علی خان والیٔ کابل نے کابل بلا کر اپنا مفتیٔ کابل مقرر کیا۔ (۲) حافظ غلام جیلانی صاحب (۳) حافظ سید احمد صاحب (۴) عبدالحکیم صاحب سب کے سب عالم و فاضل اور حافظِ قرآن پاک تھے۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء شب جمعہ میں ہوئی

آپ کی شخصیت اب تک لوگوں کے دلوں اور نظروں میں قابلِ عزت اور احترام ہے۔ اور پشاور شہر کا ہر ایک فرد آپ کو صاحب کرامت اور صاحبِ ولایت سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسی محبت وعقیدت کے پیشِ نظر ۱۹۶۲ء میں میونسپلٹی پشاور نے فیصلہ کیا کہ اس عظیم شخصیت کی یاد میں جس محلہ میں آپ نے دینِ اسلام کی خدمت کی (یعنی گنج کے علاقہ میں) اس محلہ کا نام آپ کے نام سے موسوم کیا جائے۔ چنانچہ اب اس محلہ کا نام "محلہ حافظ محمد عظیم" رکھا گیا۔

صاحب حدائق الحنفیہ تحریر فرماتے ہیں۔[1] "عالم نبیل، فاضل جلیل، واعظ بے عدیل، جامع کمالات ظاہری و باطنی صاحبِ کشف وکرامات تھے"۔

---

[1] ص۴۷۸، ص۴۷۹

فرماتے ہیں۔ "جن لوگوں نے آپ کا وعظ سُنا ہے آج تک اس کا مذاق ان کو نہیں بھولا، اور کہتے ہیں کہ وعظ کا باب گویا آپ پر بند ہو گیا ہے۔ آپ عربی، فارسی، پشتو پنجابی جس ملک و زبان کا طالب علم یا سامع ہوتا تعلیم دیتے اور وعظ کرتے تھے۔"

آپ کی وفات ۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء میں واقع ہوئی۔ صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں۔ "اس کثرت و ہجوم سے لوگ آپ کے جنازے پر حاضر ہوئے کہ شہر کے لوگ تعجب کرتے تھے کہ اس قدر بے شمار خلقت کہاں سے آگئی۔"[1]

---

[1] ایضاً۔

حضرت آقا سیّد پیرجان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۵ھ تا ۱۳۱۵ھ

آپ کا نام نامی و اسم گرامی سیّد اکبر شاہ صاحب، والد کا اسم مبارک سیّد عیسیٰ شاہ صاحب،[1] لقب "قطبِ وقت" تھا اور "آغا پیرجان صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔ اسی مشہور نام نے آپ کے اصلی نام کی جگہ لے لی۔ آپ کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں کے بعد حضرت ابوالبرکات سیّد حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ پشاوری سے مل جاتا ہے۔

آپ کی تعلیم و تربیت اپنے والدِ محترم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ بہت ہی تھوڑی عمر میں آپ نے علومِ مروّجہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت علّامۂ اجل سیّد غلام صاحب المعروف میرجی صاحب[2] سے طریقۂ عالیہ قادریہ حسنیہ میں بیعت

---

[1] اس فقیر کے جدِ امجد ہیں۔ اس فقیر کے والد کا نام سیّد حافظ زمان شاہ صاحب ولد سیّد سعید احمد شاہ صاحب ولد آغا پیرجان صاحب ہے۔

[2] آقا سیّد میرجی صاحب بہت عالم و فاضل، زاہد و عابد، اور شیخِ وقت تھے۔ صوبہ سرحد، کابل، پنجاب، اور کشمیر کے اکابرین آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ کثیر الکرامت تھے، سخاوت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ دُنیا اور دُنیا والوں سے مستغنی تھے۔ فارسی کے بہترین شاعر تھے۔ وہ چار تصنیفیں اُردو میں بھی لکھیں ہیں۔ آپ کی وفات ۲۰ شعبان ۱۲۸۳ھ بروز جمعہ ہوئی۔ اور بروز ہفتہ درگاہ عالیہ سیّد حسن رحمۃ اللہ علیہ میں دفن کیے گئے۔

حضرت آقا سیّد پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۵ھ تا ۱۳۱۵ھ

آپ کا نام نامی واسم گرامی سیّد اکبر شاہ صاحب، والد کا اسم مبارک سیّد عیسیٰ شاہ صاحب، لقب "قطبِ وقت" تھا اور "آغا پیر جان صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔ اسی مشہور نام نے آپ کے اصلی نام کی جگہ لے لی۔ آپ کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں کے بعد حضرت ابوالبرکات سیّد حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ پشاوری سے مل جاتا ہے۔[1]

آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والدِ محترم کے زیر سایہ ہوئی۔ بہت ہی تھوڑی عمر میں آپ نے علوم مروّجہ سے فراغت حاصل کرلی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت علامہ اجل سیّد غلام صاحب المعروف میر جی صاحب[2] سے طریقہ عالیہ قادریہ حسنیہ میں بیعت

---

[1] اس فقیر کے جدِّ امجد ہیں۔ اس فقیر کے والد کا نام سیّد حافظ زمان شاہ صاحب ولد سیّد سعید احمد شاہ صاحب ولد آغا پیر جان صاحب۔

[2] آقا سیّد میر جی صاحب بہت عالم وفاضل، زاہد وعابد، اور شیخ وقت تھے۔ صوبہ سرحد، کابل، پنجاب، اور کشمیر کے اکابر علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ کثیر الکرامت تھے، سخاوت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ دنیا اور دنیا والوں سے مستغنی تھے۔ فارسی کے بہترین شاعر تھے۔ دو چار تصنیفیں اردو میں بھی لکھیں ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰ شعبان ۱۲۸۲ھ بروز جمعہ ہوئی۔ اور بروز ہفتہ درگاہ عالیہ سیّد حسن رحمۃ اللہ علیہ میں دفن کئے گئے۔

کر کے خلافت حاصل کی اور صاحبِ مجاز و ممنعن ہوئے۔ مسند آرائی خلافت ہونے کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت شروع کر دیا۔ سلسلہ قادریہ حبیبنیہ کی اشاعت و تبلیغ میں کسی دقیقہ کی فروگذاشت گروا نہ رکھا۔ اس سلسلہ میں کشمیر، ہندوستان، کابل اور عرب کے متعدد سفر کئے۔

آپ کے دور میں پشاور پر سکھوں کا غلبہ تھا۔ حاکم پشاور سکھ تھا اور دو اور اس کے ساتھی تھے۔ ان تینوں نے ایک مجلس میں جس میں آپ تشریف فرما تھے دین اسلام کی توہین کی، آپ سے برداشت نہ ہو سکا اور آپ نے ان تینوں کافروں پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ چونکہ آپ کا اقتدار بھی عوام میں کافی سے زیادہ تھا۔ اور آپ سیاسی اور رُوحانی پشاور کے پیشوا تھے۔ اس لئے حکمران طبقہ نے آپ پر ہاتھ نہ ڈالا مبادا کہ بلوا عام ہو جائے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب اس وطن میں جہاں دین اسلام کی توہین ہوتی ہو میں رہنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا آپ کابل کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ کابل میں آپ کی بہت عزت و تکریم کی گئی۔ آپ نے کافی دن وہاں گذارے۔ آپ ذکر و اذکار میں مشغول رہے۔ اور نہایت ہی مشکل ترین ریاضتیں کیں۔ دریائے کابل میں تین برس تک لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کیا۔ جس وقت اس تین برس کے چلّہ کے بعد آپ کو پانی سے نکالا گیا تو آپ کا وجود پانی نے کھایا ہوا تھا۔ اور روئی کو دودھ یا شوربے میں بھگو کر آپ کے منہ میں قطرات گرائے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ صحت یاب ہوئے۔ اسی طرح قصیدہ غوثیہ شریف کا ایک برس کا چلّہ کاٹا۔ آپ مغرب کی نماز کے وضو کے ساتھ صبح کی نماز ادا فرماتے۔ گویا تمام رات عبادتِ الٰہی میں گذرتی۔ آپ کے وجود کی برکت سے اس علاقہ میں ذکرِ الٰہی اتباعِ سنّتِ نبوی کی خوب اشاعت ہوئی۔ اگرچہ آپ کی

ارادت میں امراء، حکام، علماء، اور عوام بکثرت شامل تھے۔ مگر آپ کی طبیعت ان تمام ارادتمندیوں سے بے نیاز تھی۔ آپ کا تعلق صرف اور صرف ذاتِ الٰہی اور حضور فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے کسی وقت بھی کلمۂ حق کہنے میں دریغ نہیں کیا اور نہ کسی کی پرواہ کی۔ امیر شیر علی خاں والیٔ کابل ہندوستان کے سفر کے لئے پشاور پہنچا تو پشاور کے حاکمِ اعلیٰ نے جو کہ اس وقت ایک انگریز تھا۔ امیر صاحب کی ایک خاص ضیافت کی۔ اس میں علماء۔ اور عمائدین شہر کو بھی بلایا گیا۔

چونکہ آپ کا تعلق امیر کابل سے تھا اور وہ آپ کا معتقد تھا تو اس کی خواہش پر آپ کو بھی دعوت دی گئی۔ آپ کو انگریزوں سے بڑی سخت نفرت تھی، اس لئے آپ دعوت میں تو تشریف لے گئے مگر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ امیر کابل جناب امیر شیر علی خانصاحب نے اصرار کیا تو آپ نے صاف طور جواب میں ارشاد فرمایا۔ "کہ اے امیر یہ فرنگیوں کی ضیافت ہے اس لئے میں نہیں کھاتا۔" امیر کابل کو غصہ آگیا اس نے کہا کہ اچھا جو وظیفہ کابل کی حکومت کی طرف سے آپ کے لئے مقرر ہے وہ ضبط کیا جاتا ہے۔ آپ نے متبسمانہ لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

"اے بادشاہ فقیر کی فقیری قیامت تک رہے گی، مگر تیری بادشاہت نہ رہیگی"

آپ اِس مجلس سے فوراً اُٹھ کر چلے آئے۔ آپ کی طبیعت مُبارکہ پہ اس گفتگو کا اثر بہت بُرا پڑا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا جب امیر کابل واپس پہنچا تو اس کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ مگر آج تک اس فقیہ کا ارشاد اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ روشن ہے۔

آپ کو قانون انگریزی سے انتہائی نفرت تھی۔ حتےٰ کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپ پر مزار سید حسن بادشاہ صاحب کے

متعلق دعویٰ دائر کر دیا۔ آپ پہلی بار جب عدالت میں پیش ہوئے تو انگریز مجسٹریٹ مسٹر جیمز کرسٹی کو کہا۔ "میں شریعتِ اسلامیہ محمدیہ کا پابند ہوں۔ جو فیصلہ شریعتِ محمدیہ کرے مجھے قبول ہے۔ چونکہ تم شریعتِ اسلام سے ناواقف اور نابلد ہو اس لئے یہ قضیہ کسی مسلمان عالم و فاضل کے پاس بھیج دو تاکہ وہ فیصلہ کرے۔" دوسرے فریق نے نہ مانا۔ مجسٹریٹ نے ان کا مقدمہ خارج کر دیا۔

آپ نے بہت طویل طویل سفر کئے۔ حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے جب بمبئی پہنچے تو بحری جہاز میں حضرت قدوۃ السالکین خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جہاز میں ہمسفر ہو گئے۔ (آپ کے ساتھ آپ کے داماد حضرت قبلۂ عالم آقا الحاج سید سکندر شاہ صاحب بھی تھے) اثنائے سفر میں آپ کے مراسم حضرت قبلہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت ہی مشفقانہ قائم ہوئے۔ ایک دن حضرت تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ "شاہ صاحب، ہندوستان میں لوگوں نے تنگ کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ حج پر جا کر بیت اللہ شریف میں ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کو یاد کروں گا" آپ نے فرمایا۔ "حضرت صاحب اگر آپ اس غرض کے لئے جا رہے ہیں تو ایک گذارش اس فقیر کی بھی سُن لیجئے، جس طرح یہ فقیر آپ کو مشورہ دیتا ہے کوئی شخص آپ کے پاس نہیں ٹھہرے گا۔ اور آپ لوگوں کے اژدہام سے رہائی حاصل کر لیں گے" انھوں نے فرمایا کہ فرمائیے کہ "وہ کیا طریقہ ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "آئیے یہاں سے ہی اپنے خادموں کو رخصت کر دیجئے، آپ آٹا دال لائیے اور میں لکڑیاں لاؤں گا۔ میں کھانا تیار کروں گا آپ کپڑے دھوئیے۔ اکٹھے چلا پھرا کریں گے تو پھر کوئی بھی آپ کے پاس آکر آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔ جس قدر آپ خلوت میں رہیں گے اسی قدر

لوگ آپ کے دیدار کے مشتاق ہوں گے۔ اور خواہ مخواہ خلوت میں مداخلت کر کے آپ کے ذکر اذکار میں فرق پیدا کرتے ہیں اور جب آپ کو ہر وقت گھومتا پھرتا دیکھیں گے تو لازماً اس قدر اشتیاق نہ رہے گا۔" تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سید صاحب "میں یہ طریقہ اختیار نہیں کر سکتا ہوں" تو آپ نے فرمایا کہ "پھر آپ ضرور حج کو تشریف لے جائیں ہے"۔ آپ کی طبیعت مبارکہ میں تحقیق حق کا جذبہ بوجہ اتم موجود تھا۔ ہر وقت آپ کی مجلس علماء اور فضلاء سے بھرپور ہوتی اور کسی ایک مسئلہ پر گفتگو ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایک بار حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حافظ عبد الغفور صاحب اخون صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سے علماء نے فتویٰ دیا کہ "بغیر محراب کے نماز باجماعت نہیں ہوتی"۔ یہ بات پشاور پہنچی چونکہ آپ کی ذات والاصفات پشاور شہر میں سیاسی اور مذہبی اعتبار سے قابلِ احترام اور مرکزی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے حضرت سر آمد علماء جناب میاں صاحب آسیا یعنی حافظ میاں غلام جیلانی صاحبؒ اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف بہ "میاں صاحب قصہ خوانی" رحمۃ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء یہ فتویٰ لے کر آپ کے پاس آئے۔ آپ خود بھی بحمد اللہ عالم و اکمل تھے۔ آپ نے علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد فرمایا کہ "حضرت سوات" بہت ہی قابل قدر ہستی ہیں اور انتہائی متبع شریعت محمدی ہیں، بجائے اس کے کہ تم صاحبان یہاں سے ہی تنقید شروع کر دو۔ آؤ کہ ہم سب مل کر ان کے پاس سیدو شریف جائیں تاکہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اس مسئلہ کو طے کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ خود بمعیت چند فاضل

لہ بروایت حضرت قدوۃ السالکین آغا سید سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت میاں صاحب قصہ خوانی، حضرت الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب اور جناب مولانا مولوی سراج الدین صاحب لاہوری سیدو تشریف لے گئے۔ حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ الاسلام والمسلمین اخون صاحب صوات نے آپ کی بہت ہی قدر و منزلت کی، دوسرے دن مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، وفد کی طرف سے حضرت میاں صاحب قصہ خوانی بحث کرتے اور دوسری طرف سے تین علماء تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تین دن تک یہ بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ مسئلہ حل ہوا اور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت باباجی صاحب صوات نے دوسرا فتویٰ دیا کہ "بغیر محراب کے بھی نماز باجماعت ہوتی ہے"۔ اتنا تکلیف دہ سفر آپ نے ایسی حالت میں کیا جبکہ آپ بہت معذور ہو چکے تھے۔ مگر دین اسلام کی تڑپ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنی تکالیف کا کوئی احساس تک نہیں کیا۔ اور سفر کی صعوبتیں جھیل کر اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متحد و متفق کیا۔ یہی وہ مقدس افراد تھے جن کے قلوب میں دین اسلام کی سچی لگن تھی۔ وہ پاک باز لوگ قوم کو آپس میں الجھا کر اقتدار حاصل نہیں کرتے تھے۔ ان اللہ والوں کی زندگی تو اس لئے تھی کہ لوگوں میں اتفاق ہو، اتحاد ہو، یکجہتی ہو، اور مسلمان قوم بنیانٌ مرصوص ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا مکمل نمونہ ہو۔ مسائلِ دینیہ میں ان میں کوئی اختلاف اور تفرقہ نہ ہو۔ آپ کے اسی جذبہ صادق کے صدقہ میں اُمتِ محمدیہ ایک عظیم افتراق و تشتت سے بچ گئی۔ ورنہ بعد میں صرف لس قبع سبابہ اور نسوار کے مسائل پر کیا کچھ نہیں ہوا۔ ایک تاریخ کے طالب علم سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ نیز آج کل بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ قسما قسم نازک مسائل کو چھیڑ کر علماء ملتِ اسلامیہ پاکستان کو باہم لڑا رہے ہیں اور

سادہ لوح مسلمانوں کو بھلا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہے ہیں۔ یہ علماء کیوں آپس میں بیٹھ کر ان مسائل کو حل نہیں کرتے، تاکہ اُمتِ اسلامیہ اس تشتت و افتراق سے نجات حاصل کرے۔ کتنے برگزیدہ اِنسان تھے وُہ جو خود تکلیف اُٹھا کر اُمتِ محمدیہؐ میں اِتحاد و اتفاق پیدا کرتے تھے۔

آپ بڑے متوکل تھے۔ کبھی بھی کسی امیر یا صاحب وجاہت کے ہاں تشریف نہیں لے گئے۔ بلکہ ہمیشہ ارشاد فرمایا کرتے کہ اِس فقیر کو ایک اللہ تعالیٰ کا در کافی ہے۔" اسی لئے اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ضروریات کو پورا فرماتا۔ نور محمدؐ زرگر بیان کرتا ہے کہ ایک دن آپ مراقبہ کر رہے تھے کہ گھر سے جواب آیا۔ "حضرت آج گھر میں ہر چیز ختم ہے"۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں"۔ اِس کارسازِ حقیقی نے اسی وقت کارسازی فرمائی اور چند منٹوں کے بعد ایک شخص آکر پوچھتا ہے کہ "آغا پیر جان کون ہے"۔ بیٹھے ہوئے افراد نے آپ کا تعارف کروایا۔ اس شخص نے آپ کی خدمت میں ایک بیش قیمت گھوڑا اور ایک رومال جس میں تقریباً دو سو روپیہ تھا پیش کیا اور رخصت ہو گیا۔ آپ نے اپنے احباب کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ

"تم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی عمدہ مہمانداری فرمائی"۔

آپ سے اِتنی کثرت سے کرامات کا صدور ہوا اور مکشوفات ہوئے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے۔ آپ نے ہمیشہ کرامات کو چھپایا اور کبھی بھی ظاہر ہونے نہیں دیا، اور دینِ مبین پر استقامت فرما رہے۔

الحاج[1] ملک محمد زرین صاحب بیان کرتے تھے کہ ہمیشہ دریائے باڑہ میں سیلاب

---

[1] حاجی صاحب مرحوم تحصیل نوشہرہ میں موضع بانڈہ ملا خان کے رہنے والے تھے۔ نیک سیرت اِنسان تھے۔
(بقیہ صفحہ ۱۴۶ ملاحظہ فرمائیں)

آتا، اور تباہی و بربادی مچا دیتا۔ یہاں تک کہ ہماری زمینوں کو بھی خراب کر کے گاؤں کو منہدم کر دیتا جس کی وجہ سے ہم گاؤں گاؤں پھرتے رہتے۔ میرے دادا صاحب نے جناب آغا پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سُنا تو وُہ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کا رونا رویا اور دُعا کی التجا کی، آپ نے اس کو تین مٹی کے ڈھیلے دم کر کے دیئے اور فرمایا کہ " اپنی زمین کی پُل پر کھڑے ہو کر دریائے باڑہ کی طرف یہ ڈھیلے پھینک دو۔ اِنشاء اللہ جس جگہ تک یہ ڈھیلے پہنچیں گے اس سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آئے گا" چنانچہ اس واقعہ کے بعد اب تک اس مقام سے آگے سیلاب کا پانی نہیں آیا۔ بڑے بڑے خطرناک سیلاب آئے۔ اِس گاؤں کے ساتھ کے گاؤں، کڑوی، زخی باندڑہ شیخ اسماعیل کو نقصان پہنچا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس گاؤں کو نقصان نہیں ہوتا۔

ایک بار آپ جوئے شیخ (شیخ کے کھٹہ) پیا اپنے دوستوں کے ساتھ "سَیر"[1] کے

حاجی صاحب ترنگ زئی مرحوم کے مُرید خاص تھے مشہور و معروف سیاسی کارکن تھے۔ صوبہ سرحد کی سیاسی زندگی میں آپ کی بہت کوشش رہی ہے۔ خدائی خدمت گار تحریک میں پیشرو تھے "افغان جرگہ" کی بنیاد رکھنے والے تھے۔ پھر تحریکِ پاکستان میں انتہائی گرم جوشی سے حصہ لیا، اور مسلم لیگ کے ساتھ افغان جرگہ کا الحاق آپ کا ہی رہینِ منت تھا۔ پشاور سے چکلہ کی لعنت کو دُور کرنے میں آپ نے ہر قسم کی قربانی دی۔ غرضیکہ آپ کی زندگی مسلسل دینی اور سیاسی جدوجہد سے بھرپور زندگی تھی۔ بعمر ۷۵ برس ۱۳۸۲ھ میں انتقال کیا۔

[1] "سَیر" پشاوری اصطلاح ہے۔ بہار یا گرمی کے دنوں میں دوست احباب جمع ہو کر کسی چشمہ یا نہر یا کسی تفریحی باغ میں چلے جاتے ہیں۔ اور تمام دن کھانے پینے اور نہانے میں گزار دیتے ہیں۔ اس کو "سیر" کہتے ہیں۔

لئے گئے۔ خورد و نوش کا انتظام کیا گیا۔ آپ کے ساتھ تقریباً ایک سو دوست احباب تھے۔ جس نے سُنا کہ آج آغا پیر جان کا "سَیر" ہے وہ جوئے شیخ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ کوئی آٹھ سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ کے باورچی نور محمد[۱] زرگر نے تقریباً سو آدمی کا کھانا تیار کیا تھا۔ آ کر عرض کیا کہ "جناب تقریباً آٹھ سو دوست احباب جمع ہیں۔ اور پچاس کے قریب فقیر درویش آ گئے ہیں، اور کھانا سو نفر کا ہے کیا بنے گا"۔ آپ نے تبسّم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ پورا کر دے گا۔ ہم فقیروں کا کارساز وُہی جل جلالہٗ ہے"۔

جب کھانے کا وقت آیا چند احباب اور بھی پہنچ گئے، آپ نے اپنے ہاتھ سے ان تمام مسکینوں اور فقیروں کو سب سے پہلے کھانا کھلایا، اور ان کے بعد اپنا رومال دیگ پر ڈال دیا، پھر تمام احباب کو کھانا کھلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اتنی برکت ڈالی کہ ہزار گیارہ سو آدمیوں نے سو آدمی کے لئے پکا ہوا کھانا کھا لیا جو بچ گیا وہ آپ نے اور آپ کے باورچی نور محمد زرگر نے کھایا۔ آپ نے باورچی کو کہا "میرے اللہ نے سب کو کھانا کھلا دیا۔ وُہی رزاق ہے، میں اور تم تو کام کرنے والے ہیں"۔

آپ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۳۱۵ھ بروز سہ شنبہ رات کے ½۱۲ بجے اُٹھے، غسل فرمایا۔ کپڑے بدلے۔ تسبیح لے کر مصلّے پر تشریف فرما ہوئے۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی۔ اپنے پوتے جناب آقا سیّد[۲] محمد زمان شاہ صاحب مرحوم کو بُلایا۔ بیعت کر کے تسبیح و مصلّے عطا فرمایا اور کہا کہ قرآن پڑھو، جب آقا سیّد محمد زمان شاہ صاحب نے

---

[۱] نور محمد زرگر آپ کا مُرید تھا۔ اور آپ کا کھانا وغیرہ پکاتا تھا۔ حاجی تاج محمد صاحب تاج جیولر چوک یادگار کا دادا تھا۔
[۲] اس وقت آپ کی عمر بارہ برس کی تھی اور آپ نے سورۂ بقرہ حفظ کر لی تھی۔

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو آپ نے اسم ذات کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور چند ساعت کے بعد ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے اِس جہانِ فانی سے آپ کی رُوح مبارکہ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کے انتقال کے وقت پشاور میں کہرام مچ گیا۔ تمام شہر بند ہو گیا۔ ہر محلہ سے ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے لوگ آپ کے مکان پر جمع ہو رہے تھے اور ہزارہا کی تعداد میں پشاور کے چاروں طرف سے دیہاتی لوگ اکھٹے ہو گئے۔ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر شخص کی زبان پر ذکرِ الٰہی جاری تھا۔ پشاور کے زرگروں نے آپ کے جنازے پر سونے اور چاندی کے پھول صدقہ کیے۔ شام کے قریب یہ آفتاب رشد و ہدایت اور ولایت مقبرہ حضرت سلطان العارفین سید حسن رحمۃ اللہ علیہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اِمامُ المُجاہدین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت عبدالغفور صاحب یعنی اَخون صاحب سوات

۱۲۰۹ھ تا ۱۲۹۵ھ

آپ کا اسمِ گرامی عبدالغفور صاحب لقب شیخ الاسلام اور اخون صاحب سوات کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مہمندوں کے قبیلہ صافی سے تعلق رکھتے تھے۔

"اخون" "اخوند" کا مرخم ہے یعنی اخوند کا لفظ زبان پر ثقیل تھا اِس لئے اخوند کے آخری حرف کو گرا دیا گیا۔ تو اخوند سے "اخون" بن گیا۔ یہ تورانی لفظ ہے اور بہت بڑے متبحر عالم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ آپ بھی عالمِ اجل اور شیخ الاسلام تھے۔ اس لئے آپ کو عام زبان میں اسی لقب کے ساتھ پکارا گیا۔

آپ کی پیدائش ۱۱۸۴ھ میں ہوئی۔ اِبتدائی عمر سے آپ کو دینی تعلیم کا شوق تھا۔ لہٰذا اپنے علاقہ ہی میں مختلف اساتذہ سے اِبتدائی تعلیم کر کے مزید تعلیم کے حصول کے لئے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں رہ کر آخر مردان سے پشاور پہنچے۔ پشاور میں آپ "گنج والے حافظ جی[۱] صاحب کی خدمت میں پہنچے اور تقریباً ۴ برس رہ کر سند

---

[۱] آپ کا اسمِ گرامی حافظ محمد عظیم تھا۔ آپ مسجد کلاں گنج کے خلیفہ مدرس اور امام تھے۔ آپ کے حالات پر الگ مضمون ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۷۵ھ میں ہوئی۔

فراغت حاصل کی چونکہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفیٔ کامل تھے اس لئے اپنے اُستاد کی صحبتِ بابرکت نے آپ کو بھی اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ کیا تحصیلِ علم کے بعد آپ فقراء کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت پشاور شہر میں جناب شاہ میاں غلام محمد صاحب المعروف حضرت جی صاحب یکہ توت والے کا بہت شہرہ تھا۔ اور حضرت اخون صاحب خود فرماتے ہیں کہ "حضرت جی صاحب سے ہزاروں لوگ آ آکر فیض حاصل کرتے تھے۔ مجھے آٹھ دن کے بعد آپ سے ملاقات کا موقعہ ملا۔ چنانچہ حضرت جی صاحب نے آپ کو فرمایا کہ میرے پاس تمھارے لئے فقر نہیں۔ مگر" اَستَغفِرُاللّٰہَ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الحَیُّ القَیُّومُ وَ اَتُوبُ اِلَیہِ "۔ پڑھا کرو[1]"۔ اسی طرح آپ مختلف فقراء اور مشائخ سے ملے۔ آخر آپ وہاں پہنچ گئے جہاں سے آپ کو فقر ملنا تھا۔ بقول ئے۔

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی آپ حضرت شیخ المشائخ صاحبزادہ محمد شعیب صاحب ساکن تورڈھیری کی خدمت میں پہنچ کر طریقۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ دریائے کابل اور دریائے سوات کے جنگلوں میں کافی عرصہ زہد و عبادت میں گذارا۔ جب سلسلۂ عُلّیہ قادریہ کے اسباق طریقت کو مکمل کر کے اپنے پیر و مُرشد کے حضور میں پہنچے۔ تو حضرت صاحبزادہ صاحب مرحوم نے آپ کو ہر چہار سلاسل یعنی قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں ماذون اور صاحبِ مجاز فرمایا۔

---

[1] یہ روایت حضرت شیخ صاحب شکر پورہ کی زبانی ہے۔ آپ حضرت سوات صاحب کے سلسلہ میں اعظم خلفاء سے تھے۔ آپ کی وفات بعمر تقریباً ۸۰ برس ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں ہوئی۔

صاحبِ مجاز ہونے کے بعد آپ نے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو اتباعِ سُنّت اور اوامر الٰہی کی مطابعت کی تبلیغ کرتے، عقدِ بیوگان کرواتے۔ لوگوں کو شرعی احکام کے مطابق عمل کرواتے اور اِن کے تمام جھگڑے شریعت کے مُطابق فیصلہ کرواتے۔ بدعات و رسوم بد سے لوگوں کو باز رکھتے، لنگر دیتے، جہاں جس سے ہزار ہا لوگ روٹی، کپڑا، زادِ راہ حاصل کرتے۔ آپ کی للٰہیت اور خلوص کو دیکھ کر جوق در جوق عوام آپ کی بیعت ہوئے اور آپ پر پروانہ وار قُربان ہوتے تھے۔ غرضیکہ آپ نے اس سلسلہ مبارکہ کی بہت اشاعت کی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ آپ کے نام سے موسوم ہو کر قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کا ایک خانوادہ مشہور ہو گیا اب آپ کا سلسلہ صرف صوبہ سرحد ہی نہیں، بلکہ کابل، ہرات، غزنی، ہندوستان اور عرب تک پھیل چکا تھا اور ہر جگہ آپ کے خلفاء مصروفِ تبلیغ تھے، اور اشاعت سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے۔

آپ نے اس زہد و تقویٰ، مشاہدہ و مُراقبہ، ذکر و فکر، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اور اشاعت سلسلہ کے ساتھ ساتھ "جہاد بالسیف" بھی کیا۔ نہایت ہی شجاعت ہمت اور استقلال کے ساتھ وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیئے جو رہتی دُنیا تک زندہ رہیں گے اور جن کی یاد ہمیشہ رہے گی۔ جب کبھی کوئی مؤرخ تاریخ مجاہدین سرحد لکھے گا تو وہ آپ کے جہادوں کو فراموش نہیں کرے گا اور نہ ہی کر سکتا ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

محدّثینِ ہندوستان کی جو جماعت حضرت سیّد احمد صاحب شہیدؒ کی زیرِ قیادت

ہندوستان سے روانہ ہوکر اس علاقہ میں سکھوں کے ساتھ لڑنے کے لئے آئی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مل کر پشاور سے سکھوں کو نکالا اور خوب بھاو کیا۔ اور سکھوں کے مظالم جبر و استبداد سے مسلمانوں کو نجات دلوائی۔ جب پشاور فتح ہوگیا تو محدثین نے اپنے عقائد و اعمال کو عملاً نافذ کرنا شروع کر دیا۔ جہاں تک بدعات، رسوماتِ بد، اور دیگر برائیوں کا تعلق تھا حضرت اخون صاحب سوات محدثین کے ساتھ ان تمام برائیوں کو ختم کرنے میں پیش پیش تھے۔ مگر جب عقائد کا مسئلہ آیا تو آپ ان سے الگ ہو گئے اور واضح طور پر ان کے عقائد کا رد کیا اور ان سے اختلاف کیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے محدثین کی اس تحریک کے سرگرم رُکن جناب حضرت مولانا مولوی سید امیر صاحب المعروف "کوٹہ ملا صاحب" اور ان کے متبعین پر "وہابی" کا حکم صادر کیا۔ مصنّف یوسف زئی پٹھان بھی اپنی کتاب "یوسف زئی پٹھان" کے صفحہ ۳۸۰ پر لکھتا ہے۔

"آخر میں یہ درج کر دینا بھی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا کہ جس وقت حضرت اخوند صاحب سوات تحریک مجاہدین کی اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت علاقہ صوابی کے موضع کوٹہ کے مشہور مذہبی رہنما حضرت سیّد امیر صاحب المعروف کوٹہ ملّا صاحب اِس تحریک کی حمایت میں تھے۔"

بلکہ آپ کے خلفاء نے آپ کی ایما پر ان عقائد کے خلاف مبسوط کتابیں لکھیں، ان میں حضرت مولانا مولوی مرید محی الدین صاحب لوشہروی اور پشاور شہر کے مشہور معروف علامہ اجل حضرت مولانا مولوی میاں نصیر احمد صاحب المعروف بہ میاں صاحب قصہ خوانی

خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں حضرت میاں صاحب قصہ خوانی نے تقویۃ الایمان مصنفہ
شاہ اسماعیل صاحب کا رد بنام "احقاقِ حق" عربی میں لکھا جس میں ان تمام عقائد کا
رد ہے جو کہ اہلِ سنت وجماعت کے عقائدِ حقہ کے خلاف ہیں۔

حضرت اخون صاحب پر ان واقعات کا اثر بہت بُرا پڑا اور آپ سوات
کی طرف چلے گئے۔ آپ نے سلسلہ کی اشاعت امر بالمعروف کو جاری رکھا۔
اور اسی طرح رسوماتِ بد اور بدعات کے خلاف عملاً کام کرتے رہے۔ نیز آپ نے
اس تمام علاقہ کے قبائیلیوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی مومنانہ فراست نے
وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو پیش آنے والا تھا۔ مجاہدین کی تحریک کی ناکامی سکھوں
کا اس علاقہ سے نکل جانا۔ ملکوں اور خوانین کی خانہ جنگی یہ سب ایسے اسباب تھے جن
کی وجہ سے انگریز نے اپنی شیطانت کی چالوں سے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا۔ آپ جانتے
تھے کہ اگر یہاں یعنی سوات میں تنظیم نہ ہوئی اتحاد نہ ہوا۔ کوئی امیر نہ ہوا تو فرنگی کا مقابلہ
نہیں ہو سکتا۔ آپ کی شبانہ روز مسلسل کوشش وسعی سے سوات کے لوگوں نے
اپنا بادشاہ سیّد اکبر شاہ[1] کو بنا لیا۔ اگرچہ لوگ آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت
امارت کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے سیّد موصوف کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حضرت
اخون صاحب سوات کو شیخ الاسلام بنایا گیا

تمام مقدمات تنازع اور جھگڑے آپ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فیصلے
فرماتے۔ آپ کی انتھک کوشش سے سوات میں امن قائم ہو گیا اور ہر طرف

---

[1] سیّد اکبر شاہ، حضرت غوث خراسان سیّد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔

سُنّتِ نبوی کی اشاعت ہونے لگی۔ "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" عملاً ہونے لگا۔ تقریباً سات برس تک سیّد اکبر شاہ نے حکومت کی اور ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو وفات پائی۔ سیّد صاحب کی وفات کے بعد سوات اور بنیر پر خانہ جنگی شروع ہو گئی اور وہ وطن جو سات برس تک امن و امان کا گہوارہ تھا جہنم زار بن گیا۔ حضرت اخون صاحب اس تباہی و بربادی اور اختلاف و انتشار کو دیکھ کر بہت پریشان اور مشوش ہوئے۔ اِدھر انگریزوں کی سازشیں اور چالیں کہ یہ لوگ اور زیادہ کمزور ہو جائیں آپس میں لڑیں تاکہ ہمارے زیرِ نگیں اور ماتحت ہو جائیں۔ آپ کے لئے اور زیادہ دُکھ کا سبب تھا۔ انگریزوں نے اس افتراق و تشتّت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سوات کا رُخ کیا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اپنے تمام متعلقین، مُریدین اور قبائلیوں کو لے کر میدانِ جہاد میں نکلے۔ اِس جہاد کا نام "امبیلہ" کی جہاد مشہور ہے۔ انگریزوں نے دیکھا کہ سوات اور بنیر وغیرہ علاقوں کا اتّحاد ہے تو ان میں پھوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حضرت اخون صاحب انگریزوں کی شرارت کو سمجھ گئے انھوں نے بنیر کے لوگوں کو خصوصاً اور تمام لوگوں کو عموماً وعظ و نصیحت کی، سمجھایا۔ اور حملہ کے لئے تیار کیا۔ آپ کے ارشادات کا بہت زیادہ اثر ہُوا۔ لوگوں میں جوشِ جہاد پیدا ہوا اور شوقِ شہادت ہر ایک کو میدانِ جہاد کی طرف کھینچ لایا۔ چنانچہ نہایت ہی بے جگری کے ساتھ مجاہدینِ اسلام نے انگریزوں پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ دست بدست لڑائی کی بھی نوبت آئی مجبوراً فرنگیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ چند دنوں کے بعد حضرت صاحب نے مجاہدین کو لے کر کڑاکڑ کے مورچے پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی بڑی ہیبتناک تھی۔ مجاہدین انگریزوں کی فوج کی صفوں

میں گھس گئے اور دست بدست لڑائی کی اور یہ مورچہ فتح کرلیا۔ اِس مقام پر بہت قتل مقاتلہ ہُوا۔ اِس لئے اِس جگہ کا نام ہی "قتل گڑھ" پڑگیا۔ چند دن ٹھہر کر انگریزوں نے پھر لڑنے کا بندوبست کیا، اور ایک بہت مدبّر انگریز افسر کو کمان دے کر بھاری فوج کو میدانِ جنگ میں بھیج دیا۔ ادھر حضرت اخوند صاحب نے بھی مجاہدین کی صفوں کو ترتیب دیا۔ لڑائی ہُوئی مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ مجاہدین کے حق میں نہ نکلا۔ باجوڑ وغیرہ کے لوگ واپس ہونے لگے۔ مجاہدین میں بد دلی پیدا ہُوئی۔ مگر آپ ایک مقام پر کھڑے ہو گئے اور جو لوگ لڑائی سے واپس جا رہے تھے اُن کو روکا، اور فرمایا کہ آج زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اسلام کی عزت اور بے عزّتی کا مسئلہ ہے۔ دُشمن کا مقابلہ جوانمردی، ہمّت اور شجاعت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ آپ کی تقریر ہمیشہ کے لئے تاثیر سے بھری ہُوئی ہوتی تھی۔ اس دفعہ بھی آپ کی تقریر سے بہت اچھا اثر ہُوا۔ اور مجاہدین پھر کمر ہمّت باندھ کر میدانِ جہاد میں کُود پڑے۔ انگریزوں نے اپنی سازش اور پالیسی کے مطابق چند خوانین کو خرید کر مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے نہایت ہی پختہ عزم اور استقلال کے ساتھ دشمن کا مُقابلہ کیا۔ مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔ مجاہدین منتشر ہو گئے اور آپ خود سیدو تشریف لے گئے۔ امر بالمعروف اور سلسلہ کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ قوم و ریاست کے تمام جھگڑے خود فیصلہ کرتے یا علماء سے کرواتے۔ عرب و عجم میں آپ کے مُریدین لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ کابل، علاقہ آزاد قبائل اور صوبہ سرحد کا تو تمام علاقہ آپ ہی کے سلسلہ میں منسلک ہے۔ اور آج جو طور طریقہ اس علاقہ میں اسلام کا نظر آ رہا ہے یہ سب آپ ہی کی کوششوں اور مساعیِ جمیلہ کا مرہونِ منّت ہے۔ تقریباً آپ کے ساڑھے چار سو کے قریب خلفاء

تھے جو صاحبِ علم و عمل، اور صاحبِ تلوار بھی تھے۔ آپ کے وہ خلفاء جو آزاد قبائل میں رہتے تھے تمام عمر جہاد کرتے رہے۔

آپ کا لنگر عام تھا۔ ہر ایک کو باقاعدہ روٹی اور سالن ملتا۔ کوئی تفریق یا امتیاز نہ تھا۔ طالبانِ علم کو آپ کپڑا اور نقدی بھی مرحمت فرماتے۔ سادات کی بڑی قدر و منزلت کرتے۔ نادار اور یتیم لڑکیوں کی اپنی گرہ سے شادی کرواتے۔ غرضیکہ جو بھی آپ کے پاس حاجت مند آتا۔ بامراد لوٹتا۔

آپ کے مکشوفات اور کرامات بے عدو بے حساب ہیں۔ چونکہ آپ مقامِ غوثیت پر فائز تھے اس لئے آپ سے کرامات کا صدور امرِ واقعی تھا۔ اگر آپ کی کرامات اور مکشوفات کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ تبرکاً آپ کی ایک کرامت درج کرتا ہوں ورنہ آپ کی کرامات کا اس جگہ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ آپ کا وجودِ مبارک ایک زندہ کرامت تھا اور اس وقت بھی سالکانِ طریقت کے لئے مشعلِ راہ ہدایت ہے۔

جناب حضرت شیخ دین محمد صاحب المعروف شیخ صاحب شنکرپورہ[۱] فرماتے تھے کہ مجھے میرے شیخ یعنی حضرت ہڈہ ملّا صاحب نے فرمایا تھا کہ ایک بار آپ سے پوچھا گیا۔ کہ "غوث" کی کیا شناخت ہے۔ حضرت اخون صاحب سوات نے فرمایا کہ اس کوٹھے کی چھت میں جو لکڑیاں پڑی ہوئی ہیں اگر غوث کہہ دے کہ یہ ایک لکڑی سونے

---

[۱] پشاور سے ہشتنگر روڈ پر دس میل دور، دریائے شاہ عالم پر یہ گاؤں ہے۔ شیخ صاحب مرحوم کا مزار وہاں پر واقع ہے۔ آپ ہندو تھے۔ حضرت ہڈہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ بیعت ہو کر صاحبِ مجاز ہوئے۔ صاحبِ کرامت تھے۔

کی ہے اور ایک لکڑی چاندی کی تو ایسے ہی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ہڈہ ملا صاحب نے فرمایا کہ جب ہم نے چھت کی طرف دیکھا تو ایسے ہی تھا یعنی ایک لکڑی سونے کی تھی اور ایک چاندی کی۔ مگر فوراً آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ کہہ دے کہ یہ لکڑیاں ہی ہیں تو وہ لکڑیاں ہو جاتی ہیں۔ ہڈہ حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم نے دیکھا تو وہ لکڑیاں ہی تھیں۔ جناب شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ہڈہ ملا صاحب نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم سمجھ گئے کہ آنجناب مقام غوثیت پر فائز ہیں۔

حضرت اخون صاحب سوات کے دو فرزند بنام عبدالحنان میاں گل اور عبدالخالق میاں گل تھے، موجودہ بادشاہ سوات عبدالخالق میاں گل صاحب کے فرزند ارجمند عالی مرتبت میاں گل عبدالودود صاحب ہیں۔ آپ نے خود بنفسِ نفیس اپنی حکومت ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء میں اپنے بیٹے شہزادہ محمد عبدالحق جہاں زیب خان کو عطا کر دی، حکومتِ پاکستان نے والیٔ سوات کو میجر جنرل کا اعزاز دیا۔

حضرت اخون صاحب مجاہدِ اسلام پیکرِ عزم و استقلال، مجسمۂ سنّتِ نبوی، سرشارِ عشق لم یزلی سرگروہ سلسلہ قادریہ زاہدیہ غوثِ وقت، حضرت عبدالغفور صاحب ۷ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۷۸ء بروز پیر واصل بحق ہوئے اور سیدو شریف میں دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار پہ ہزاروں زائر آکر حسبِ توفیق فیض حاصل کرتے ہیں۔

مولینا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاوری

سنہ ۱۲۱۴ھ تا سنہ ۱۲۹۷ھ

آپ کا اسم گرامی قاضی طلا، محمد صاحب اور طلا تخلص فرماتے۔ والد کا اسم گرامی قاضی محمد حسن اور "خان علماء" لقب تھا۔

خاندان آپ کا مورثِ اعلیٰ اخوند ترکمان بن تاج خان مغلیہ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہدِ سلطنت میں جنوب مشرقی قندھار کے غوزڑہ مرغہ مقام سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام امازئی آکر آباد ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عالمانہ گھرانہ تھا۔ اس لئے اس علاقہ میں بھی اسی صفت کی وجہ سے اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

محمد غوث اخوند ترکمان صاحبِ علم و فضل تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے لڑکے محمد غوث کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اپنے لڑکے کو علم و عمل سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد غوث صاحب اپنے وقت کے "علامہ" کہلائے۔

جناب محمد غوث صاحب صرف شریعتِ اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ طریقتِ محمدیہ

مولینا مولوی قاضی طلا محمد صاحب طلا پشاوری

۱۲۱۴ھ تا ۱۲۹۷ھ

آپ کا اسم گرامی قاضی طلا، محمد صاحب اور طلاؔ تخلص فرماتے۔ والد کا اسم گرامی قاضی محمد حسن اور "خان علماء" لقب تھا۔

خاندان آپ کا مورث اعلیٰ اخوند ترکمان بن تاج خان مغلیہ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سلطنت میں جنوب مشرقی قندھار کے غوزڑہ مرغہ مقام سے پشاور کے علاقہ یوسف زئی میں بمقام امازئی آکر آباد ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عالمانہ گھرانہ تھا۔ اس لئے اس علاقہ میں بھی اسی صفت کی وجہ سے اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

محمد غوث اخوند ترکمان صاحب علم و فضل تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے لڑکے محمد غوث کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اپنے لڑکے کو علم و عمل سے آراستہ و پیراستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد غوث صاحب اپنے وقت کے "علامہ" کہلائے۔

جناب محمد غوث صاحب صرف شریعت اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ طریقت محمدیہ

کے بھی امام تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب پشاوری ثم لاہوری کے صاحب مجاز خلیفہ تھے۔ آقا عبدالحی حبیبی[1] لکھتے ہیں۔

"کہ فرزند وے اخوند محمد غوث بعد از سنہ ۱۱۶۰ھ از طرف (لوئے بابا) احمد شاہ ابدالی قاضی پشاور مقرر شد و خانوادۂ قاضی خیلان پشاور از نسل وے بند۔"

یعنی اخوند ترکمان کا بیٹا اخوند محمد غوث سنہ ۱۱۶۰ھ کے بعد (لوئے بابا) احمد شاہ ابدالی کے حکم سے پشاور شہر کا قاضی مقرر کیا گیا۔ نیز موجودہ خاندانِ قاضی خیلان انہی کی نسل سے ہے۔ صاحب تعلیقات نے لکھا۔ "آپ علم معقول اور منقول میں حاجی محمد سعید واعظ کے شاگرد تھے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ چنانچہ میرِ کلاں پر حاشیہ لکھا اور بقول آقا حبیبی ایک کتاب "شرح الشرح" لکھی جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب لوئے بابا احمد شاہ ابدالی نے تصوف کے اسرار و رموز پر نثر میں لکھی تھی۔ پھر خود لوئے بابا کے کہنے پر آپ نے اُس کی یہ شرح لکھی اور اِنہی کے نام پر معنون کی۔

آپ صاحبِ کرامت مستجاب الدعوات اور نہایت ہی حق گو اور نڈر تھے۔ مفتی غلام سرور صاحب لاہوری فرماتے ہیں کہ جس وقت نادر شاہ بادشاہ ہندستان پر حملہ آور ہونے کی نیت سے پشاور پہنچا تو نیک لوگوں سے طالبِ دُعا ہُوا اسے معلوم ہوا کہ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بزرگ ہیں ان سے دُعا

---

[1] تعلیقات بر تازہ نوائے معارک ص ۸۳۵ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی۔

کروائی جائے۔ اُس نے لاہور حکم نامہ لکھا کہ حضرت شاہ محمد غوث صاحب پشاور آئیں۔ مگر آپ نے حکم نامے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ جس وقت لاہور پہنچوں گا سب سے پہلے حضرت شاہ محمد غوث صاحب کو گرفتار کر کے حکم عدولی کی سزا دوں گا۔ اس کے بعد دہلی کا رُخ کروں گا۔ جب دریائے اٹک کے کنارے پر نادر شاہ پہنچا تو طوفان اور سیلاب کی وجہ سے دریا عبور نہ کر سکا۔ آخر سمجھ گیا کہ یہ کوئی ناگہانی آفت ہے۔

"آخر ناچار شد و برائے استمداد و دعا بخدمت محمد غوث کہ مُرید شاہ محمد غوث بود شخصے فرستاد۔"

یعنی مجبور ہو کر طلبِ مدد اور دُعا کے لئے (پشاور میں) حضرت محمد غوث کی خدمت بابرکت میں آدمی بھیجا اور یہ صاحب حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے مُرید تھے۔ مگر آپ نے کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا!

"ایں ہمہ توقف از شامتِ ارادۂ بد بادشاہ است کہ نسبت سید محمد غوث اندیشیدہ است۔ اگر شاہ ازاں ارادۂ بد باز آید ممکن است کہ از آبِ دریا عبور نماید۔"

یہ رکاوٹ بادشاہ کے اس برے ارادہ کی وجہ سے ہے کہ جو اس نے حضرت سید شاہ محمد غوث صاحب کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ اگر بادشاہ اِس بُرے ارادہ سے باز آجائے تو ممکن ہے کہ دریا کو عبور کر لے[۱]۔

---

[۱] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۱۸۸-۱۸۹

مجھے میرے دادا صاحب جناب آقا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جس وقت بادشاہ پشاور سے روانہ ہوا تو اُس وقت ہی قاضی صاحب نے فرما دیا تھا کہ انشاء اللہ جب تک یہ توبہ نہیں کرے گا، اٹک سے اِدھر نہیں ہو سکے گا۔ اور یہی آپ کی قبولیتِ دُعا کا اثر تھا کہ بادشاہ نے جب تک توبہ نہ کی اٹک کو عبور نہ کر سکا۔

قاضی محمد حسنؒ خان عُلماء

قاضی محمد غوث صاحب کے دو بیٹے تھے۔ قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی داد اللہ، دونوں عالم فاضل تھے۔ قاضی محمد اکبر شاہ کے ایک فرزند قاضی محمد حسن تھے۔ یہ بڑے عالم و فاضل تھے۔ تعلیقات لوائے معارک میں آقائی حبیبی لکھتا ہے[۱]۔

" مرد علم و سیاست بود کہ بدربار بادشاہ شجاع مرتبت بزرگے داشت و محل اعتماد تمام آں بادشاہ گشت، و لقب "خان علماء" یافت۔

یعنی یہ شخصیت صاحبِ علم و سیاست تھی اور بادشاہ شجاع کے دربار بلند مرتبہ کا مالک تھا اور بادشاہ کا اِس پر کلی اعتماد تھا۔ نیز "خان علماء" کے لقب سے ملقب ہُوا۔

تاریخ کے مُطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ "خان علماء" نے اپنا سارا وقت شاہ شجاع کے ساتھ لدھیانہ، سندھ، پشاور اور قندھار میں گذارا بحیثیت، پیش امام، سفیر اور مدار المہام کے رہا۔

قاضی طلا محمد طلاؔ پشاوری

قاضی محمد حسن صاحب "خان علماء" کے تین فرزند تھے۔ قاضی فضل قادر صاحب، قاضی غلام قادر

۱؎ صہ ۸۳۲

صاحب اور قاضی طلا محمد صاحب ، قاضی غلام قادر اور فضل قادر عالم ہونے کے باوجود ایک بلند پایہ سیاسی ذہنیت رکھتے تھے۔ دُرانیوں کے زوال کے بعد انگریزوں سے ان ہر دو بھائیوں کے تعلقات بہت استوار تھے اور فرنگیوں کے معتمد علیہ تھے۔

قاضی طلا محمد صاحب طلاؔ "خان علما" کے تیسرے فرزند تھے۔ اُنھوں نے اپنی ساری زندگی پشاور میں ہی بالکل سیاست سے الگ تھلگ رہ کر بسر کی، حکمرانوں کی قُربت سے پرہیز کیا۔

آپ صاحب اخلاقِ حمیدہ اور مالک فضائل شریفہ تھے۔ اپنے تمام ہمعصر علمائ کے ساتھ آپ کے بہت ہی پسندیدہ تعلّقات تھے۔ پشاور شہر کے علماء کی تاریخ ہائے وفات آپ نے لکھیں، باوجود آزاد مسلک ہونے کے مشائخ پشاور اور سوات کے ساتھ آپ کو عقیدت، محبت اور اخلاص تھا، اور مشائخانِ سوات کے سلسلہ ہائے طریقہ کو نظم کیا۔

آپ نے اپنی تمام عمر علم و ادب کی خدمت میں گذاری، علم حدیث فقہ منطق اور ادب کی کتابوں کو بمعہ حواشی مفیدہ کے چھپوائے جو کہ اس وقت ایک نہایت ہی اہم دینی خدمت تھی۔ آپ کی تعریف و توصیف آقا عبدالحی حبیبی ان الفاظ میں کرتا ہے

"کہ در علوم عربیہ و ادب عربی و فارسی و در حسن خط و انشاء و شعر ہر دو زبان آیتی بود۔"

یعنی علوم عربی، عربی فارسی ادب، بہترین خط و انشاء اور شعر میں (عربی فارسی) ہر دو زبانوں میں حجت تھے۔" قاضی صاحب مسلکاً " آزاد خیال اہلِ حدیث تھے۔ سرداران کابل اور خصوصاً سردار غلام محمد خان صاحب طرزی افغان کے ساتھ آپ کی

عالمانہ اور ادبیانہ خط و کتابت رہتی۔ بقول صاحب تعلیمات برنوائے معارک آپ کی یادگار آٹھ کتابیں ہیں۔

(۱) دیوانِ فارسی

(۲) دیوانِ عربی

(۳) جواہر النظر

(۴) صلوٰۃ التقریر فی ترجمۃ التحریر

(۵) نفحۃ المسک

(۶) تسلیۃ العقوق فی تحطئۃ الفضول

(۷) حلواۃ الکئیب لمن لا یحضرہ الحبیب

(۸) قصیدہ بائیہ عربی در عمل بالحدیث

ایک کتابچہ چند قصائد اور منظوم شجرہ ہائے طریقت پر مشتمل ہے۔
غالباً آپ کی وفات ۱۲۹۷ھ یا ۱۲۹۸ھ میں واقع ہوئی۔

حضرت آغا میر جانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قلندر

۱۲۱۷ھ تا ۱۳۰۰ھ

آپ کا اسم شریف آغا میر جانی شاہ صاحب، لقب قلندر۔ والد کا نام سید نجم الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کے والد معروف بزرگ اور ولی اللہ تھے مستجاب الدعوات تھے۔ مرجع خلائق تھے۔ آپ کا مزار سنٹرل جیل پشاور کی چار دیواری کے اندر آگیا ہے۔ یہ جگہ پہلے میدان تھی۔ جہاں اب سنٹرل جیل واقع ہے۔ آپ بخاری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

آغا میر جانی شاہ صاحب کے ایک چچا تھے جن کا مزار ضلع جہلم (پنجاب) موضع کانسی ملال میں ہے ان کا اسم سید شاہ صاحب تھا۔ آپ کے دوسرے چچا سید محمد شاہ صاحب تھے جن کا مزار پشاور چھاؤنی میں مال روڈ پر وزیر اعلیٰ کے بنگلہ کے پیچھے واقع ہے۔

آپ مجذوب الحال تھے۔ ایک سیاہ کمبل اوڑھے رہتے تھے۔ پشاور شہر کے لوگ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت بھی پشاور شہر کے بہت بڑے عالم اور علامہ عصر میاں صاحب آسیائی یعنی میاں غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ادھر سے گزرتے تو آپ کے مکان سے دور گھوڑے سے اتر جاتے اور فرماتے کہ آگے قلندر بادشاہ کا

گھر ہے، ادب کرو۔ ادھر آپ فرماتے کہ چرس وغیرہ کی چلم وغیرہ ہٹا دو کہ علم کا بادشاہ آرہا ہے۔ اور آپ ان کو ملنے اپنے حجرہ سے باہر نکل آتے۔

آپ کا سلسلۂ طریقت حضرت بری امام عبداللطیف قلندر نورپور شاہاں راولپنڈی سے ملتا ہے۔ اسی لئے شریعت کی پابندی آپ بہت کم کرتے۔ طوائفوں کا گانا خوب سنتے، اور بری امام عبداللطیف کی ڈالی کے تمام مراسم آپ ادا کرتے اور اب تک آپ کی صاحبزادی کی اولاد وہ سب مراسم ادا کرتی ہے۔

آپ والد کی طرح صاحب اللفظ اور مستجاب الدعوات تھے، جو فرماتے اسی طرح ہو جاتا۔ آپ کی کرامات اور خرق عادات عام طور پر زبان زد خلائق ہیں۔ آپ کا ایک مرید تھا جس کا نام سائیں کالا تھا۔ پشاور کے قریب ایک گاؤں ہے ڈھیری باغبانان اس کا رہنے والا تھا۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کمبل اوڑھے جذب وشوق کے عالم میں اس کی طرف چلے جاتے تھے۔ ایک دن جب آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے تو بہت ہی خفا بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ سائیں کالا آج خفا کیوں ہو اور ایک دو سنا بھی دیں۔ اُس نے ادب سے عرض کیا کہ حضور میری زمین کے ساتھ ہی ایک زمین ہے اور مالک اس کو فروخت کر رہا ہے۔ میرا ایک خاندانی دشمن ہے وہ یہ زمین خریدنا چاہتا ہے۔ اگر اُس نے یہ زمین خریدلی تو میری زندگی تلخ ہو گی۔ ہر وقت کا فساد اور پھر قتل مقاتلہ تک نوبت پہنچے گی۔ میں نے بہت کوشش کی مگر رقم مہیا نہ ہو سکی کہ میں خود لے لیتا۔ بس یہی پریشانی اور خلجان ہے۔ آپ جوش میں آ گئے اور حسب عادت شریف اس کو کہا کہ او جلانے جا اور اس کنوئیں سے میرے لئے پانی لا۔ وہ شخص گیا اور جب اُس شخص نے پانی سے پیالا بھرا تو اُس نے

دیکھا کہ کیٹھے میں پونڈ بہہ رہے ہیں۔ وہ مارے خوشی کے پھول گیا۔ اور پونڈ بٹورنے لگا۔ آپ نے آواز دی او فلانے جتنی ضرورت ہے لے لے۔ زیادہ نہ اُٹھانا۔ اُس نے حسبِ ضرورت پونڈ لے لئے اور زمین خرید لی۔

اِسی طرح کی سینکڑوں کرامات آپ سے سرزد ہوئیں۔ جن کی وجہ سے ہر وقت مخلوق کا جمگھٹ آپ کے گرد رہتا۔ مگر آپ کسی کی پرواہ نہ کرتے اور اپنے جذب و شوق میں مست رہتے۔

آپ کی وفات پر تمام پشاور نے غم کیا۔ اور آپ کا مزار یکہ توت دروازہ کے باہر بنایا گیا آج تک سینکڑوں لوگ حاضر ہوتے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔

اس وقت آپ کی اولاد سے آغا سیّد گوہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین ہیں۔ بہت ہی ملنسار متواضع منکسر المزاج اور صاحب وقار ہیں۔ سلسلہ کی اشاعت کرتے ہیں۔

شیخ العلماء حضرت میاں نصیر احمد صاحب المعروف میاں صاحب قصہ خوانی

۱۲۲۸ھ تا ۱۳۰۸ھ

آپ کا اسم گرامی میاں نصیر احمد، لقب شیخ العلماء، استاذ الاساتذہ، عالمِ قرآن و سُنّت، المشہور میاں صاحب قصہ خوانی ہے اور قطب شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

آپ کے والد گرامی کا نام میاں غلام محمد صاحب اور صوفی تخلّص تھا جناب میاں غلام محمد صاحب عالم و فاضل ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے مرثیہ گوئی میں نہایت ہی موزوں طبع رکھتے تھے۔ آپ کے علم پر آپ کی شاعری غالب ہو گئی تھی۔ اسی لئے آپ کی شہرت بحیثیت شاعر کے زیادہ ہے۔

آپ کے فرزندِ ارجمند الحاج میاں نصیر احمد صاحب نے صوبہ سرحد کے علماء سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ اپنے وقت کے علامۂ اجل فاضلِ اکمل مفسرِ قرآن، شارحِ حدیث حضرت مولانا مولوی محمد احسن[1] صاحب پشاوری سے سند فراغت حاصل کر کے

---

[1] حضرت مفتی محمد احسن صاحب پشاور میں علاقہ گنج کے کوٹلہ رشید خان کے محلہ میں رہتے تھے۔ آپ کی تصنیف کے ساتھ بہت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر علماء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ بلکہ بلخ بخارا اور غزنی تک آپ کے شاگرد ہیں۔ ۸ر شعبان المعظم ۱۲۸۳ھ بروز ہفتہ انتقال ہوا۔

مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے تبحرِ علمی کا شہرہ سن کر دُور دراز سے طلبا آنے لگے۔ اور آپ کے وجود نے ایک مرکزِ علم کی حیثیت حاصل کر لی۔ آپ کے درس میں کابل، بلخ اور بخارا تک کے طالبانِ علم موجود تھے۔ فارغ التحصیل علماء آپ سے اکتساب علوم کرتے۔ پشاور شہر میں آپ نے ایک جامع مسجد تعمیر کروائی، یہ مسجد تبلیغ و تدریس کا مرکز تھی۔ اِس مسجد کا نام ہی آپ کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی "مسجد میاں صاحب قصہ خوانی" الحمدللہ کہ اسی طرح یہ مسجد عقائدِ حقہ اہلِ سنت و جماعت کی تبلیغ کا مرکز ہے اور حضرت صاحب کے وقت سے لے کر اب تک اس مسجد سے احیاء دین ہو رہا ہے اور اسی طرح قرآن و حدیث کا درس جاری ہے۔

آپ نے بہت کتابوں پر تبصرے لکھے۔ کافی کتابوں کی تصحیح کی۔ حواشی لکھے، اور عقائدِ باطلہ پر کتابیں لکھیں۔ منح الباری شرح صحیح البخاری پارۂ اوّل مُصنّفہ، حافظ دراز صاحب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کر کے چھپوائی۔ "اسرار الطریقت" مصنفہ قطب العالم سیّد شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری کی تصحیح کی اور شائع کی۔ "اسماء الحسنیٰ" کی شرح فارسی میں لکھی۔ علمِ نحو کی مشہور کتاب "کافیہ" کی مکمل ترکیب لکھی۔ "شاطبی" پر حواشی لکھے، اور غیر مقلدین کے رد میں عربی میں ایک مستقل کتاب مسمی بہ "احقاق الحق" لکھی جس میں تفصیل کے ساتھ اس فرقہ کا رد فرمایا ہے۔

آپ کے کتب خانہ میں تقریباً چھ ہزار کتابیں تھیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حضرت میاں صاحب کے ویسے تو ہزاروں شاگرد تھے۔ مگر اس جگہ چند گرامی قدر حضرات کے اسماء لکھتا ہوں۔ جو اپنے اپنے فنون کے امام تھے۔ افسوس کہ آج ہم صرف

ان کے ناموں سے واقف ہیں۔ مگر ان کی تاریخ سے قطعاً بے بہرہ ہیں جناب ملا منصور صاحب معقولی، جناب حافظ سربلند صاحب، جناب قاضی صاحب بڈھنی (جن کی فقاہت کا سکہ صوبہ سرحد میں بیٹھا ہوا ہے اور آپ کا فتویٰ جاری ہے) جناب حافظ صاحب بدھائی۔ جناب مفتی عظیم اللہ صاحب۔ جناب قاضی سراج الدین صاحب جناب مفتی صاحبزادہ شکر دین صاحب معقولی۔ اُستاذِ کل حضرت پیر علی شاہ صاحب ڈھکی نعلبندی۔ حضرت شیخ المشائخ الحاج آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی، جناب خان بہادر کریم بخش صاحب سیٹھی، وغیرہ وغیرہ ان میں سے ہر صاحب علوم متداولہ میں مکمل گذرے ہیں۔ صوبہ سرحد میں دینِ اسلام کے روشن اور جگمگاتے ستارے تھے۔ کوئی قرآن، حدیث اور فقہ میں خصوصیت رکھتا تھا تو کوئی عرفانِ الٰہی اور سلوک و تصوف کا حامل تھا۔ تو کوئی علومِ عقلیہ و نقلیہ میں یکتائے وقت تھا۔ اور آج تک ان کے فیض یافتہ اور شاگرد ہمت و استقلال کے ساتھ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ میں تحقیقِ حق کا جذبہ صادقہ اپنی نرالی شان رکھتا تھا۔ معاصر علماء کے اختلاف کو آمنے سامنے بیٹھ کر تحقیق فرماتے۔

ایک بار علماء سوات نے بسرکردگی شیخ الاسلام والمسلمین حضرت اخوند صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کہ بغیر محراب کے جماعت نہیں ہوتی، یہ مسئلہ پشاور پہنچا آپ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ یہاں سے شیخ المشائخ حضرت آقا پیر جان صاحب قادری حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی۔ مولینا مولوی سراج الدین لاہوری کو ساتھ لے کر تحقیق حق کے لئے سوات تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین باباجی صاحب سوات کے ہاں قیام کیا اور مسلسل تین دن تک ان علماء سے گفتگو ہوئی۔

تحقیق حق کی گئی اور پہلے فتویٰ پر نظرِ ثانی کرنے کے بعد دوبارہ شریعتِ محمدیہ کے مطابق فتویٰ دیا گیا۔ جناب حضرت اخوند صاحب سوات نے ان صاحبان کی بڑی قدر و منزلت کرتے ہوئے رخصت کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ستر اسی سال پیشتر ہمارے علاقہ میں شریعتِ اسلامیہ کے مسائل کی تحقیق و تفتیش کا کتنا زبردست دینی جذبہ موجود تھا۔ اور اگر کسی دینی مسئلہ میں نزاع پیدا ہو جاتا تو علما اور مشائخ یکجہتی کے ساتھ مسئلہ کو حل فرماتے تا کہ اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تشتت و افتراق کا نشانہ نہ بنے۔

الحاج میاں صاحب، سلسلہ قادریہ کے خانوادہ نوشاہیہ میں اپنی خاندانی نسبت رکھتے تھے، نیز طریقہ عالیہ قادریہ زاہدیہ میں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین اخون صاحب سوات رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔

آپ کا فتویٰ صرف پشاور ہی میں نہیں بلکہ تمام علاقہ میں نافذ و رائج تھا۔ باہر علاقہ کے علما کرام جب تک کسی فیصلہ پر آپ کی مہر تصدیق نہ دیکھتے دستخط ثبت نہ کرتے بلکہ آپ کے پاس بھیج دیتے۔

علاوہ ازیں کہ آپ عالم و فاضل بھی تھے، بہترین شاعر بھی تھے۔ بہت سے پند و نصائح نظم فرمائے۔ بزرگانِ کرام کی تعریف و توصیف میں خمسیں، غزلیں اور نظمیں اردو فارسی میں لکھیں۔ ایک دفعہ الحاج قبلہ محترم عزت مآب آغا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کہا کہ ہمارا شجرہ طریقت نظم فرماویں۔ آپ نے بزرگانِ کرام کے اسما طلب کئے اور اسی وقت نظم فرما دیئے۔ ہر ایک شعر ایک دُرِ بے بہا ہے۔ تمام شجرہ طیبہ گویا ایک موتیوں میں پرویا ہوا ایک خوب صورت ہار ہے۔

غرضیکہ آپ کی ذات ستودہ صفات ایک مکمل و اکمل، عالم اجل، فاضل اکمل، عارف کامل اور بے نظیر شاعر تھے۔ آپ کی وفات بعمر اسی برس ۱۸ رجب المرجب ۱۳۰۸ھ بروز جمعہ بوقت عصر ہوئی۔ آپ کی وفات پر تمام شہر بند کر دیا گیا۔ پشاور شہر اور صوبہ سرحد کے ہزاروں لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ کی وفات پر کافی سے زیادہ تاریخ ہائے وفات لکھی گئیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں ؎

صاح لنا مات مولانا نصیر احمد   الذی درسا و فتویٰ مثلہ لا یعلم
قال قوم صف لنا تاریخ تلک الواقعہ   قلت موت العلم واللہ موت العالم
۱۳۰۸ھ

فارسی کی تاریخ ہے: نصیر احمد شب شنبہ بمرد   ۱۳۰۸ھ
حیف آں آفتاب علم نہفت   ۱۳۰۸ھ
ایضاً: شمس العلوم از ما برفت ۱۳۰۸ھ   ایضاً: چراغ جہاں ۱۳۰۸ھ

آپ کے تین فرزند تھے۔ (۱) مولوی میاں محمد صاحب آپ والد محترم ہی سے فارغ التحصیل ہوئے اور آپ کے زیر سایہ قضا و افتا کا کام کرتے تھے۔ نہایت کریم النفس تھے خوش وضع اور خوش لباس جوان تھے۔ غالباً پچاس برس کی عمر میں بعارضہ نمونیہ وفات پائی۔
۲۔ الحاج حافظ علامہ مولانا مولوی گل فقیر احمد صاحب مدظلہ العالیہ (آپکے حالات الگ تحریر ہیں)
۳۔ حافظ میاں گل نظیر احمد صاحب، مرحوم آپ نے عمر کا بیشتر حصہ اکوڑہ ... شریف میں بسر کیا۔ اور سینکڑوں افراد نے آپ سے قرآن مجید حفظ یا ناظرہ پڑھا۔ تقریباً ۶۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔

محدثِ اعظم صوبہ سرحد حضرت مولانا مولوی محمد ایوب[۱] صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۵۰ھ تا ۱۳۳۵ھ

آپ کا اسم محترم محمد ایوب لقب محدث تھا۔ آپ موضع زخی چار باغ میں مولانا مولوی لطیف اللہ صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ قبیلہ بے سود سے تعلق رکھتے تھے۔ چونکہ آپ کا گھر علم و حکمت کا مسکن تھا اس لئے خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے آپ کے والد نے آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری پوری توجہ دی۔

مولانا محمد ایوب صاحب ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد صوبہ سرحد کے مشاہیر علمائے کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور علوم معقول و منقول سے فراغت حاصل کی۔

جناب حضرت شیخ الکل علامہ صاحبزادہ صاحب اتمان زئی (چارسدہ) اور حضرت اُستاذِ کل مولانا مولوی سعید احمد صاحب المشہور کافور ڈھیری مولینا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم متداولہ کو مکمل کیا۔ حضرت علامہ محدث جلیل ”مولینا صاحب ڈاگی یار حسین“

---

[۱] آپ علم منقول و معقول میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے میرزاہد شرح تہذیب، میرزاہد امور عامہ پر بہترین حواشی لکھے ہیں جو طلباء کے لیے ان کتابوں میں مشعلِ راہ ہیں۔

کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف کی تکمیل کی اور سند اجازت لی۔

جب آپ نے ان اکابر و اعاظم علماء سے علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کر لیا۔ تو حرمین الشریفین تشریف لے گئے اور وہاں کے محدثین کرام سے دوبارہ حدیث شریف پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ آپ کی سند حدیث "سند مکی" کہلاتی ہے۔ جو کہ مسمی ہے "ثبت امیری" سے اِس سند مبارکہ کی دو نقلیں ہوئی جو کہ بطور سند ایک اس فقیر کے استاذِ محترم، محدثِ اعظم، فقیہہ بے نظیر، خطیب اسلام، صوفیِ باکمال حضرت علامہ حافظ گل فقیر احمد صاحب مدظلہٗ العالیہ، اور دوسری سند۔

حضرت عموی محترم، عالم و فاضل، فخر علماء، سید السادات حضرت آغا سید مقبول شاہ صاحب ساکن چاہ کالا پشاور نور اللہ مرقدہٗ کو مرحمت فرمائیں۔

آپ چار بار زیارت بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے اور آخری بار دو برس تک کاشانہ اقدس حضور شفیع المذنبین صاحب لواء حمد مالک شفاعتِ کبریٰ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب درس حدیث مبارک پڑھایا۔

حرمین شریفین سے واپس تشریف لا کر پشاور شہر میں مستقل سکونت اختیار کی، پشاور کے مشہور تاجر سیٹھی کریم بخش مرحوم نے آپ کو مدرسہ جٹاں میں (جو کہ تعلیم القرآن کے نام سے موسوم تھا) صدر مدرس بنایا۔

سنہ ۱۲۹۰ھ سے لے کر ۱۳۳۵ھ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کی اِس علاقہ میں اشاعت و ترویج آپ ہی کی ذات کی کوششوں کی رہینِ منت ہے۔ صوبۂ سرحد، وزیرستان، قندھار، بخارا، غزنی، ہرات، سوات، باجوڑ اور تمام علاقوں سے سینکڑوں طلبا آپ کے درس میں حاضر ہوئے اور فارغ التحصیل ہو کر

لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے۔ آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی جس کی سعی سے اِن علاقوں میں حدیث مبارک کی ایمان افروز مشعلیں روشن ہوئیں۔ علم و حکمت کے دریا بہے، اور شائقین علوم اسلامیہ آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔

آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر علماء، محدث، مفسر، فقیہہ اور مفتی پیدا ہوئے جن کے اسماء گرامی سے صوبہ سرحد کا بچہ بچہ واقف ہے۔ یہ شیخ الاسلام مفتی اعظم سرحد فقیہہ عصر، حضرت مولانا مولوی سید حبیب شاہ صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد مہابت خان، اُستاذِ محترم، محدثِ اعظم، عالمِ علوم باطنی حضرت مولانا مولوی حافظ گل فقیر احمد چشتی خطیب جامع مسجد قصہ خوانی مدظلہٗ العالیہ، استاذِ محترم محدثِ جلیل فقیہہ بے نظیر صدر المدرسین واعظِ بے بدل حضرت مولانا مولوی صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب نقشبندی خطیب جامع مسجد کچہری ہا مرحوم، حضرت علامہ فاضل اکمل، عالمِ باعمل، عارف باللہ سید السادات آقا سید مقبول شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت علامہ استاذ الاساتذہ، عالم قرآن و سنت، مولانا مولوی عبد الجلیل صاحب شیخ الحدیث ساکن اتمان زئی حال مدرس صحاح ستہ دار العلوم چارسدہ، حضرت مولانا مولوی علی اللہ صاحب المعروف صریخ مولینا صاحب، حضرت مولینا مولوی سیف الرحمان صاحب المعروف بہ میاں صاحب نصیر زئی ودآبہ، حضرت مولینا مولوی حافظ عبداللہ صاحب ساکن لنڈی اور صوبہ سرحد کے مشہور و معروف عالم و فاضل اور شاعرِ بے نظیر حضرت مولینا مولوی محمد غفران صاحب المشہور در شہباز گڑھی مولینا صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ آپ کے تمام شاگردوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث اور علوم متداولہ کی تعلیم و اشاعت اور دینِ محمدی کی خدمت کیلئے وقف رکھی، اور جو بقیدِ حیات ہیں اس

وقت بھی دین اسلام کی خدمت میں کمربستہ ہیں۔
سلسلہ درس تدریس کے ساتھ ساتھ جناب مولانا محمد ایوب صاحب محدث نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا چنانچہ آپ نے درسی کتب پر حواشی لکھے۔ شرحِ نخبۃ الفکر اور شرح تہذیب پر لکھے ہوئے حواشی طلباء کے لئے بہت ہی نفع بخش ہیں رسالہ "ہدیۃ المسلمین لزیارۃ سید المرسلین" ۔ "مواھب المنان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان" ۔ "در الحکمۃ فی ظہر الجمعۃ" ۔ "حدیقۃ النصیحۃ فی المغلۃ والعزلۃ" ۔ "عیون الادلۃ لرویۃ الاہلۃ" "حلیۃ الاولیاء وجنوۃ الاصفیا" ۔ "تحفۃ[1] الفحول فی الاستغاثۃ بالرسول" اسی طرح مختلف مسائل پر آپ کے کئی رسالے لکھے ہوئے ہیں اور آپ کی تمام تحریریں عربی میں ہیں
بروز چہارشنبہ (بدھ) عشاء کی نماز کے اندر سجدہ کے عالم میں بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں آپ کی روح مبارکہ قفسِ عنصری سے عالمِ جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔ اُس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ اس آفتابِ علم کو اپنے آبائی قبرستان موضع زخی چارہ باغ میں دفن کیا گیا۔
آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک تو لاولد ہی فوت ہو گئے۔ دوسرے جناب محمد نعمان صاحب۔ تیسرے مولوی حکیم عبداللہ جان صاحب ہر دو عالم تھے۔ حکیم عبداللہ جان صاحب تو قومی اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ اتمان زئی میں حکمت کی دوکان کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم عبدالباری صاحب والد کی جگہ حکمت کی دُکان کرتے ہیں اور مدرس بھی ہیں۔

---

[1] اِس رسالہ کا ترجمہ اُردو میں اِس فقیر نے کیا ہے ؎

مولینا قاری حافظ میاں محمدؐ صاحب علیہ الرحمہ (بھانہ ماڑی)

۱۲۵۵ھ تا ۱۳۴۵ھ

آپ کا اسم گرامی حافظ میاں محمدؐ والد کا نام مولینا قاری حافظ غلام محی الدین صاحب تھا۔آپ عربی الاصل ہیں۔قاری غلام محی الدین صاحب مکہ مکرمہ سے ہندوستان ہوتے ہوئے پشاور پہنچے اور بمقام بھانہ ماڑی قیام کیا۔

قرآن مجید پڑھاتے اور حفظ کرواتے تھے۔آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کے چچا جناب ملا محمد عظیم صاحب مرحوم نے آپ کی پرورش و تربیت کی، قرآن مجید یاد کرنے کے بعد دینیات کی تعلیم شروع کی، اپنے چچا سے ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔مسجد قوۃ الاسلام محلہ اللہ داد (رامداس) میں نظم کی کتابیں میاں غلام صاحب پڑھاتے تھے۔ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور نظم کی کتابوں کی تکمیل کر لی۔باقی فنون کی کتابیں اپنے وقت کے علامۂ عصر حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماڑی سے پڑھ کر علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

آپ نے اپنے اساتذہ کی بہت خدمت کی، یہاں تک کہ پشاور سے کوہاٹ تک اپنے استاذ حضرت سید اکبر شاہ صاحب مرحوم کے ہمراہ پیدل جاتے اور اُستاذ

گھوڑے پرسوار ہوتے ؛ تمام راستے میں اپنے اسباق پڑھتے اور پھر اسی طرح کوہاٹ سے واپس آتے۔

اِنتہائی ملنسار، متواضع اور مہمان نواز تھے۔ سادات کرام کا بہت ہی اَدب و احترام کرتے، خود بھوکے رہ جاتے اور غریب سائل کو سب کچھ دے کر رخصت کر دیتے۔

بازار اللہ داد (راداس) میں بزازی کی دُکان کرتے تھے۔ ایک طرف کپڑے فروخت کر رہے ہیں اور ساتھ ہی درس جاری ہے۔ نظم کی کتابیں بہت ہی اعلیٰ طور پر پڑھاتے دُور دُور سے طلبا۔ آپ کے پاس آتے۔ آپ اِن کو پڑھانے کے علاوہ کپڑا اور کھانا بھی مُہیّا کرتے۔ نظم پڑھانے میں آپ بہت مشہور تھے۔

قرآن مجید کا درس چالیس برس تک دیا۔ ناظرہ پڑھاتے اور قرأت کے ساتھ حفظ کرواتے۔ بیسیوں شاگرد تھے، اور ایسے شاگرد تھے جو کہ تدریس بھی کرتے تھے۔ آپ قرآنِ مجید لکھا بھی کرتے تھے۔ نہایت ہی خوش نویس تھے۔ آپ کی وفات شب جمعہ ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کو ہوئی۔

حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دو فرزند تھے۔ حافظ مولانا فضل محمود صاحب اور مولینا مولوی فضل الرحمٰن صاحب مبلغ اسلام حافظ فضل محمود صاحب نے اپنے والد سے ابتدائی قرآن مجید کے چند پارے حفظ کئے، اور باقی قرآن مجید حافظ لال صاحب[1] و حافظ میر احمد صاحب نابینا سے یاد کیا۔ علمِ قرأت والد صاحب سے پڑھی۔ درس نظامی

---

[1] یہ حافظ صاحب فتح جنگ (پنجاب) کے رہنے والے تھے اور بھانہ ماڑی میں مقیم تھے۔ صاحب درس تھے۔ بیقہ حافظ تھے۔

حضرت علامہ سید اکبر شاہ صاحب مرحوم ساکن بھانہ ماڑی سے مکمل پڑھا۔ اپنی آبائی مسجد (جو کہ بھانہ ماڑی میں ہے) میں امامت کرتے۔ جمعہ کی نماز جناب حضرت علامہ سید حبیب شاہ صاحب مرحوم کی غیر موجودگی میں جامع مسجد نمک منڈی اور مسجد مہابت خان پشاور میں پڑھاتے۔ لوگ آپ کے اخلاقِ حمیدہ سے بہت خوش تھے۔ نہایت ہی حق گو اور نڈر واعظ تھے۔ تحریک مسلم لیگ میں حصہ لیا اور پاکستان بنانے کی تحریک میں پیش پیش تھے۔ سادات کرام کا بہت ہی ادب و احترام کرتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ عقائد حقہ اہل سنت و جماعت کو علی الاعلان بیان فرماتے تھے۔ تمام عمر قرآن مجید کے درس تدریس میں گذاری۔ آپ کے بیسیوں شاگرد ہیں۔ ستر برس کی عمر میں یکم جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ یعنی ۱۹۶۰ء میں انتقال کیا۔ آپ کے ایک فرزند حافظ قاری فضل احمد ہیں جو متداولہ کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ مگر زندگی سیاسیات میں گذار رہے ہیں مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں سالار رہیں۔ گھڑی سازی کا کام کر کے گذر اوقات کرتے ہیں۔ دوسرے صاحبزادہ مولانا مولوی غلام احمد صاحب ہیں۔ آپ نے دار العلوم کراچی سے سندِ فراغت حاصل کی ہے اور کراچی ہی میں مدرس اور خطیب ہیں۔

جناب حافظ میاں محمد صاحب مرحوم کے دوسرے فرزند مولینا مولوی فضل الرحمان صاحب مبلغِ اسلام ہیں۔ مولینا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے بڑے بھائی مولوی حافظ فضل محمود صاحب سے قرآن مجید پڑھا، اور درسِ نظامی کی تکمیل مختلف اساتذہ سے کی خصوصاً مولینا مولوی غلام محمد صاحب ساکن گاڑیخانہ خطیب مسجد چھاؤنی پشاور سے تکمیل علم کیا۔

اعلیٰحضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور سلسلہ قادریہ چشتیہ میں منسلک ہو گئے۔ سیاسی زندگی میں اپنے تمام اوقات مسلم لیگ میں گذارے۔ ۱۹۴۶ء و ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی میں انتہائی سرگرمی سے حصہ لیا، اور جیل میں بھی گئے۔ اب تک مسلم لیگی ہیں۔ وہ جمعیۃ العلماء جس کی سرپرستی مولینا شبیر احمد عثمانی کر رہے تھے اس کی صوبہ سرحد شاخ کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ کانگرسی علماء کی جمعیۃ العلماء کے مقابلہ میں علماء کی تنظیم کی۔

۱۳۸۲ھ میں حج شریف کے ارادہ سے حرمین الشریفین کی زیارت سے اللہ تعالےٰ نے نوازا۔

مسجد قوۃ الاسلام (آسیا) میں خطیب اور محلہ بڑھ کی مسجد میں امام ہیں۔ آپ مبلغِ اسلام ہیں۔ پشاور میں جو بھی مجلسِ وعظ ہو اس میں آپ کو دعوت دی جاتی ہے اور دو دو تین تین گھنٹے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو مستفید کرتے ہیں۔ وعظ میں اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کو بہت ہی احسن دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور فرقِ باطلہ کا خصوصاً "وہابیوں" کا رد کرتے ہیں۔ متصوفین کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔ نہایت ہی متواضع منکسر المزاج، مہمان نواز اور صاحب اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ کریمانہ کے مالک ہیں۔ تمام دن قرآن مجید ناظرہ کا درس دیتے ہیں۔ انتہائی دوست نواز ہیں۔ سادات کا ادب و احترام مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۰ برس کے قریب ہے۔ آپ کے ایک صاحبزادہ حافظ سیف الرحمٰن صاحب حافظِ قرآن ہیں کراچی میں پولیس لائن کی مسجد میں امام اور خطیب ہیں قرآن مجید کا ناظرہ درس کرتے ہیں۔ اخلاقِ حمیدہ کے مالک ہیں۔

سیّد مُلک شاہ صاحبؒ قادری نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۶۲ھ تا سنہ ۱۳۴۲ھ

آپ کا اِسم گرامی سیّد مُلک شاہ صاحب، والد کا نام سیّد غلام جیلانی شاہ صاحب ہے اور سلسلہ قادریہ نوشاہیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گیلانی سیّد تھے۔

آپ کے پردادا سیّد محمد شاہ صاحب جو کہ سیّد سلطان محمد شاہ صاحب کے والد تھے، پشاور تشریف لائے، اور اُنھوں نے یہاں پر سلسلہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ کی ترویج و اِشاعت کی۔ آپ پنجاب کے ضلع گجرات میں گجرات سے پانچ میل کے فاصلہ پر موضع کھوکھر کے رہنے والے تھے۔

سیّد مُلک شاہ صاحب ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے زیرِ سایہ دینی تعلیم سے بہرہ ور ہوکر والد ہی کے دست گرفتہ ہوئے اور سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے۔ والد کے اِنتقال کے بعد صاحب سجادہ ہوئے۔ آپ نے اپنی تمام عمر پشاور میں ہی گذاری۔ آپ کا ایک مُریدؔ بیان کرتا ہے "آپ نے کبھی بھی کسی سیاسی تحریک

لہ اس کا نام حاجی محمد ولد نظام دین ملکی گر ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی آپ کے گھر میں بحیثیت ایک رہگزاری ہے۔ اس وقت [illegible]

میں حصہ نہیں لیا۔ ہر وقت علماء اور فقراء کی صحبت میں رہتے۔ اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، اور دُنیاوی جھمیلوں میں نہ پھنستے بلکہ ہمیں بھی نصیحت فرماتے رہتے کہ ان دھندوں سے الگ رہ کر یادِ الٰہی میں مصروف رہو"۔ اکثر پشاور کے علماء میں سے حضرت مولینا مولوی عبدالحکیم صاحب المشہور" مولوی صاحب گاڑیخانہ" آپ کے پاس تشریف لاتے اور دینی مسائل پر خوب مجلس قائم ہوتی۔ آپ فقہ حنفی کے بہترین عالم تھے جو بھی کوئی مسئلہ دریافت کرتا آپ اس کو تسلی بخش جواب دیتے۔

چونکہ آپ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے شیخ تھے۔ اس لئے آپ نے پشاور، صوبہ سرحد، سوات، دیر، چترال، باجوڑ اور کابل کے علاقہ میں اس سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بلکہ اپنی زندگی ہی اسی تبلیغ کے لئے وقف کر دی تھی۔

خاص کر پشاور میں آپ نے اپنے مُریدین کا ایک حلقہ ترتیب دیا اور ہر مُرید کو اپنے حلقہ میں توجہ فرماتے، اور مُریدین مرغِ نیم بسمل کی طرح وجد و حال میں تڑپتے، اور تزکیۂ نفس کر کے اخلاقِ پاکیزہ سے متصّف ہوتے۔

آپ کے وقت میں اور بھی سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے خلفاء موجود تھے۔ مثلاً علاقہ یکّہ توت میں حاجی میاں محمد صاحب پیزار دوز المعروف حاجی لمّا[1]۔ علاقہ گنج میں خلیفہ طلا محمد مرزا، گنڈیوٹیرہ میں عبدالمجید زرنگار المعروف خلیفہ رمیتو محلہ فضل حق صاحبزادہ میں خلیفہ میر احمد صاحب ہشتنگری دروازہ میں جناب آغا میر جی صاحب اور دیگر خلفاء

---

[1] لمّا پشاوری لفظ ہے، چونکہ آپ کا قد لمبا تھا اس لئے اسی نام سے مشہور ہوئے۔

بھی اپنے اپنے طور پر سلسلہ کی اشاعت کرتے تھے مگر آپ کی ذات ان سب کے لئے قابلِ احترام وقابلِ عزت تھی چنانچہ جب بھی آپ کے معاصر خلفاء نوشاہیہ میں اگر کوئی تنازعہ پیدا ہوتا تو آپ ہی کے گھر پر آپ کی صدارت میں فیصلہ کیا جاتا۔

امیرِ کابل غازی حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم کو بھی آپ سے بہت عقیدت تھی، اور ہر برس آپ کو ایک خلعت اور مبلغ پانچسو روپیہ نذرانہ پیش کرتا۔

آپ اپنے بزرگانِ کرام کے عرس مبارک نہایت احترام کے ساتھ منعقد کرتے خصوصاً ربیع الثانی میں حضور غوثِ اعظم سیّد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس نہایت شاندار طریقہ پر کرتے، تمام دن لنگر تقسیم ہوتا بکثرت اژدھام ہوتا۔ اور تمام رات یادِ الٰہی کے حلقہ ہائے ذکر ہوتے۔

آپ کی توجہ بہت کامل تھی، اور بہت ہی کرامات کا صدور آپ سے ہوتا تھا، مگر آپ نے قطعاً کرامات کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور نہ ہی کبھی اپنی طرف نسبت کی۔

آپ کے مُریدین موضع مشئی گل بیلہ میں بکثرت ہیں، ان میں فضل سُبحانی بادشاہ بہت ہی بزرگ اور نیک آدمی تھے۔ ان کے ہاں شادی کے موقع پر آپ بھی مدعو تھے۔ آپ حسبِ قاعدہ اپنے ہمراہ چند مُریدین اور چند قوال لے کر تشریف لے گئے۔ قوالی شروع ہوئی، اور آپ کے مُریدین پر وجد و حال طاری ہوا، چونکہ گاؤں تھا اور آپ کی مجلس سے لوگ ناواقف تھے۔ اُنھوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ آپ نے اُن کی طرف کوئی توجہ نہ دی، مگر ان کا استہزا بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے ایک مُرید نے آپ کو متوجہ کیا کہ یہ لوگ اب بالکل گُستاخ ہو گئے ہیں اِن پر فکر کیجیے۔ آپ نے اِن

پر توجہ کی تو بس پھر کیا تھا تمام مجلس وجد و رقص میں لگ گئی — جو مذاق اور استہزا کر رہے تھے وہ روتے پیٹتے اور چلاتے تھے۔ آپ کی اس توجہ کاملہ کی برکت اور کرامت کو دیکھ کر یہ تمام علاقہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس تمام علاقہ میں سلسلہ نوشاہیہ کی خوب اشاعت ہوئی اور فضل سبحانی بادشاہ نے آپ کی نیابت میں بہت کام کیا۔ اب تک فضل سبحانی صاحب کا عرس بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے اور بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔

آپ بہت ہی متوکل، مہمان نواز صاحب علم و بردبار تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کا ہر ایک معترف ہے۔ آپ بعمر ۸۰ برس ۱۳۴۲ھ میں اس دار فانی سے راہیِ عالم جاودانی ہوئے۔

آخری برس گیارھویں شریف کے عرس کے موقعہ پر اجتماع میں آپ نے اپنے پوتے شاہ محمد غوث صاحب کو صاحب سجادہ مقرر کیا۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ رسول شاہ، مقبول شاہ، شریف شاہ، ہر سہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ رسول شاہ کا فرزند عبداللطیف شاہ صاحب بقید حیات ہے۔

مقبول شاہ کے پانچ فرزند تھے جن میں سے ایک شاہ محمد غیاث فوت ہو چکا ہے اور دوسرے چار شاہ محمد غوث، عبدالرزاق، امداد حسین اور شاہ محمد ظریف زندہ ہیں۔

شریف شاہ صاحب کے تین فرزند تھے۔ فیاض حسین شاہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ مشتاق حسین شاہ صاحب اور لال حسین شاہ صاحب بقید حیات ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و ترویج میں مصروف ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب چھوہروی علیہ الرحمۃ (ہری پور)

۱۲۶۲ھ تا ۱۳۴۲ھ

آپ کا نام نامی واسمِ گرامی خواجہ عبدالرحمٰن صاحب، والد کا نام خواجہ خضری صاحب لقب غوثِ وقت ہے۔ آپ نسباً علوی، مذہباً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کی پیدائش بمقام چھوہر شریف ۱۲۶۲ھ ہوئی۔

آپ کے والد اپنے وقت کے اولیائے کاملین میں سے ایک تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی تربیت طریقت حضرت خضر علیہ السلام نے کی۔ آپ کے وجود مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے عشق کی آگ ہر وقت اور ہر آن بھڑکتی رہتی، اور درد وعشق کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سینہ پر سات زخم ہو گئے تھے۔ روزانہ ہلدی کو گھی میں تل کر ان زخموں پر پھایہ لگایا جاتا اور عبادت کا یہ حال تھا کہ برف باری کے ایام میں عشاء کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کی یہ کیفیت تھی کہ چونکہ آپ اُمّی تھے اور جب آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا اگر معلوم ہوتا بتلا دیتے اور اگر نہ معلوم ہوتا تو فرماتے تھوڑا صبر کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے جواب دوں گا۔ آنکھیں بند نہ کرتے اور نہ ہی مراقب ہوتے۔ تھوڑی دیر کے

بعد فرماتے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کرلیا ہے ایسا نہیں ایسا[1] ہے۔ جناب حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔" آپ کے کمالات ظاہری و باطنی اور کرامات و خرق عادات لاتعداد و حدِ شمار سے باہر ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؒ نے والد گرامی کی وفات کے بعد بہت ہی ریاضت اور محنت شاقہ اُٹھائی۔ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے اُدب طے نہیں کیا۔ آپ قطعاً محض اُمّی تھے۔ آپ نے بچپن کی عمر میں چلے کاٹے اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے خلیفۂ مجاز حضرت علامہ عارف علوم ظاہری و باطنی جناب حافظ سیّد احمد صاحب سری کوٹی[2] نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں۔" جب آپ کے والد بزرگوار عالی مقدار حضرت خواجہ خضری قدس اللہ سرہ العزیز دارِ فانی سے تشریف فرمائے عالمِ جاودانی ہوئے تو اسی خورد سالی و نابالغی کی حالت میں آپ نے چلّہ کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے مکان میں دریافت فرمایا کہ میری خدمت کون کرے گا۔ قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے وعدہ کیا کہ آپ کی خدمت میں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک برتن رکھ دو۔ چنانچہ روزانہ وقت مقررہ پر آپ اپنے مُنہ مبارک کو اس برتن کی طرف جھکا کر خون قے کر لیتے، کھانا پینا بند تھا۔ ہر روز آلائشات عناصر اربعہ و تکدرات قوائے بہیمہ اور ثقالت و کثافتِ جسمانی کا اخراج

---

[1] مقدمہ مجموعہ صلوات الرسول از جناب حافظ سیّد احمد صاحب قدس سرہٗ ص۔

[2] چھوہر ہری پور (ضلع ہزارہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

بذریعہ خونی قے کے فرماتے۔ کچھ ایّام تک خون آتا رہا۔ جب بدن مبارک سے خون خلاص ہوگیا تو قے میں پانی آنا شروع ہوگیا۔ یہاں تک کہ چالیس دن پورے ہوگئے"۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس غضب کا چلّہ اولیاء اللہ میں نہ کسی نے کیا اور نہ سُنا۔ اِس ریاضتِ شاقہ کے ذریعہ سے جسمِ عنصری کی ثقالت و کثافت و اخلاقِ بہیمیہ کے ظلمات من کل الوجوہ مستہلک و محو ہو کر لطافت کلی و روحانیت تامہ نصیب ہوئی"[1]

اِس چلّہ سے آپ بہت کمزور اور نڈھال ہو گئے تھے۔ جب وجود مُبارک میں کچھ طاقت آگئی تو آپ حضرت شیخ الاسلام غوثِ وقت حافظ عبدالغفور صاحب المشہور اخون صاحب سوات کو ملنے کے لئے اپنے چند بزرگوں کو لے کر سوات تشریف لے گئے۔ آپ جب سیدو شریف آپ کی قیام گاہ پر پہنچے تو لوگوں کا اژدھام تھا۔ اور حضرت اخون صاحب کی مُلاقات ناممکن تھی۔ احباب نے مشورہ کیا کہ چونکہ مُلاقات نہیں ہوسکتی اس لئے رات گذار کر صبح واپس چلیں، جب صبح ہوئی تو احباب نے عرض کیا کہ صاحبزادہ واپسی کا انتظام کرو کہ چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِتنی دُور سے آئے ہیں۔ جس وقت اشراق کے بعد حضرت اخون صاحب اپنی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر عام دُعا کر کے لوگوں کو رخصت کر دیتے ہیں ہم بھی آپ کی زیارت دُور سے کر کے رخصت ہو جائیں گے۔ اِسی اثناء میں حضرت اخون صاحب کے خادم عام لوگوں میں آواز کر رہے تھے کہ جو صاحبزادہ ہزارہ کا آیا ہے حضرت صاحب اُس کو طلب فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ کے احباب کے بتانے پر آپ کو وہ خادم گھر میں

---

[1] مقدمہ صلوٰۃ الرسول از حافظ مذکور ص ۳۔

اٹھا کر حضرت اخون صاحب کی خدمت میں خلوت خانہ میں لے گئے۔ جناب اخون صاحب نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ" دغہ دے۔ دغہ دے۔ دغہ دے" یعنی یہی ہے۔ یہی ہے۔ یہی ہے۔ اور حضرت اخون صاحب نے فرمایا کہ "اس یتیم کے لیئے دُعا کرو" [1] خواجہ عبدالرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت اخون صاحب سوات نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ گویا سات آسمانوں کا بوجھ مجھ پر آگیا ہے، اور جب دُعا سے فارغ ہوئے تو وہ بوجھ وسعت و فرحت و انبساط کے ساتھ بدل گیا۔

حضرت اخون صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا۔ "کیا رات کو خواب میں کچھ دیکھا ہے" آپ نے جواب دیا۔ "جس مقام پر چلہ کرتا ہوں وہ جگہ دیکھی ہے" حضرت اخون صاحب نے فرمایا۔ اسی جگہ پہ جا کر قیام پذیر ہو جیئے، کہیں مت جائیے۔ آپ کے پیر صاحب آپ کے پاس آکر آپ کے مکان میں آپ کو مُرید کریں گے" چنانچہ اسی طرح ہوا کچھ عرصہ کے بعد حضرت یعقوب شاہ صاحب گن چھتری رحمۃ اللہ علیہ کشمیر سے ہزارہ تشریف لائے اور یہاں پر آپ کو دریافت کر کے آپ کے مکان پہ آئے۔ آپ اپنی عبادت گاہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا استقبال کیا۔ حضرت شاہ صاحب آپ کے خلوت خانہ میں تشریف لائے۔ اور آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت [2] کر کے بہت بہت روحانی عنائتیں

---

[1] مقدمہ مذکورہ

[2] آپ کا سلسلہ عالیہ قادریہ اس طرح ہے:۔ حضرت یعقوب شاہ صاحب مُرید ہیں شیخ محمد انور شاہ صاحب اور یہ مُرید ہیں حضرت شیخ عبداللہ صاحب کے، اور یہ مُرید ہیں شیخ محمد رفیق صاحب کے، اور یہ مُرید ہیں حضرت خواجہ

(بقیہ صفحہ ۱۸۸ ملاحظہ فرمائیں)

اور بخشش کیں، اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین بنایا اور صاحبِ مجاز ہو کر متمکن ہوئے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ کی انتہائی کوشش کے ساتھ اشاعت کی۔ صرف ہزارہ ہی نہیں، بلکہ آپ کے مریدین کا سلسلہ کشمیر، صوبۂ سرحد، افغانستان، عرب، ہندوستان، برما اور خصوصاً بنگال تک پھیلا ہوا ہے۔ جتنی سعیٔ پیہم آپ نے سلسلہ کی تبلیغ کے لئے کی اسی طرح آپ نے علوم اسلامیہ کی اشاعت کے لئے کوشش کی، اپنے گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہزارہ کے مشہور شہر ہری پور میں ۱۳۲۱ھ میں ایک عظیم الشان دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام "دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور" رکھا گیا اس کے مصارف اور تعمیر کا خرچ برما اور بنگال کے علاقہ کے مریدین نے برداشت کیے۔ اس دارالعلوم میں درسی نظام کا مکمل انتظام ہے اور دورۂ حدیث بھی ہوتا ہے دارالافتا بھی ہے۔ اس دارالعلوم کے ساتھ پرائمری مدرسہ بھی ہے جس میں چھوٹے بچوں کے لئے دینیات اور تعلیم قرآن مجید کا بہت ہی اعلیٰ انتظام ہے۔ آپ کی خواہش کے مطابق دن دگنی رات چوگنی اس دارالعلوم نے ترقی کی۔ اس دارالعلوم کے فاضل بھی مخلوقِ خدا کی اصلاح میں مختلف شہروں میں بحیثیت خطیب کے مصروف ہے۔

اس سال یعنی ۱۳۸۲ھ میں ۲۷ رمضان المبارک بروز جمعہ ۶۱ برس کے موقع پر صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان بمعہ وزیرِ تعلیم چودھری[1] فضل القادر صاحب

(بقیہ ص۱۸۷) گل محمد صاحب کنگال کے اور یہ مرید ہیں۔ حضرت خواجہ عبدالصبور کے اور یہ مرید ہیں حضرت خواجہ حافظ احمد بارہ مولا کے اور یہ مرید ہیں حضرت شیخ عنایت اللہ شاہ صاحب کے اور یہ مرید ہیں حضرت سید عبداللہ صاحب کے۔ حضرت شاہ عبداللہ صاحب ابوالبرکات سید حسین پشاوری کے والد ہیں باقی سلسلہ اُنہی کا ہے

[1] جناب عزت مآب فضل القادر صاحب چودھری حضرت چوہردی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید احمد شاہ صاحب رنگون والے کے مُرید ہیں ۔

(بنگالی) کے اس تقریب میں شامل ہوئے اور مبلغ پچاس ہزار روپیہ مرکزی گورنمنٹ کی طرف سے بطورِ عطیہ کے دار العلوم کو مرحمت فرمایا[۱]۔ سابق صوبہ سرحد میں صرف یہ ایک دار العلوم ہے۔ جس میں صحیح العقیدہ اہل سنت وجماعت علماء تیار ہوتے ہیں

جس وقت ۱۳۱۲ھ ء میں اسلامیہ کالج کی تعمیر شروع ہونی شروع ہوئی تو کالج کی بنیاد رکھتے وقت جناب حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔

آپ کے اخلاق حضور فخرِ دو عالم سید الکونین صاحب خلقِ عظیم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کے عین مطابق تھے۔ سنتِ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کا اتباع آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ آپ سے مستحبات بھی کبھی ترک نہیں ہوئے مہمانوں کی خدمت خود کرتے۔ آپ کی خانقاہ اور مجلس میں بدعات اور مخترعات خلافِ شرع کا نام تک نہ تھا۔ آپ نہایت ہی متواضع، خلیق صاحبِ حلم، عفو و درگزر کرنے والے منکسر المزاج اور پردہ پوش تھے۔ علماء فقراء و سادات کی قدر و منزلت اور انتہائی ادب و احترام کرتے۔ آپ کی خانقاہ انتہائی سادہ اور ہر قسم کی آرائش و زیبائش سے پاک تھی۔ تمام اوقات مسجد ہی میں بسر ہوتے۔ طالب علموں کی خدمت اپنے لئے سرمایۂ آخرت سمجھ کر بہت ہی محبت اور اخلاص سے خود کرتے۔ "دار العلوم رحمانیہ اسلامیہ" کے ابتدائی دور میں طلباء کے لئے کھانا وغیرہ چھوہر شریف سے تیار ہو کر ہری پور آتا۔ ایک دن بہت بارش تھی رات بھی

---

[۱] یہ تقریب اور عطیہ ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء کو ہوئی۔

تیار رکھی تھی۔ آپ نے خادموں سے فرمایا کہ طلباء کے لئے روٹی پہنچا دو۔ مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ آپ بنفسِ نفیس روٹی اور کھانا اٹھا کر طلباء کے لئے موسلا دھار بارش میں لے گئے۔ سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حدیث شریف میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی چٹائی لے کر درست فرمائی ہے۔ آپ نے بھی اپنی مسجد کی چٹائی جو کہ پھٹی ہوئی تھی سینی شروع کر دی۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ حضرت شاہ ولی بابا تشریف لے آئے اور آپ سے عرض کیا کہ اٹھو اور میرے لئے گھر سے مکھن لاؤ۔ آپ نے چٹائی سینے میں کچھ دیر لگائی تو شاہ ولی بابا فرمانے لگے کہ تمام چٹائی کا سینا سنّت نہیں ہے۔ سنّت ادا ہو گئی ہے، اٹھو اور مکھن لا دو۔ مجھے دیر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے شاہ ولی بابا کی اس صفائی پر ہنسی آگئی۔ جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کشفِ زمانی و مکانی اور عیانی مکمل و اکمل عطا فرمایا تھا۔ مگر آپ نے دو چیزوں سے توبہ کر لی تھی۔ ایک تو "کشف کے اظہار سے" اور دوسرے "ضروریاتِ زندگی کے خیال سے"۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بغیر طلب و خیال کے ضروریاتِ زندگی مہیا اور پوری فرماتا تھا چنانچہ ایک بار آپ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے لئے سیاہ رنگ کی دوہری چادر بناؤ۔ باہر تشریف لائے پھر گھر تشریف لے گئے اور منع فرما دیا۔ دوسرے دن ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں باہر کہیں جاتا ہوں اور یہ سوت حاضر ہے بنوائی اور رنگائی کی مزدوری بھی پیش خدمت ہے۔ آپ اپنے لئے چادر بنوالیں۔ آپ نے فرمایا۔ "کہ میں نے اب اپنی ضروریاتِ زندگی کا خیال بھی ترک کر دیا ہے اور توبہ کر لی ہے اور جس روز سے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ بغیر خیال و طلب کے موسم گرما میں گرمائی کے کپڑے

تار یک تھی۔ آپ نے خادموں سے فرمایا کہ طلباء کے لئے روٹی پہنچا دو۔ مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ آپ بنفسِ نفیس روٹی اور کھانا اُٹھا کر طلباء کے لئے موسلا دھار بارش میں لے گئے۔ سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حدیث شریف میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسجد کی چٹائی لے کر دُرست فرمائی ہے۔ آپ نے بھی اپنی مسجد کی چٹائی جو کہ پھٹی ہوئی تھی سینی شروع کر دی۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ حضرت شاہ ولی بابا تشریف لے آئے اور آپ سے عرض کیا کہ اُٹھو اور میرے لئے گھر سے مکھن لاؤ۔ آپ نے چٹائی سینے میں کچھ دیر لگائی تو شاہ ولی بابا فرمانے لگے کہ تمام چٹائی کا سینا سنّت نہیں ہے۔ سنّت ادا ہو گئی ہے، اٹھو اور مکھن لا دو مجھے دیر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے شاہ ولی بابا کی اس صفائی پر ہنسی آ گئی۔ جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کشفِ زمانی و مکانی اور عیانی مکمل و اکمل عطا فرمایا تھا۔ مگر آپ نے دو چیزوں سے توبہ کر لی تھی۔ ایک تو "کشف کے اظہار سے" اور دوسرے "ضروریاتِ زندگی کے خیال سے"۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بغیر طلب و خیال کے ضروریاتِ زندگی مہیا اور پوری فرماتا تھا چنانچہ ایک بار آپ گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے لئے سیاہ رنگ کی دوہری چادر بناؤ۔ باہر تشریف لائے پھر گھر تشریف لے گئے اور منع فرما دیا۔ دوسرے دن ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں باہر کہیں جاتا ہوں اور یہ سوت حاضر ہے بنوائی اور رنگائی کی مزدوری بھی پیشِ خدمت ہے۔ آپ اپنے لئے چادر بنوا لیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے اب اپنی ضروریاتِ زندگی کا خیال بھی ترک کر دیا ہے اور توبہ کر لی ہے اور جس روز سے توبہ کی ہے اللہ تعالیٰ بغیر خیال و طلب کے موسم گرما میں گرمائی کے کپڑے

اور موسم سرما میں سرمائی کے کپڑے عنایت فرما دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالم حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا کہ آپ کے مہمان زیادہ آتے ہیں اور آمدنی آپ کی کم ہے۔ میں آپ کو فلاں وظیفہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے پڑھنے سے آمدنی زیادہ ہوگی۔ آپ چُپ رہے۔ حضرت پیر صاحب نے مکرر سہ کرر اپنے خیال کا اظہار فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ "پیر صاحب خُدا سے شرم آتی ہے کہ باہر سے لوگ پیر خیال کر کے آویں اور اندر پیسوں کے لئے وظیفہ پڑھا جاوے۔"

کشف کے اظہار سے توبہ کا واقعہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا میں بیٹھا ہوا تھا وہ شخص کپڑے اُتار کر نہانے لگا جب فارغ ہوا تو میں نے اس کو کہا کہ تم نے زنا کیا ہے۔ اوّل تو منکر ہوا جب میں نے پکڑا تو اعتراف کیا اور معافی مانگنے لگا۔ فرماتے ہیں میں نے دل میں خیال کیا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے گناہ دیکھ کر پردہ پوشی فرماتا ہے اور میں صاحبِ کشف ہوا تو پردہ دری کرتا ہوں۔ اُسی روز سے اِس فکر کے بعد میں نے کشف کے اظہار سے توبہ کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو توجہ کاملہ سے نوازا تھا۔ آپ کے ایک مُرید احمد الدین برادر یوسف ترکھان سکنہ چوہر نے ایک عجیب و غریب واقعہ آپ کی توجّہ کاملہ و تصرفات کا بیان کیا[1]۔ احمد دین کہتا ہے کہ آپ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اثنائے سفر میں ایک پیر صاحب بھی ہمسفر ہو گئے۔ جب ہم عرب پہنچے تو ایک درویش ہم دونوں کو ملا، اور اُس نے

---

[1] بروایت جناب حافظ سیّد احمد صاحب رنگون والے مرحوم ؂

بہت آہ و زاری کی اور کہا کہ میں ایک بڑی مصیبت میں مُبتلا ہوں میری فریاد رسی کیجیے۔ اُس درویش نے بیان کیا کہ میں فلاں گاؤں میں رہتا ہوں اور میری عادت ستار بجانے کی ہے۔ میرے گاؤں کے عالم نے مجھ پر کُفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ آپ دونوں بڑے نیک آدمی ہیں۔ عالم ہیں میرے ساتھ چل کر اس عالم کو سمجھائیں کہ مجھے کافر نہ کہے۔ میں ان کے اس فتویٰ سے بڑا تنگ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ میں اور وُہ پیر صاحب دونوں اُس عالم کے پاس گئے۔ اس پیر صاحب نے اُس عالم سے پوچھا کہ آپ نے اِس شخص پر کُفر کا فتویٰ کیوں دیا ہے۔ اس عالم نے جواب دیا کہ یہ ستار بجاتا ہے۔ اس لئے میں نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ اگر ستار بجانے سے باز آ جائے تو کُفر کا فتویٰ بھی واپس ہو جائے گا۔ وہ پیر صاحب درویش کو چاہتے تھے کہ ستار بجانے سے منع کریں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے پیر صاحب کو کہا کہ آپ اس وقت ان کے درمیان فیصلہ نہ کریں جب ہم لوگ حج کے مناسک ادا کر لیں پھر اگر ان کے درمیان فیصلہ کر لیں گے۔ جب ہم واپس آئے تو درویش کے ہمراہ اس کے گاؤں میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مفتی صاحب درسگاہ میں طلباء کے درمیان تشریف فرما ہیں اور بڑے ذوق و شوق سے ستار بجا رہے ہیں۔ ہم دونوں کو دُور سے دیکھ کر مفتی صاحب تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش تھا۔ پیر صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا حال ہے آپ کا، آپ تو ستار بجانے کو کُفر کہتے ہیں اور آج خود اس کفر میں مُبتلا ہو گئے ہیں۔ مولینا صاحب نے جواب دیا کہ آپ دونوں میں سے کسی کی برکت سے یہ نعمت مجھے نصیب ہوئی، دُعا کرو کہ جب تک زندہ رہوں ستار بجاتا رہوں۔ جب مروں ستار بجاتے مروں اور قیامت کے دن جب اللہ پاک کے سامنے

جاؤں ستار بجاتے جاؤں، پیر صاحب نے آپ سے فرمایا کہ فقیر صاحب یہ کیا کمیل بنا لیا آپ نے، فرمایا کہ آپ نے ہی کچھ کیا ہوگا۔ پیر صاحب نے کہا کہ میں جو کچھ ہوں خوب جانتا ہوں آپ بتائیے کہ اصل قصہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ فرما دیتے، درویش آپ کے کہنے پر ستار نہ بجاتا تو جس وقت اُس کو یہی روحانی غذا کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملنے پر مرجاتا۔ اس کا خون آپ کے ذمہ ہوتا۔ تو میں نے چاہا کہ آپ اس کے خون سے محفوظ رہیں اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ مفتی صاحب اپنے علم پر نازاں و فرحاں ہو کر درومندوں کو کافر کہتے ہیں ان کو بھی درد سے آشنا کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ بھی صاحبِ درد ہو گئے۔ یہ واقعہ لکھنے کے بعد حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "آپ میں جذبات و تصرفات خضر علیہ السلام جلوہ گر تھے جس شخص میں جو کیفیت پیدا کرنے چاہتے ادنیٰ توجہ سے پیدا کر دیتے۔ کیفیاتِ عشقیہ و جذباتِ صدریہ پر آپ بوجہ اتم متصرف تھے"[1] جس طرح بنی نوعِ انسان پر آپ کے تصرفات، اسی طرح نباتات اور حیوانات پر بھی آپ کے تصرفات تھے۔ جناب حافظ سید احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں (رنگوں سے) وطن کو آیا تو حضرت قبلہ عالم کے وصال کو ایک مہینہ گذر چکا تھا۔ آپ کی خانقاہ میں مُریدین و مخلصین جمع تھے۔ ایک شخص میرے قریب رو رہا تھا۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ میں نے کہا رنگون سے آیا ہوں، وہ اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ اس درخت کو جب دیکھتا ہوں مجھے رونا آجاتا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا

---

[1] مقدمہ مذکورہ صہ ۱۷

کہ مجھے حضرت قبلہ عالم نے بُلا کر حکم دیا کہ تم میری طرف سے تحائف و ہدایا لے کر حج بیت اللہ شریف و زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے جاؤ، اور یہ اشیاء وہاں پر فلاں فلاں لوگوں کو دے دو۔ میں حیران ہوا کہ خداوندا یہ کام مجھ سے کیونکر سرانجام ہوگا۔ میں تو بہت سوتا ہوں مجھے کوئی ٹکڑے ٹکڑے کر دے جب بھی بیدار نہیں ہوتا ہوں اور یہ دُور دراز کا سفر ہے مگر آپ کے سامنے انکار نہ کر سکا۔ حضور پُرنُور نے سفر کا سامان تیّار کر کے مجھے رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ چند قدم لئے جب اس توت کے درخت کے پاس حضور پہنچے تو اس درخت کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ اے توت تو اس شخص کی نیند کو اپنے پاس امانت رکھ لے۔ پھر آپ نے میرے لئے دُعا فرمائی۔ میں آپ سے رخصت ہو کر حسن ابدال ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ وہاں سے بمبئی کا ٹکٹ لے کر بمبئی پہنچا۔ اس تمام ریل کے سفر میں صرف دو تین منٹ کی اونگھ آتی جس سے میری طبیعت آسودہ ہو جاتی، نیند قطعاً نہیں آئی۔ بمبئی سے جہاز میں سوار ہو کر جدہ، مکّہ مکرّمہ پہنچا۔ تمام مناسک ادا کر کے اور ضروریات سے فارغ ہو کر مدینہ منوّرہ حاضر ہوا۔ تمام تحائف متعلّقہ لوگوں کو پہنچا کر واپس چھوہر شریف پہنچا۔ اور اس تمام سفر میں نیند نہیں آئی۔ جب آستانہ پر پہنچکر آپ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ اپنی امانت لے لی۔ بس پھر کیا تھا نیند نے آدبوچا۔ مسجد میں جا کر سو گیا۔ نیند کے غلبہ سے چند وقت کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ آدھی رات کو آپ نے خود بنفسِ نفیس آکر جگایا اور فرمایا کہ روٹی کھا کر پھر سو جاؤ۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد قبلہ سید صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذوی العقول اور نباتات وغیرہ مخلوقات بھی آپ کے تصرّف میں تھی، نیز بشری لوازمات نوم و تیقظہ وغیرہ کیفیات غیر محسوسہ بھی آپ کے

تصرّف میں مُنسلک تھے۔"

آپ کی اسی توجہ کاملہ کی برکت اور نورانیت سے ہزاروں میل دُور آپ کے اور آپ کے خلفاء کے مُریدین نیکوکار، نماز گذار، تہجد گذار اور اولیا بن گئے۔ بڑے بڑے فاجر اور بدکار جب آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے تو وہ لوگوں کے لئے ہادی بن گئے۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُمّی (بے پڑھے) تھے، صرف قرآن مجید اپنے اُستاد سے پڑھا تھا، باقی علوم متداولہ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق وغیرہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھے، اور نہ ہی خط آپ نے کسی سے لکھنا سیکھا، مگر اللہ جلِ جلالہٗ نے آپ کو علم لدنی سے نوازا تھا، علماء بہت ہی اُلجھے ہوئے مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ نہایت ہی سہل طریقہ پر ان مسائل کو حل فرما دیتے اور علماء اقرار کرتے کہ آپ صاحبِ "علم لدنی" ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں ان روحانی تصرفات، کرامات، مکشوفات اور تدابیر عالمِ اجسام کے علاوہ دو کارنامے ایسے کئے ہیں کہ ہر ایک حق شناس آپ کے ان ہر دو کارناموں کو رہتی دُنیا تک قدر و عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرے گی۔ ایک تو "دارالعلوم رحمانیہ اسلامیہ" ہری پور۔ اور دوسرا آپ کی تصنیف لطیف "مجیر العقول فی بیان کمالات عقل العقول المسمٰی بہ مجموعہ صلوٰت الرسول" ہے۔ اس کتاب کو آپ نے بارہ سال، آٹھ مہینے اور بیس۲۰ دن میں لکھا۔ یہ کتاب درود شریف کی طرز پر تیس پاروں میں منقسم ہے۔ ہر پارہ کا الگ عنوان ہے اور وہ عنوان حضور اکرم عالم علوم

اولین و آخرین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل پر ہے۔ یہ کتاب پہلی بار آپ کے ہی ارشاد پر آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید احمد صاحب سری کوٹی نے چھپوائی اور اس کے اخراجات سیٹھ احمد اللہ صاحب کیاؔ اور رنگون کے دوسرے مریدین نے برداشت کئے۔ پھر دوسری بار ۱۹۵۳ء میں حافظ سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے زر کثیر خرچ کر کے تین جلدوں میں پشاور سے شائع کی۔

اس کتاب کی تعریف و توصیف بیان سے باہر ہے، اس کتاب کی قدر وہی کر سکتا ہے جو اس کا مطالعہ کرے۔

جناب حافظ سید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ "آپ نے اپنے علوم و معارف، اپنے جذباتِ عشقیہ، اور تصرفاتِ عالم ملکوت و ناسوت اور علوم حقائق وجوبیہ قدیمیہ ازلیہ اجمالیہ، اور علوم مراتب صفاتیہ امکانیہ تفصیلیہ اور اقسام مراتب توحیدیہ، وجودیہ اور شہودیہ، وغیرہ کمالات کو اس کتاب میں اجمالاً و تفصیلاً اشارۃً و کنایۃً بیان فرما دیا ہے۔ یہ کتاب آپ کے کمالات پر شاہد عدل ہے۔ یہ کتاب آپ کے حسن و جمال کا مظہر اتم ہے۔

اس کتاب کے علوم کا ماخذ و منبع قرآن حکیم و احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کے اوراد، اور وظائف سو سے زائد کتب معتبرہ سے نقل کئے گئے ہیں....

یہ کتاب برزخ وجوب و امکان کے معیت میں پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ دائرہ اولیاء امکانیہ کے مرکز نا علی سے اس کتاب کے علوم لئے گئے ہیں۔ چونکہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صفت علیہ واجب الوجود ہے۔ اس واسطے قرآن حکیم نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ذاتیہ اجمالیہ کا اظہار فرمایا اور یہ کتاب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات

صفاتیہ تفصیلہ کو طرزہا متعددہ کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ چونکہ ذات محمدی ذات واجب الوجود کے لئے صفتِ اولیٰ اور ممکنات کے لئے ہیولیٰ ہے اجمالاً اور صفات وکمالات محمدی واجب الوجود کے صفتِ ظاہر کے لئے مظہر اتم ہیں۔ تفصیلاً، تو شاہنشاہ زمان خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عبدالرحمان صاحب قدس سرہٗ العزیز نے اپنی کتاب لاجواب میں عقل اول یعنی صفتِ حقیقیہ ذاتیہ اولیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن فائقی وکمالِ صفاتی کو اجمالاً وتفصیلاً بطرز عجیب وترتیبِ غریب اس طور پہ بیان فرمایا ہے کہ بڑے بڑے علمائے کاملین وعرفائے راسخین حیرت ودر حیرت ہیں[1]" اور یہ کتاب ایک اُمی نے لکھی جو علوم مروجہ سے نابلد تھا جس کا کوئی اُستاد نہیں تھا:

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آپ کے تین صاحبزادے تھے (۱) مولانا مولوی فضل الرحمان صاحب المعروف "چن پیر" یہ فوت ہو چکے ہیں۔ (۲) صاحبزادہ حاجی محمد فضل سبحان صاحب (۳) صاحبزادہ محمود الرحمٰن صاحب - یہ صاحب سجادہ ہیں آپ کے صاحبزادہ شاب الصالح عالم وفاضل مولینا مولوی طیب الرحمان صاحب ہیں اللہ تعالےٰ زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کی وفات بعمر اسّی برس بروز شنبہ بعد از نماز مغرب بتاریخ یکم ذی الحج ۱۳۴۲ھ بمقام چھوہر شریف ہوئی۔

---

[1] مقدمہ مذکورہ بالا ص۱۹-۱۸

حضرت آقا سید سکندر شاہ صاحب قادری چشتی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۶۶ھ تا سنہ ۱۳۳۱ھ

آپ کا اسمِ گرامی سید سکندر شاہ صاحب والد گرامی مرتبت کا اسم شریف سید میر محی الدین صاحب، لقب سلطان المشائخ، اور گورگٹھڑی والے "آغا صاحب" کے نام سے مشہور تھے۔

آپ حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت محدثِ اعظم مرشدنا و مولینا سید شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ پشاور میں آپ کے چچا حضرت سید میر عیسیٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں تشریف لا چکے تھے۔ آپ کے والد اور آپ کے چچا حضرت میر رسول شاہ صاحب کو حضرت میر عیسیٰ شاہ صاحب نے کشمیر سے بلوا کر اپنی دو صاحبزادیاں ان ہر دو حضرات کے حبالۂ عقد میں دے دیں۔ سید میر رسول شاہ صاحب کی اولاد بچپن ہی میں فوت ہو گئی، اور جناب سید میر محی الدین شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے ایک آنجناب اور دوسرے سید میر اسحاق شاہ صاحب۔

جناب آقا سید سکندر شاہ صاحب نے دینی تعلیم کے حصول کے لئے بہت ہی

محنتِ شاقہ اُٹھائی، اور ریاستِ کشمیر و جموں گئے اساتذہ سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ پشاور میں جناب حضرت العلامہ سر آمد علماء مولینا مولوی میاں نصیر احمد صاحب بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے کافی سفر کر کے دینی تعلیم کو مکمل کیا اور علوم مروجہ سے فراغت حاصل کر کے عالم و فاضل ہو گئے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت علامہ شیخ المشائخ آغا سید اکبر شاہ صاحب المعروف آغا پیر جان صاحب پشاوری سے فیض حاصل کیا اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شمس العارفین خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا آپ بڑے بڑے اکابر مشائخ کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیوضاتِ باطنی سے مالامال ہوئے۔ گوالیار میں ایک فقیر صاحب کی خدمت میں پہنچے اِن سے بھی آپ کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

آپ کی ذات والاصفات پشاور، لاہور، چونیاں، قصور اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو آپ کے ہزارہا کی تعداد میں مُریدین تھے باعثِ رحمت و افتخار تھی، آپ اِنتہائی درجے کے متورع، زاہد مرتاض، عالم و فاضل اور عارفینِ کاملین سے تھے۔ اگرچہ آپ عزلت پسند تھے اور شہرت سے نفرت کرتے تھے مگر آفتاب کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتا، اس آفتابِ ولایت کی شعاعیں خود ہی بتا رہی ہیں کہ آفتاب موجود ہے۔

آپ کی مجلس میں علماء، فقراء، صلحاء اور اُمراء کا ہر وقت اجتماع رہتا اور کسی نہ کسی دینی مسئلہ پر گفتگو رہتی۔ پشاور میں آپ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس نے سلسلہ چشتیہ کو روشن کیا، اور حلقہ ارادت قائم کیا۔ تمام بزرگانِ کرام کے عرس نہایت ہی اہتمام اور

ادب و احترام کے ساتھ منعقد کرتے۔ اور خصوصاً ربیع الثانی شریف کی گیارھویں تاریخ کو حضور غوث اعظم قطب ربانی محبوب سبحانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کو بہت ہی شان اور عظمت سے کرتے۔ تمام دن لنگر تقسیم ہوتا اور تمام رات ذکر الٰہی کے حلقے رہتے[1] اور آپ توجہ کاملہ کے مالک تھے۔ جب مریدین پر توجہ فرماتے تو مرغ بسمل کی طرح مریدین تڑپتے رہتے۔ آپ کے مریدین پر "حال" اور "جذبہ" بہت غالب تھا۔ صاحب اسرار التوصف[2] فرماتے ہیں۔ "آپ کی توجہ باطنی میں کچھ ایسی کشش و تاثیر ہے کہ کیسا ہی منکر ہو ایک ہی توجہ میں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اپنے فیوض باطنی میں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اسی کشش دلی و جذب باطنی سے بے شمار مرید صاحب سیر سلوک ہو گئے ہیں۔"

پشاور کے سادات میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ان سادات میں میت ہو جائے تو جنازے کے آگے ذکر الٰہی کے حلقے کرتے ہوئے میت کو شہر کے دروازے تک پہنچا کر دعا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خاندان میں ایک میت[3] ہو گئی، جنازہ گور گھٹڑی کے سامنے پہنچا۔ میت کے آگے آپ کا حلقہ، ذکر، ذکر الٰہی میں مصروف تھا۔ آپ حلقہ کے وسط میں مراقب تھے۔ حلقہ میں چیف جسٹس جناب شیخ عبدالحمید صاحب کے والد شیخ غلام رسول صاحب مرحوم وجد و حال میں مصروف تھے۔ تحصیل کے دروازہ پر ایک پولیس کا سپاہی ڈیوٹی پر تھا وہ جناب شیخ صاحب مرحوم کے وجد و رقص پر مذاق

---

[1] الحمدللہ کہ آج کے دن تک آپ کی خانقاہ قائم ہے اور اسی طرح عرس ہوتے ہیں۔

[2] ص ۱۱۶۔ [3] آقا سید بزرگ شاہ صاحب گنج والے کی اہلیہ تھی۔

اور ہنسی کر رہا تھا۔ آپ نے مُراقبہ سے سر اُٹھا کر اُس سپاہی کی طرف دیکھا اس کی غلاق اور ہنسی کو دیکھا۔ جناب آقا صاحب مرحُوم نے اُس پر توجہ فرمائی۔ آپ کے دیکھنے کے ساتھ ہی وُہ سپاہی بمعہ بندوق وردی کے حلقۂ ذکر میں وجد و حال میں مصروف ہو گیا اور روتا پیٹتا رہا۔ آپ نے اُس کو حلقہ سے باہر نکلوا دیا۔ سپاہی کے حواس بجا نہ رہے اور وُہ تھانہ میں بھی بدستور روتا پیٹتا رہا۔ آخر پولیس افسران اس کو لے کر دوبارہ حلقۂ ذکر میں لائے۔ اس وقت میّت چوک قصاباں کے قریب پہنچ چکی تھی۔ آپ نے اُس کی طرف نظرِ کرم سے دیکھا اور وُہ شخص ہوش میں آگیا۔ اور اُس سے وہ کیفیّت جاتی رہی۔ آپ نے اُس کو نصیحت فرمائی کہ اللہ والی مخلوق پر مت ہنسا کرو، اور فرمایا ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

پشاور شہر اور لاہور میں آپ کے مُریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہر طبقہ کے افراد آپ سے عقیدت رکھتے اور آپ سے اِصلاح پذیر ہوتے۔ جہاں پر آپ فقرا اور متوسط طبقہ کی اِصلاح فرماتے۔ وہاں پر آپ اُمرا، اور حکام کی بھی اِصلاح فرماتے چنانچہ صوبہ سرحد کے اعلیٰ حاکم جناب کرنیل محمد اسلم خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتے اور خان بہادر غلام صمدانی خان صاحب تو آپ کے اتنے معتقد تھے کہ اُنھوں نے اپنی دو صاحبزادیاں آپ کے ہر دو صاحبزادگان کے حبالۂ عقد میں دیں۔ اسی طرح پشاور کے 'سردار خیل' اور قاضی خیل اور دوسرے کئی خاندان آپ کے حلقۂ مُریدین میں داخل ہوئے۔ آپ کے وجُود سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو صوبہ سرحد

میں اِس دَور میں کافی ترقی ہوئی - اس وقت اِس علاقہ میں اِس مُبارک سلسلہ کا کوئی شیخ نہیں تھا جو طریقہ چشتیہ کی تبلیغ و ترویج کرتا، اور اس سلسلہ کی اشاعت اِس علاقہ میں ایک بہت ہی مشکل اور کٹھن کام تھا - اِس علاقہ پر طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ کا انتہائی اثر و نفوذ تھا خصوصاً سلسلہ سوات صاحب جو اپنے آپ کو "قادریہ نقشبندیہ زاہدیہ" سے نسبت کرتے تھے - سماع کا سُننا انتہائی گمراہی اور بے دینی سمجھتے تھے - آپ نے اِس ماحول میں (جبکہ پرائے تو تھے ہی، دُشمن اپنوں سے بھی بحث مُباحثہ اور بسا اوقات مناظرہ تک نوبت آتی) ہمت و استقلال اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ اِس سلسلہ کو گھر گھر پہنچایا اور وجد و حال کی مجالس کو قائم رکھا۔

آپ کرامات کے اظہار کرنے میں بہت ہی محتاط تھے، اور اگر آپ سے کوئی کرامت صادر ہو جاتی تو بھی اس کی نسبت اپنی طرف نہ فرماتے - اور اولیاء اللہ کا یہی طریقہ کار رہا ہے - ہزاروں مکشوفات اور کرامات آپ کے مشہور ہیں - اگر اِن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی صورت بن جاتی ہے - آپ کی اکثر کرامات اِصلاحِ حال پر مبنی تھیں۔

آپ کے تصرفات کا یہ عالم تھا کہ اِدھر آپ نے توجہ فرمائی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے وُہ کام پورا فرما دیا - آپ کے رُوحانی کمالات کا اندازہ وُہی کر سکتا ہے جو آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہو - آپ کے ایک مُرید بیان فرماتے ہیں کہ مجلسِ سماع میں جس وقت آپ توجہ فرماتے تھے تو سالک سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ میں مصروف ہو جاتے اور یہ تمام آپ کی نظرِ کرم اور توجہ کاملہ کی طفیل ہوتا۔

آپ نے بہت سفر کئے - حج کا سفر اپنے شیخ گرامی حضرت آغا سید پیر جان صاحب

ہمراہ کیا، اور جس جگہ اور جس شہر میں بھی سُنا کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے آپ وہاں پہنچ جاتے اور اُس شخص کی ملاقات کرتے۔ آپ نے سُنا کہ گوالیار میں ایک فقیر ہے۔ آپ نے رختِ سفر باندھ کر گوالیار کی راہ لی اور اس حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب آپ اُس کو ملے تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ حکیم حسن محمد چوہنیؒ[1] لکھتے ہیں

"چنانچہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ بس دُنیا میں صرف ایک شخص یعنی فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے۔ جو بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے قدمِ مبارک پر قدم رکھ کر چل رہے ہیں۔"

اور فقیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا کہ

"سیّد صاحب آپ کی ہستی کا کوئی بزرگ ہندوستان میں نہیں ہے اور نہ ہی کوئی آپ کی تسلی کر سکتا ہے۔"

آپ نے ان سے خوب فیضِ باطنی حاصل کیا۔ حضرت شیخ المشائخ میاں شیر محمد شرقپوری بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ بلکہ آپ کو ایک بار شرقپور شریف آنے کی دعوت دی اور آپ تشریف بھی لے گئے۔ جلال پور شریف میں آپ حضرت سیّد حیدر شاہ صاحب سجادہ نشین سے ملے۔ یہ آپ کے پیر بھائی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے مرید تھے۔ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کی اکثر ملاقات رہتی۔ لاہور میں حضرت مولانا مولوی غلام قادر صاحب بھیروی خطیب مسجد بیگم شاہی (یہ بھی حضرت سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے)

---

[1] حکیم صاحب موصوف نے ایک کتاب انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ آپ کے حالات میں لکھی ہے غیر مطبوعہ ہے۔ صفحہ ۸۰۔

اور جناب مولینا مولوی سراج الدین صاحب چشتی جو کہ لاہور کے اکابر علماء سے تھے۔ آپ کے پاس آیا کرتے اور فیض و برکات حاصل کرتے۔ موہڑہ شریف میں اس وقت جناب پیر قاسم صاحب نقشبندی زندہ تھے۔ آپ ان کی ملاقات کے لئے بھی تشریف لے گئے۔ مگر ان کی گفتگو سے آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ کشمیر کی سیاحت کی۔ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضر ہوئے اور بزرگ شخصیتوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔

حکیم احسان محمد صاحب لکھتے ہیں۔

"قاضی فضل حق صاحب چونیوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قاضی صاحب آدمی کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر ستر صوفیوں کے درمیان بیٹھا ہو تو ہر ایک کے باطن پر نظر ہو، اور ہر ایک کے دل کی گہرائی کو دیکھ رہا ہو، اور اُس کے دل کو وہ ستر صوفی نہ دیکھ سکیں۔ چنانچہ اس بات کے ثبوت میں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاضی تمہارے دل کو میں اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے ہتھیلی۔ لیکن حضرت قبلہ عالم کے قلب کی طرف جب خیال کرتا ہوں تو میرے دل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے کہ میری نظر بالکل وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔"

"قاضی فضل حق صاحب چونیوی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں پشاور میں حاضر ہوا تھا کہ ایک مولوی یا صوفی صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے اور انھوں

ے انوار الشیخ فی تذکرۃ الشیخ (قلمی) ص۱۹ قاضی فضل حق صاحب آپ کے صاحب مجاز خلیفہ تھے اور نہایت ہی مؤدب، متواضع صاحب اخلاق حمیدہ بزرگ تھے۔ اپنے شیخ کے عشق میں ہر وقت مستغرق رہتے۔

نے توحید کے بارے میں عرض کیا کہ اولیاء اللہ کے اندر جب اللہ تعالیٰ کا نور روشن ہو جاتا ہے۔ تو بندہ بندہ نہیں رہتا بلکہ خُدا ہو جاتا ہے۔ حضرت قبلۂ عالم نے ذرا تھوڑی دیر خاموشی اختیار کر کے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب ذرا سوچ کر کلام کرو، یہ مقام توحید ہے۔ آپ اِس کی کیفیت نہیں سمجھ سکتے اور آپ نے فرمایا غور کرو کہ جب بندہ بندہ ہے تو خُدا کیسے ہوگیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور جب کسی مکان میں چراغ روشن کر دیا جائے تو روشنی ہو جاتی ہے۔ یہی حالت اولیاء اللہ کی ہوتی ہے۔ آپ نے فوراً فرمایا مولانا جب چراغ بجھا دیا جاتا ہے تو پھر اندھیرا کہاں سے آجاتا ہے۔ گویا اندھیرا اندر ہی موجود تھا کہیں نکل نہیں جاتا۔ مطلب یہ ہوا کہ بندہ بندہ ہے اور خُدا خُدا ہے۔ اگر نورانیت پیدا ہو جائے تو پھر بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔"

چودہ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ بروز پیر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال پر تمام پشاور کے بازار بند کیے گئے۔ ہر شخص اشک بار نظر آتا تھا۔ جنازہ پہ اتنا بڑا ہجوم تھا کہ بہت مشکل سے کندھا دینے کا موقع ملتا۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک کا اسم گرامی سید محمد سعید جان صاحب المعروف آغا جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے کا نام نامی و اسم گرامی سید تجمل حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

آغا سید محمد سعید جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ہی خوبصورت، بارُعب اور انتہائی صاحب عقل سلیم تھے۔ نہایت ہی پاکیزہ اور ستھرا لباس زیب تن کرتے۔ علمی لحاظ سے ایک بلند پایہ محقق عالم تھے۔ علوم متداولہ کی تکمیل کی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگڑھی سے حدیث و ادب پڑھا تھا۔ بے نظیر فقیہہ تھے۔ نہایت متقی، پرہیزگار پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ شاہانہ زندگی بسر کی۔ راہ طریقت میں نیز گام، حقیقت و معرفت

کے رموز و حقائق کے عالم اور شعرائے متصوفین کے کلام پر کافی عبور تھا۔ ۵۶ برس کی عمر میں، ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۱۹۲۵ء کو انتقال کیا۔

جناب آغا سید شریف حسین صاحب صاحب سجادہ ہوئے جو آپ کے بڑے فرزند تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند سید حسن سعید صاحب بی۔ایس۔سی ہیں اور وہ جھنگ میں ڈسٹرکٹ فارسٹ آفیسر ہیں۔

جناب آغا سید سکندر شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے آغا سید تجمل حسین صاحب المعروف آغا گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم، فقیہہ اور معقولی تھے۔ بڑے بڑے اکابر علماء سے تکمیل علوم کیا۔ مگر آپ کی طبیعت مبارک پر سوز و گداز اور عشق الٰہی کا جذبہ غالب تھا۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ کی زندگی کا اکثر حصہ استغراق اور محویت میں گزرا۔ جب آپ پر یہ عالم طاری ہوتا تو آپ دنیا و مافیہا سے بالکل بے فکر ہو جاتے۔ بیوی صاحبہ، بچوں، احباب اور مریدین سے قطع تعلق ہو جاتا، اور بے خبری کے عالم میں کئی کئی مہینے بلکہ سال تک گذر جاتے۔ آخری مرتبہ سنہ ۱۳۶۴ھ میں جب یہ عالم طاری ہوا تو چھ ماہ تک نہ کھانے کی خبر نہ پینے کا علم۔ بلکہ آپ نے نہ چھوٹا پیشاب کیا اور نہ بڑا۔ اسی عالم میں حضرت نور المشائخ ملا صاحب شور بازار[1] رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھنے کے لئے چونیاں (قصور پنجاب) تشریف لے گئے، مگر آپ نے کوئی بات وغیرہ نہیں کی۔ حضرت نور المشائخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لئے دعا کی اور واپس ہوئے۔ اسی استغراقی کیفیت میں ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق سنہ ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا۔

حضرت شاہ محمد غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پہلو کے قریب دفن کیے گئے۔

آپ کے دو صاحبزادے ہیں ایک کا نام سید احمد شاہ صاحب بی اے اور دوسرے کا نام علی جواد صاحب ہے۔

---

[1] ان کا حال الگ لکھا گیا ہے۔

فخر المجاہدین شیخ المشائخ حضرت فضل احد صاحب المعروف حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۶۸ھ تا ۱۳۵۶ھ

آنجناب کا نام نامی و اسم گرامی فضل واحد، لقب فخر المجاہدین، شیخ الافاغنہ اور مشہور حاجی ترنگزئی ہے۔ آپ پیر بودلہ کی نسل سے اور خاندان پیران ترنگزئی[1] سے ہیں۔ آپ کی پیدائش اسی گاؤں میں ۱۸۴۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے بعد علاقہ آزاد قبائل کے مشہور و معروف مجاہد کبیر عالم اجل، صاحب استقامت و کرامت حضرت نجم الدین[2] صاحب المعروف "ہڈہ ملا صاحب" کی خدمت میں بمقام چمرکنڈ حاضر ہوئے اور مرید ہوئے۔ کافی عرصہ مرشد عالی مقام کی خدمت میں رہ کر مجاہدات و ریاضات کیے۔ ذکر و فکر، مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف رہے۔ نیز اپنے مرشد گرامی قدر کی معیت میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی مصروف رہے۔ جناب مجاہد اعظم "ہڈہ ملا صاحب" کی وفات کے بعد سلسلہ مبارکہ کے باقی اسباق اپنے پیر و مرشد کے

---

[1] موضع ترنگزئی، تحصیل چارسدہ میں چارسدہ سے تقریباً اڑھائی تین میل پہ ایک گاؤں ہے۔

[2] آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰحضرت اخون سوات صاحب کے خلیفہ تھے۔

خلیفہ مجاز جناب حضرت صوفی صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے مکمل کر کے صاحبِ مجاز اور معنعن ہوئے۔

صاحبِ مجاز ہونے کے بعد ارشاد و تبلیغ شروع کر دی، اور اپنے گاؤں تزگزئی میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا "لنگر" جاری کر دیا۔ آپ اپنے گاؤں میں بیٹھے نہیں بلکہ اصلاحِ اعمال اور تہذیب النفوس کے لئے گاؤں گاؤں پھرے، ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر داخلِ بیعت ہوئے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے اپنے مشائخ کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے طریقہ پر چلتے ہوئے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا سلسلہ شروع کر دیا۔ غیر اسلامی مراسم اور بدعات کے خلاف عملاً جہاد کیا۔ عقدِ بیوگان کرواتے، ایک ایک دن میں بغیر کسی قسم کی خوشیاں منانے کے چالیس چالیس ختنے کرواتے۔ لوگوں کے جھگڑے اور تنازعات شریعتِ محمدیہ کے مطابق فیصلے کرتے۔ آپ کے یہ مساعیٔ جمیلہ دیکھ کر علماء کا ایک خاصہ گروہ آپ کے گرد جمع ہو گیا۔ جن کو آپ نے مختلف مرکزی مقامات پر مدارس بنا کر مدرس کر کے مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لئے مامور فرما دیا۔ نیز آپ نے ان تمام علماء اور رفقاء کو ایک منظم صورت دے کر ذہنی بیداری کی ایک تحریک شروع کر دی۔ آپ نے ایک تعلیمی بورڈ بنایا جو کہ پچاس مدارس اور ایک مرکزی دارالعلوم (جو گدر[1] کے مقام پر تھا) کی مکمل نگرانی کرتا۔ اس مجلس میں چیدہ چیدہ علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات تھے۔ وہ مجلس ان حضرات پر مشتمل تھی۔

---

[1] موضع گدر، تحصیل صوابی ضلع مردان میں ہے۔

۱۔ تاج الدین صاحب بی۔ اے، سکنہ بغدادہ مردان۔

۲۔ مولینا مولوی شاکر اللہ صاحب، سکنہ اتمانزئی۔

۳۔ مولینا مولوی قاضی سمیع الحق صاحب کڑوی۔

۴۔ مولینا مولوی قاری عبدالمستعان صاحب، اکبرپورہ۔

۵۔ مولینا مولوی سید زمان شاہ صاحب ساکن لاہور، تحصیل صوابی۔

۶۔ مولینا مولوی عبدالعزیز صاحب، اتمان زئی۔

ان میں سے کچھ تو آپ کے ساتھ بعد میں ہجرت کر گئے اور کچھ انگریزوں کی جیلوں میں فوت ہو گئے۔ ان مدارس میں نصابِ تعلیم عربی، اُردو، فارسی، حساب، جغرافیہ، تاریخ، دینیات، طبیعات اور انگریزی تھا۔ مذہبی تعلیم لازمی مضمون تھا۔ ۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۱۳ء تک یہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ جب آپؒ نے ۱۹۱۳ء میں ہجرت کی تو یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

آپ کی ان سرگرمیوں کو فرنگیوں نے بہت ہی مشکوک نظروں سے دیکھا اور ۱۹۱۰ء میں آپ کو بمعہ رفقاء کے گرفتار کر لیا۔ پھر آپ کو ضمانت پر رہا کر دیا۔ مگر آپ کے رفقاء کو تین تین سال قید کر دیا۔ اس عرصہ میں آپ کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

۱۹۱۳ء میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب نے صوبہ سرحد میں ایک کالج کھولنے کا انتظام و انصرام کیا۔ چند معتقد اور معتمد حضرات بمقام حاجی آباد یعنی آپ کی خانقاہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "ہم صوبہ سرحد میں ایک اسلامی دارالعلوم بنانا چاہتے ہیں اس لئے آپ بنفسِ نفیس اس دارالعلوم کی سنگِ بنیاد رکھیں"۔ اس وفد میں

پشاور شہر کے مشہور و معروف تاجر سیٹھی کریم بخش صاحب مرحوم بھی تھے جنھوں نے اسلامیہ کالج کی جامع مسجد کی تعمیر کا ذمّہ لیا تھا۔ انھوں نے آپ کو بہت مجبور کیا کہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد آپ ہی رکھیں گے۔ آپ نے منظور کر لیا۔ تاریخ مقررہ پر آپ بمعہ اپنے رفقاء کے پہنچ گئے۔ مگر انگریزی تعلیم کے مقابلہ میں دینی تعلیم کے نہ ہونے پر آپ نے سنگِ بنیاد رکھنے سے انکار کر دیا، اور بھرے اجتماع سے بمعہ متعلقین کے اٹھ کر چلے گئے[1]۔ اسی روز آپ کافور ڈھیری سے براستہ متھرا، میاں گجر، بانڈہ ملّا حان[2] تشریف لے گئے۔ رات وہاں قیام کیا اور صبح کو براستہ لنستہ، ترنگزئی پہنچے، آپ اُس وقت سفید گھوڑی پر سوار تھے۔ اب اربابِ حکومت نے آپ کے خلاف ایک انتقامی صورت اختیار کر لی، اور آپ کی تبلیغ، اصلاح اور ارشاد پر کڑی نگرانی رکھ کر آپ کو بہت زیادہ پریشان کیا گیا یہاں تک کہ پھر آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے آپ کو جب اس بات کا علم ہُوا۔ تو آپ بمعہ اپنے تینوں فرزندوں اور بعض رفقاء کے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کر کے علاقہ آزاد کے مہمند قبائل کی بے آب و گیاہ پہاڑیوں کی طرف کوچ کر گئے۔ انگریزوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے اس مردِ مومن کی مسجد کی دیواروں کو مسمار کر دیا۔ اِس پیکرِ صداقت و استقامت کی زمین کوڑیوں کے مول نیلام کر دی گئی۔ آپ کا تعاقب کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے آپ برطانیہ کی عملداری سے بخیریت نکل گئے۔

---

[1] پھر غالباً خواجہ عبدالرحمٰن صاحب چھوروی (ہری پور) نے سنگِ بنیاد رکھا۔

[2] بانڈہ ملّا حان میں الحاج ملک محمد زرین صاحب مرحوم کے ہاں مہمان تھے۔

حضرت حاجی صاحب نے علاقہ آزاد مہمند میں اپنا مرکز قائم کر کے سلسلہ رشد وہدایت شروع کر دیا۔ لنگر بھی جاری کیا۔ جس طرح ترنگزئی میں اژدھام تھا اب اس سے بڑھ بڑھ کر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ آپ ارشاد و تبلیغ کے لئے بنیر، باجوڑ اور دیگر قبائل میں بھی تشریف لے جاتے۔ انگریزوں کے لئے آپ کا ان پہاڑوں میں نکل جانا بہت بڑے خطرے کا باعث سمجھا جانے لگا۔ اور فرنگی کا طریقہ ہے کہ ایک چیز کا سرا دوسری چیز سے ملاتا رہتا ہے۔ انھوں نے اپنے سازشی دماغ سے حاجی صاحب کو بھی ایک چالباز سیاسی آدمی سمجھ رکھا تھا (استغفر اللہ) اور وہ آپ کو ہندوستانی ہندوؤں کا ایجنٹ سمجھ کر آپ کو پریشان کرتے تھے۔ حالانکہ آپ غریب، نادار، مفلس، مفلوک الحال اور دین اسلام سے غافل مسلمان کی اصلاح کر کے اُس کو اپنے پاؤں پر خود کھڑا کرنے چاہتے تھے۔ اور مصلح اور لیڈران کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے عزت اور فخر سمجھتے تھے۔ آپ کا اپنا طریق تبلیغ تھا، اپنا سلسلہ طریقت تھا اپنا طریق جہاد تھا۔ اور انسانیت دوستی کا اپنا طریق درس تھا۔ آپ اپنے مشائخ حضرت امام المجاہدین اخون صاحب سوات، حضرت مجاہد اعظم ہڈہ ملا صاحب وغیرہ وغیرہ کے طریق ہدایت کے پیرو تھے۔ ان کا اپنا معرفت الٰہی کے حصول کا نبوی طریقہ تھا۔ ان کے اپنے وطن کا اپنا ماحول تھا جس کو سمجھ کر وُہ خود اپنے مسائل کو حل کرتے تھے۔ کسی ہندوستانی کے پیرو یا مقلد نہیں تھے۔ بلکہ افغان قوم کو اسلام کی برادری کی بنا پر متحد و متفق کرنا آپ کا کام تھا۔ اسی لئے آپ "شیخ الافاغنہ" کہلائے۔

آپ نے ہجرت کے بعد تمام آزاد قبائل میں سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیض عام کیا۔ بڑے بڑے علماء، ملک خوانین اور اُمراء آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

آپ کے اِس اثر و نفوذ سے انگریزوں کی خارجہ پالیسی (جو آزاد قبائل کے بارے میں تھی) کو مستقل خطرہ لاحق ہو گیا، آپ کے بنیر کے قیام میں انگریزوں نے بھاری فوج کے ساتھ بنیر پر حملہ کر دیا۔ حضرت شیخ الافاغنہ رحمۃ اللہ علیہ بمعہ مریدین مخلصین اور معتقدین کے بمقام "سرکاوی" انگریزی فوج کے مقابل ہوئے مسلمانوں کے اِس لشکر کا سپہ سالار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا صاحبزادہ جناب فضل اکبر المعروف بادشاہ گل صاحب مدظلہ، العالی تھے۔ اِس لڑائی میں پشاور شہر کے مشہور سیاسی کارکن اور مجاہد حکیم محمد اسلم سنجری، اکبر پورہ کے مشہور عالم قاری محمد ادریس صاحب مرحوم، مٹیارہ کے قاضی شیر رحمان اور سید توران شاہ وغیرہ وغیرہ کافی اصحاب شریک تھے۔ اِس لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور انگریزوں کو شکستِ فاش نصیب ہوئی اِس شکست کے بعد انگریزوں نے دولت کے خزانے کھول دیئے۔ علاقہ بنیر کے خوانین اور ملکوں نے چھ ماہ تک تو آپ کا ساتھ دیا، مگر پھر دولت کے لالچ نے ان کو اندھا کر دیا، اور انھوں نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ آپ بنیر سے نکل کر سوات تشریف لائے۔ سوات کے لوگوں نے آپ کی آؤ بھگت بہت کی۔ مگر جہاد کی فضا سازگار نہ دیکھ کر آپ ریاست دیر تشریف لے گئے۔ نواب دیر نے انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کر کے نہایت ہی مایوس کن جواب دیا۔ آپ نواب کے ہاں نہ ٹھیرے اور قافلہ آزاد قبائل مہمند کی سینکڑوں میل با پیادہ سفر طے کرتے ہوئے مجاہد آباد چمرکنڈ میں آ کر رُکا۔ آپ نے مجاہد آباد میں بیٹھ کر قبائل کی طرف وفود بھیجے، اور جہاد کے لئے ایک منظم تحریک چلانے کے وسائل پر غور کیا۔ آپ نے حضرت مجاہد کبیر نجم الدین صاحب المعروف ہڈہ ملا صاحب کے بزرگ اور مقدس خلفاء کو دعوت نامے لکھے۔ ان مجاہدین

کے اسماء یہ ہیں :۔

مُلا صاحب چکنور، مُلا صاحب تگاؤ، مُلا صاحب ماکڑہ، مُلا صاحب سرکائی، بادشاہ صاحب اسلام پور اور اُستاد صاحب ہڈہ شریف، اِن تمام حضرات نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ سرداران قبائل مہمند، موسیٰ خیل، صافی، کوڈا خیل، قندھاری، حلیم زئی اور ترک زئی بھی آپ کی دعوت پر مجاہد آباد پہنچ گئے۔ اِن تمام مشائخ اور سرداروں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مہمندوں میں مستقل سکونت اختیار کریں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ "میرا نصب العین جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور مخالفتِ برطانیہ، انگریزوں نے علاقہ بنیر میں میری تحریک کو ناکام بنانے کے لئے دولت کے ڈھیر لگا دیئے اور لوگوں نے دولت کے لالچ میں آ کر مجھے اور میرے رفقاء کو تکلیف پہنچائی۔ مجبوراً مجھے بنیر، سوات اور دیر کو چھوڑنا پڑا، اگر آپ لوگ دولت کی لالچ میں آ کر میدانِ جہاد سے فرار اختیار کرلیں تو اسی صورت میں یہی بہتر ہوگا کہ آپ مجھے اسی جگہ یعنی مجاہد آباد میں آرام سے رہنے دیں اور واپس چلے جائیں"۔

تمام قبائل کے سرداروں نے آپ کو یقین دلایا اور ایک تحریری معاہدہ پر تمام علماء، مشائخ اور سردارانِ قبائل نے دستخط کر دیئے۔ اِسی وعدہ کے مطابق حضرت حاجی صاحب نے اِس جگہ پر جہاں کہ اب آپکی آخری آرام گاہ ہے یعنی "غازی آباد"[1] میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس جگہ آپ کو بہت تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مگر ایک تکلیف

---

[1] "غازی آباد" کا اصل نام "سُرخ کمر" ہے۔ سُرخ کمر ایک خشک پہاڑی ہے۔ جس کے اِرد گرد تینوں طرف بلند بلند فلک بوس پہاڑ ہیں۔ زمین بہت سخت پتھریلی ہے ؎

بہت ہی پریشان کن تھی اور وہ یہ کہ اِس مقام پر پانی نہیں تھا صرف ایک معمولی سا چشمہ تھا جس کے گرد جناب گڈ ملا[1] صاحب نے ایک چھوٹا سا تالاب بنا رکھا تھا اِس میں پانی جمع ہوتا تھا تو کل بارہ آدمی اِس سے وضو بناتے تھے۔ آپ کا یہ قافلہ ایک سو بیس افراد پر مشتمل تھا اور پانی مشکیزوں میں بہت دور سے لایا جاتا جو کہ ایک جانکاہ مسئلہ تھا۔

جناب حضرت حاجی صاحب ایک دن صبح کی نماز کے بعد ان ساتھیوں کو ساتھ لے کر اس چشمہ آب پر تشریف لائے۔ آپ نے دُعا فرمائی اور اپنے دست مبارک کو اس چشمہ کے منہ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی یا مُفتح الابواب افتح لنا ابواب الخیر والرحمۃ آپ نے جب دست مبارک اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اِس چشمہ کے سوتے کھول دیئے۔ وہ چشمہ جس سے تمام دن میں پانی جمع کرنے کے بعد صرف بارہ آدمی وضو کرتے تھے۔ اب اِسی چشمہ سے آپ کی کرامت سے ۴ پن چکیاں چل رہی ہیں اور اس کے گرد و نواح کی زمین تقریباً ۴ میل تک اِس چشمہ سے سیراب ہو رہی ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ط۔

---

[1] گڈ ملا صاحب کی شخصیت بھی عجیب و غریب شخصیت تھی۔ یہ صاحب اِس سُرخ کمر میں کافی عرصہ سے مُقیم تھے۔ تقریباً حاجی صاحب کی اس جگہ کی آمد سے پہلے یہ صوفی فقیر منش بزرگ ۲۰ برس پہلے یہاں پر ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کر رہا تھا۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو کہا کہ حضرت یہاں پر عید اور جمعہ کو بھی دس بارہ آدمی ہوتے ہیں تو اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت، آپ نے فرمایا! کہ اس مسجد کو اللہ تعالیٰ ایک عظیم المرتبہ انسان عطا فرمائے گا، جس کی وجہ سے یہاں اس قدر ہجوم ہوگا کہ یہ مسجد بھی اس کو ناکافی ہوگی۔ آپ کا یہ کشف حاجی صاحب کی تشریف آوری پر سچا ثابت ہوگیا کہ اس مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

آپ نے تبلیغ شروع کردی - وُہی "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" ہو رہا ہے - وُہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے گونج رہے ہیں، مجاہدات و ریاضت ہو رہی ہے - ہر طرف سے یادِ الٰہی کی مقناطیسی قوّت لوگوں کو کشاں کشاں کھینچ رہی ہے - انگریز اُسی طرح اپنی سازشوں اور چالوں سے باز نہیں آتا - اگر رحمانی طاقت انسان کی اِصلاح و فلاح کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے تو دوسری طرف شیطانی طاقت تباہی و بربادی پر کمربستہ ہے - یہ دستورِ جہاں ہے -

موسیٰ و فرعون ، شبیر و یزید

ایں دو قوّت از حیات آید پدید

انگریزوں نے قبائل میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی - اِنہی قبائل میں سے ایک قبیلہ کو آپ کے خلاف بھڑکایا - آپ یہ تمام سازش جانتے تھے - آپ نے جہاد کی تیاری شروع کر دی - آپ نے براستہ "حافظ کور" قلعہ شب قدر پر (جہاں انگریز اِس قبیلہ کے ساتھ مل کر ان مجاہدین کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے) حملہ کر دیا حلیم زئی قبیلہ کے چند افراد آپ کے مقابلہ پر آئے ، آپ نے اعلانِ عام کر دیا -

"چونکہ ہم جہاد کر رہے ہیں اس لئے جو مسلمان قبیلہ بھی انگریزوں کے ساتھ مل کر ہمارے مقابلہ میں آئے گا وُہ مسلمانوں کا اور اسلام کا دشمن متصوّر ہوگا - اُس کے ساتھ بھی وُہی سلوک ہوگا جو کافروں کے ساتھ ہوگا"

جب اس قبیلہ کے ان افراد نے یہ اعلان سُنا تو وہ فوراً انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر میدان سے لوٹ آئے - حضرت حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے لڑائی میں فتح و ظفر عطا فرمایا - دشمن ہزیمت اُٹھا کر واپس ہوا - یہ لڑائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی - اس ہزیمت کا اثر حکومت

سرحد پر بہت بُرا پڑا، حکومت کے حواس باختہ ہو گئے۔ اگر اُس وقت صوبہ سرحد میں غریب عوام کا کوئی بھی خواہ لیڈر ہوتا تو ایک مکمل انقلاب برپا ہو سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے صوبہ سرحد سے انگریزی حکومت کا جنازہ نکل جاتا۔

جب انگریزوں کی اور افغانستان کی تیسری جنگ شروع ہوئی تو یہ مجاہد فی سبیل اللہ اللہ پر توکل کر کے افغانستان کی حمایت میں میدان میں نکل آیا۔ اور حکومت برطانیہ کے علاقہ میں بمقام "گنبد" داخل ہو گیا۔ مگر انگریزوں نے جن قبائل کو اپنی مدد کے لئے حاصل کیا تھا وُہ آڑے آئے۔ اور آپ کو ان قبائل کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور آپ واپس لوٹ آئے۔

۱۹۲۶ء میں حکومت برطانیہ نے ان تمام خطرات پر قابو پانے کے لئے جو اس کو شمال مغرب کی طرف سے ہو سکتے تھے، مہمندوں کے علاقہ میں سڑکیں تعمیر کرنی شروع کر دیں۔ ادھر یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، آپ نے تمام قبائل کو جمع کیا اور ان سڑکوں کی تعمیر کا پس منظر بتایا اور سمجھایا۔ قبائل بھی یہ برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان پر انگریزوں کا کوئی سیاسی یا اقتصادی اقتدار ہو۔ ان تمام قبائل نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد کا عہد و پیمان باندھا، اور فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ انگریزوں پر حملہ کیا جائے ان قبائلیوں کے خلاف قدم اُٹھایا جائے جنھوں نے انگریزوں کی حمایت میں دولتِ ایمان کو فروخت کر رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں ان قبائل پر ہلہ بول دیا۔ وہ قبائل مُقابلہ کی تاب نہ لا کر انگریزوں کے پاس پناہ گزیں ہو گئے۔ انگریزوں نے وفادار قبائل کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس قبائلی جھڑپوں پر تقریباً چار برس مسلسل گذر گئے، اِدھر صُوبہ سرحد کے اندر تحریکِ آزادی پورے عروج پر تھی۔ ۱۹۳۰ء کی سیاسی زندگی ایک

خون سے بھری ہوئی داستان ہے جس پر صُوبہ سرحد کا چپہ چپہ گواہ ہے۔ غریب عوام پر جبر، استبداد، قید و بند، ظلم و جور، کا ایک الم ناک دور تھا جو گزر رہا تھا۔ اور علاقہ آزاد پر غاصبانہ قبضہ سڑکوں کی تعمیر کے بہانے پر، یہ تمام واقعات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مومنانہ فراست کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے۔ علی الاعلان انگریزوں کا ان قبائل کی حمایت پر آجانا حضرتِ شیخ الافاغنہ نے اعلانِ جنگ تصوّر کر کے اس کو قبول کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے ایک لشکرِ جرار تیار کیا۔ اور اس مجاہدین کے لشکر کی قیادت حضرت بادشاہ گل صاحب مدظلہ، کو سونپی گئی۔ ایک طرف جہاز، توپیں، مشین گنیں، اور مسلح افواج۔ دوسری طرف پھٹے پرانے کپڑے، ناکافی اسلحہ اور کھانے کے لئے ستو۔ مگر ہاں ان تمام طاقتوں پر غالب طاقت جس کا نام اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ وہ ان روزہ دار، ذکرِ الٰہی کرنے والوں کے ساتھ تھی۔ اس شرط پر معاہدہ ہو گیا کہ حکومت برطانیہ کوئی ایسا کام نہ کرے گی جس سے یہ شک پیدا ہو کہ برطانیہ اس علاقہ پر اپنا کسی قسم کا اقتدار پیدا کرنا چاہتی ہے، اور حاجی صاحب کے پیرو حکومت انگلشیہ کے حمایتیوں سے تعرض نہ کریں گے۔ مگر انگریزوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور حلیم زئی قبیلہ کے زیرِ نگرانی ۱۹۳۳ء میں پھر سڑک کی تعمیر کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت بادشاہ گل صاحب کے زیرِ قیادت پندرہ سو مجاہدین کا لشکر بھیجا۔ حلیم زئی کے گھروں کو نذرِ آتش کیا، اور موسیٰ نیکہ کی طرف سے جو سڑکیں بنائی جا رہی تھیں ان کو عملاً بے کار کر دیا۔ انگریزوں نے فوراً توپ خانہ اور مسلح دستے روانہ کر دیئے۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مجاہدین نے شجاعت و ہمت کا ثبوت دیا اور حضرت بادشاہ گل صاحب نے شجاعت و دلیری کے وہ کارہائے نمایاں کئے کہ انگریز صلح پر مجبور ہو گئے۔

چنانچہ اس شرط پر صلح ہوگئی کہ "سڑک تعمیر نہیں ہوگی" مگر حکومت برطانیہ نے حسب سابق اپنی طاقت و قوت پر اتراتے ہوئے صلح کی اس شرط کو پورا نہ کیا اور تعمیر سڑک کا منصوبہ پھر تیار کیا۔ چنانچہ مرکزی اسمبلی کے ۱۹۳۵ء کے بجٹ میں یہ منصوبہ رکھ دیا گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب مرحوم نے انتہائی شدت کے ساتھ اس سکیم کی مخالفت کی، اور کافی اکثریت کے ساتھ یہ سکیم نامنظور ہوئی۔ مگر وائسرائے نے اپنے خصوصی اختیارات کے ساتھ اس سکیم کو منظور کر لیا۔ جب اس اللہ کے مقبول عبد نے انگریزوں کی وعدہ خلافی کا یہ عالم دیکھا تو اعلان کر دیا کہ برطانیہ کو اپنے کسی بھی عہد و پیماں کا پاس نہیں۔ اس لئے آزادی کی جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمام قبائل جو کہ بہت ہی غریب، نادار اور مفلوک الحال تھے مگر اپنی آزادی کو برقرار رکھنے پر اپنی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی آواز پر لبیک کہہ کر میدان میں آگئے۔ حضرت بادشاہ گل صاحب کو پھر سپہ سالار بنا دیا گیا۔ آپ لشکر لے کر دریائے سوات کو عبور کر کے اگرہ تک پہنچ گئے۔ انگریز اپنے منصوبہ یعنی "کھڑپہ" کی سڑک کو تعمیر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس مجاہدین کے لشکر نے انگریزوں کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا۔

آج کھڑپہ کی سڑک شہدائے اسلام کی شہادت پر گواہی دے رہی ہے اور انگریزوں کی عہد و خلافی ہوس ملک گیری اور مفلوک الحال، نادار، غریب لوگوں پر بے پناہ ظلم کی یاد تازہ کرواتی ہے۔

جب بھی کوئی سیاح اس سڑک پر سے گزرے گا تو شہداء کی ہمت و استقامت استقلال و صبر کو سنہری حروف سے لکھے گا۔ اور انگریزوں کی سازشوں، چالبازیوں اور ریشہ دوانیوں پر نفرین و ملامت کرے گا۔

آخر کار یہ افلاک کی وسعتوں میں مسلسل تکبیریں بلند کرنے والا مجاہد اعظم غوث وقت، شیخ المشائخ، شیخ الافاغنہ ۱۸ شوال ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء بروز منگل ظہر اور عصر کے درمیان بمقام غازی آباد واصل بحق ہوئے۔

خواجہ عبدالرحمٰن صاحب نقشبندیؒ بہادر کلی پشاور

۱۲۷۰ھ تا ۱۳۴۰ھ

آپ کا اسم شریف عبدالرحمٰن، والد کا اسم گرامی فیض محمد صاحب اور "بحرِ ذخار" کے خطاب سے ملقب تھے۔

آپ کے والد کابل (افغانستان) سے پشاور تشریف لائے۔ اور پشاور کے محلہ گل بادشاہ جی علاقہ جہانگیرپورہ میں قیام کیا۔ آپ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین جناب پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنیری کی اولاد سے ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد پشاور شہر کے مشہور و معروف محدثِ جلیل حضرت مولانا مولوی محمد ایوب صاحب حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے حضرت علام سے سندِ حدیث حاصل کی۔

یہاں سے تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ لاہور، سہارنپور، دہلی، کانپور ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ میں حضرتِ مولانا مولوی لطائف گل صاحب[1]

---

[1] مولانا لطائف گل صاحب بھی ضلع پشاور تحصیل نوشہرہ، موضع پیر پیائی کے رہنے والے تھے۔

(جو کہ مدرس تھے) کے درس میں شامل ہو گئے۔ دو برس کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ ہی میں تدریس کے فرائض انجام دینے پر مامور ہوئے اور چار برس تک علوم متداولہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ آپ کے علم کا شہرہ تمام بنگال میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ علماء نے آپ کو "بحرِ ذخار" سے مخاطب کیا۔

چونکہ آبائی طور پر زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ آپ کو ورثہ میں ملا تھا اس لئے آپ کا طبعی ... تصوف ... کو باقاعدہ طور پر حاصل کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔

آپ ... سے پشاور تشریف لائے اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم سے بہرہ ور فرمایا۔ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ "بیٹا تم نے علمِ دین بحمد اللہ حاصل کر لیا ہے۔ اب روحانیت اور سلوک و تصوف حاصل کرنے کسی شیخ کامل کی بیعت کرو"۔ نیز فرمایا۔ بیٹا! "پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر حاضر ہو جاؤ اور جو کچھ وہاں سے ارشاد ہو تعمیل کرو"۔ آپ والدہ کے حکم کے مطابق حضرت شیخ الاسلام والمسلمین پیر بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے۔ حضرت پیر بابا صاحب نے آپ کو خواب میں ارشاد فرمایا۔ "فرزند عبدالرحمٰن! پشاور میں مسجد شیخاں جاؤ وہاں پر ایک شخص سید محمد اصغر شاہ[1] تمہیں ملے گا وہ تمہارا پیرِ طریقت ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو"۔ آپ پشاور مسجد شیخاں پہنچے، تو حضرت سید اصغر شاہ صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ "بیٹا آؤ"،

---

[1] سید اصغر شاہ صاحب پیشن ملا فرقندھار کے رہنے والے تھے۔ موسیٰ زئی شریف کے حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر ولایت صغریٰ تک پہنچے، صاحب تصرف تھے اور کرامات سے موصوف تھے۔

پیر باباصاحب نے بھیجا ہے اور مجھے پیر باباصاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو بیعت کر لو"۔ چنانچہ آپ اسی وقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے۔ آپ کے پیر و مرشد موضع ویہ بہادر میں ایک برس تک آپ کے پاس رہے۔ ظاہری علم سے بہت کم واقف تھے۔ اسی لئے مثنوی مولانا روم آپ سے پڑھی، اور آپ ان کے فیوضات و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

آپ کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ زئی تشریف لے گئے تاکہ اپنے شیخ کے مرشد کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر روحانی تربیت حاصل کریں۔ جب آپ موسیٰ زئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ جناب خواجہ محمد عثمان صاحب حج کے ارادہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بھی وہاں سے حج کا ارادہ کیا اور عازم کراچی ہو گئے۔ آپ کی ملاقات جناب خواجہ محمد عثمان صاحب سے جہاز میں ہو گئی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کے دادا پیر نے تجدید بیعت کر کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت عطا فرما کر صاحبِ مجاز و معنعن فرمایا۔ واپسی پر اپنے ننھال کے گاؤں موضع "بہادر کلی" میں اقامت کر کے سلسلہ رشد و ہدایت شروع کی اور خانقاہ قائم کر دی۔

ہزاروں لوگ آ آ کر سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے لگے اور ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے صوبہ سرحد اور صوبہ سرحد کی ریاستوں میں سلسلہ نقشبندیہ کی خوب اشاعت کی اور قرآن و سنت کی اتباع کی دعوت دی، دُور دراز کے سفر کئے۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ پیدا کیا۔

سنہ ۱۹۲۳ء میں نواب شجاع الملک، نواب چترال پشاور آئے۔ آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر بہت ہی متاثر ہوا۔ اور بقول مصنف "نئی تاریخ چترال (اردو)"[1]

"اعلیحضرت مرحوم سر شجاع الملک کو آپ کے والد (یعنی خواجہ عبدالرحمٰن صاحب) حضرت مغفور سے ۱۹۲۳ء میں پشاور کے سفر کے موقع پر ملاقات کے دوران میں رُوحانی اخلاص و محبت کا واسطہ پیدا ہوا تھا جس کی تکمیل کے لئے اعلیحضرت مرحوم نے ان کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ پشاور میں آپ کا نیاز خاطر خواہ میسر نہ ہوا تھا۔ اس کمی کو کسی دوسرے موقع پر پورا کرنے کی خواہش رکھتا ہوں" چنانچہ نواب صاحب آپ کے مُرید ہوئے۔ مصنف نئی تاریخ چترال لکھتے ہیں[2]۔ "ستمبر ۱۹۳۲ء میں حقائق و معارف آگاہ الحاج حضرت محمد عبدالرحمٰن صاحب نقشبندی یہ خانقاہ بہادر کلی پشاور بادشاہ کی بار بار دعوت پر اپنے مُرشد زادہ حافظ محمد ابراہیم صاحب خانقاہ موسیٰ زئی اور متعلقین کے ہمراہ چترال تشریف لائے۔ چونکہ اعلیحضرت علماء مشائخ کے بے حد قدر دان اور اخلاص و عقیدت کے راز دان ہیں، دونوں مشائخ کا مناسب احترام کیا اور ان کے تعارف و تالیف سے نہایت محظوظ ہوئے۔"

لارڈ برٹن سر جی جلال الدین ایک انگریز تھا اور وہ مسلمان ہوا تھا۔ اُس کی ملاقات بھی آپ سے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں چترال میں ہوئی۔ وہ بھی اِس مُلاقات میں آپ سے اِس درجہ متاثر ہوا کہ فوراً آپ سے بیعت کر لی۔ مصنف نئی تاریخ چترال رقمطراز ہے[3] مشائخ کرام میں سلسلہ نقشبندیہ سے حضرت عبدالرحمٰن صاحب بہادر کلی پشاور، اُن دونوں

---

[1] نئی تاریخ چترال اُردو مصنفہ مرزا محمد غفران مرحوم مؤلفہ لفٹیننٹ مرزا غلام مرتضیٰ (فرزند مصنف) ص ۲۰۶

[2] ایضاً ص ۲۱۲

[3] ص ۲۱۲

چترال میں موجود تھے۔ محترم نومسلم لارڈ سر جلال الدین ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ ملاقات کے لئے پھر ہاتھ آگے بڑھایا، اور اُن سے بیعت بھی کی۔ غرضیکہ اگر آپ کے دست مُبارک پر عام لوگ بیعت ہو کر نیک بنے تو علماء، اُمراء اور صاحبان فہم و فراست بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اصلاح و ارشاد کے حامل ہوئے۔ تقریباً دو ماہ چترال میں قیام کر کے واپس پشاور تشریف لائے اور دوبارہ حج کو گئے۔ پھر تیسری بار ۱۹۳۶ء آپ حج کو تشریف لے گئے، اور اس بار پشاور شہر سے (آپ نے بہ نیت حج) احرام باندھا۔

آپ نہایت ہی کریم النفس، منکسر المزاج، متواضع، ملنسار، شریف النفس صابر اور بردبار تھے، ایک بار آپ نے اپنے مریدین کو فرمایا کہ لوگ مجھے کافر بھی کہیں تو تم میری طرف سے جواب نہ دو۔ آپ علم لدنی سے نوازے ہوئے تھے۔ اور جس وقت بھی کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوتا تو آپ بلا توقف اُس کو حل فرماتے۔ آپ سہارنپور تشریف لے گئے تو علماء کرام کی ایک مجلس میں آپ نے بہ بانگ دہل فرمایا کہ اے علماء کرام اگر آپ کو کسی مسئلہ میں کوئی علمی اشکال ہوں تو اس وقت بیان کریں یہ فقیر انشاء اللہ اس مسئلہ کو حل کر دے گا۔" مولینا مولوی محمد شریف صاحب محدث فرماتے ہیں کہ یہی وجہ تھی کہ علماء نے آپ کو "بحرِ ذخار" کا خطاب دیا تھا۔

آپ کے زہد و تقویٰ، نجابت و شرافت کی وجہ سے پشاور شہر کے علماء صلحاء، اور عوام آپ کی بہت ہی عزت و توقیر کرتے۔ آپ جس وقت بھی سفید گھوڑی پر سوار چادر سر پر ڈالے پشاور کے بازاروں سے گذرتے تو لوگ ادباً احتراماً اپنی دکانوں پر کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کرتے اور انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ دُعائیں کرتے ہوئے

مسجد مہابت خاں نماز کے لئے چلے جاتے۔

آپ کا وصال ۵ ذی الحج ۱۳۴۰ھ بروز جمعرات عشاء کی نماز کے بعد ہوا اور یہ آفتاب سلسلہ نقشبندیہ جمعہ کے دن سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

آپ نے اپنے بعد کافی خلفاء چھوڑے جو اب تک اصلاح، رشد و ہدایت میں مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں :-

مولینا مولوی عبدالمنان صاحب پلوسی، مولینا مولوی سعیدالرحمٰن صاحب مرحوم ساکن محلہ مروی ہا پشاور۔ مولینا مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم بنڈ سلطانی۔ مولینا مولوی صوفی محمد یعقوب صاحب مدرس ڈھاکہ۔ مولینا مولوی پائندہ گل صاحب (سواتی میں زندہ ہیں) مولینا مولوی رحمان الدین (پڑانگ چارسدہ میں زندہ ہیں) سید نذر حسن شاہ صاحب (گلگت میں تھے) مشہور و معروف حاجی عمران صاحب جو تقریباً تمام عمر ہر سال حج پر جاتے تھے آپ کے ہی مُرید تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ اپنے دوسرے صاحبزادہ جناب حضرت مولینا مولوی محمد عزیزالرحمٰن صاحب کو مُرید کر کے خلافت سے نوازا اور خلافت نامہ تحریر کر کے بھی دیا۔ آپ کے سلسلہ کی اشاعت میں آپ بہت ہی جانفشانی کے ساتھ کوشش کرتے ہیں۔ آپ نے جب علوم متداولہ کی تکمیل مکمل کر لی تو پھر آپ کو سندِ خلافت ملی۔

صاحبزادہ محمد عزیزالرحمٰن صاحب والد کی وفات کے بعد پشاور سے کراچی چلے گئے۔ وہاں سے پلوسی سون سیکسر ہوتے ہوئے چترال میں مقیم ہو گئے۔ صاحب نئی تاریخ چترال (اردو) لکھتے ہیں[1]۔

---

[1] ص ۲۰۹ ؛

"موصوف زبدۃ العارفین الحاج محمد عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سجادہ نشین خانقاہ بہادر کلی کے صاحبزادہ ہیں اور ان کا اسمِ گرامی محمد عزیز الرحمٰن صاحب ہے دو تین سال سے چترال میں بمعہ خاندان قیام پذیر ہیں۔ انھوں نے اپنے والدِ بزرگوار سے مسندارشاد سنبھالا، اور ان کے خلیفہ و مجاز مطلق جانشین ہیں، کتبِ تصوف و سلوک کے باوصف متعدد علماء سے علوم ظاہری کی تکمیل کی، اور سرکردہ فضلاء سے ہیں، اور اپنے والد بزرگوار کے فیوضات و توجہات عالیہ سے ہر مقام پر مستفید ہیں۔"

باوجود اس کے کہ آپ کے تعلقات بہت ہی وسیع ہیں۔ علماء، اُمراء اور حکام ریاست سب کے سب آپ کے معتقد اور مخلصین تھے، حتّٰی کہ والیِ ریاست بھی آپ کا انتہائی معتقد اور آپ کی ارادت میں منسلک تھا۔ مگر آپ نے کبھی بھی ان سے کوئی طمع یا لالچ نہیں رکھا، اور نہ ہی کوئی وظیفہ لیا۔ صاحب نئی تاریخ چترال لکھتے ہیں[۱]:

"آپ کے نفقہ کا کوئی انتظام ریاست سے جاری نہیں، لیکن پھر بھی آپ کسی کے محتاج نہیں۔ نفقۃ الغیب سے روزی کا سامان موجود ہے۔"

آپ کا یہی توکل اور استغناء ہے جس سے متقدمین صوفیاء کرام کے اخلاق ہویدا ہیں۔ تمام علماء اور فضلاء آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور علمی کمالات و فضائل کے معترف ہیں۔ صاحب تاریخ چترال لکھتے ہیں: "چترال کے علماء جب آپ سے ملتے ہیں تو علمی فضائل کے مباحث سے اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کے علمی کمالات بلند و وسیع ہیں اور آپ کا سلسلۂ کلام نہایت مؤثر و جاذبِ قلوب ہوتا ہے۔"

آپ نے ایک تاریخ بھی لکھی ہے جو قلمی ہے اور شاہی کتب خانہ چترال میں موجود ہے[۲]۔ لفٹیننٹ مرزا غلام مرتضیٰ رقمطراز ہیں[۳]: "حضرت صاحب کا ایک بے نظیر مجموعۂ روزگار تحفہ کتاب تاریخ باسم حبیب السیر شاہی کتب خانہ میں موجود ہے جو نہایت خوش خط زرافشاں قلمی نسخہ ہے۔"

---

[۱] ص ۲۰۸ [۲] ایضاً [۳] ایضاً

حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب نقشبندی ساکن کوٹلہ محسن خان پشاور

۱۲۷۴ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی عبدالرحیم، والد کا نام حاجی گل نواز، موضع کوٹلہ محسن[1] خان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۷۴ھ بتائی جاتی ہے۔

دینی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے حج کرنے بیت اللہ شریف لے گئے۔ ابتدا ہی سے زاہدانہ زندگی اپنائے ہوئے تھے۔ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھے رہتے۔ بزرگان کرام کی مزارات پر بھی حاضر ہوئے اور استفادہ کیا صحیح العقیدہ اہلِ سنت وجماعت تھے اور اسی مسلک کی تبلیغ و اشاعت فرماتے۔ بزرگان کرام کی توہین کرنے والوں کی صحبت سے منع فرماتے، اور کہتے کہ ان کے دل پر ایک ایسا داغ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ان کے تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ یہی آپ کی نیک سیرتی تھی جو آپ کو نہایت ہی عقیدت، محبت اور ادب و احترام کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئی۔ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

---

[1] کوٹلہ محسن خان پشاور سے مغرب کی طرف ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس فقیر کو پیر کی تلاش اور ضرورت ہے آپ ہادی المضلین ہیں رہنمائی فرمایئے۔" بارگاہِ مقدس و معطر و معلیٰ سے ارشاد ہوا کہ "سرہند شریف" جاؤ تمھیں وہاں پیر مل جائے گا۔" چنانچہ آپ مدینہ منورہ سے سیدھے سرہند شریف پہنچے حضرت امام ربانی محبوب سبحانی کاشفِ علوم حروف مقطعات قرآنی مجدد الف ثانی احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا، کہ "جاؤ تمھیں اسٹیشن پر پیر مل جائیگا" جناب حاجی صاحب جب اسٹیشن پر پہنچے تو آپ کو ایک بزرگ صورت آدمی ملا۔ اور حاجی صاحب کو کہا کہ رامپور کا ٹکٹ لو۔ اور وہاں پہنچ کر محلہ چاہ شور پر حافظ عنایت اللہ صاحب رامپوری رہتے ہیں ان سے بیعت کرلو" فرماتے ہیں کہ "سیدھا اُن کے پاس رامپور پہنچا۔ جب ان کے سامنے ہوا تو آپ وہی شخص تھے جو کہ سرہند کے اسٹیشن پر مجھے ملے تھے، اور وُہ خود حافظ عنایت اللہ صاحب تھے" ۱۸۹۵ء میں آپ حافظ صاحب کے بیعت ہوئے۔

آپ پر اپنے شیخ کی خاص نظر اور توجہ تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ حاجی صاحب خاص طور پر مدینہ پاک کی بارگاہ عالیہ سے بھیجے گئے تھے۔ نتیجتہً بہت ہی قلیل عرصہ میں یعنی صرف تین ماہ میں سلوک کی تکمیل کرلی، آپ اِس عرصہ میں لطائف ستہ سے سرفراز کئے گئے۔ اور شیخ نے آپ کو خلافت سے نواز کر معنعن و صاحبِ مجاز کر دیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اپنے وطن جاکر سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت و تبلیغ شروع کرو"۔ خوب فتوحات ہوئے لوگ جوق در جوق آنے لگے، اور فیض حاصل کر کے بامراد لوٹتے۔ مریدین کو تعلیم سلوک و تزکیہ نفوس کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھاتے۔ اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشکل مقامات کو آسان پیرایہ پر بیان فرماتے

اور نہایت ہی سہل طریقہ پر ذہن نشین کروا دیتے - ہر قسم کے سیاسی جھگڑوں اور کشمکش سے کنارہ کش رہے - بلکہ ایسے تمام جھمیلوں سے نفرت کرتے، اور اپنے مُریدین کو بھی منع فرماتے - آپ مُریدین پر عموماً مغرب کی نماز کے بعد توجہ فرماتے -

آپ نے بہت سفر کئے، اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے - آپ فرماتے تھے کہ "رُوحانی طور پر حضرت خواجہ بزرگ عطائے رسُول خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے مجھے کافی فیض ہُوا ہے" افغانستان میں "حضرت صاحب چار باغ" سے آپ کی اکثر ملاقات رہتی - آپ ان کی بہت تعریف کرتے، یہاں تک فرمایا کہ "آپ یعنی حضرت صاحب چار باغ" مجھ سے اپنے گھر میں یعنی پشاور میں جسمانی طور پر مُلاقات کرتے ہیں حالانکہ وہ افغانستان میں ہوتے تھے" جناب حاجی صاحب فرماتے تھے کہ "مسلسل آٹھ برس تک بیداری کے عالم میں جسمانی طور پر حضور فخرِ دو عالم حضرت محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے"

آپ کے مُریدین صوبہ سرحد، آزاد قبائل، اور مغربی و مشرقی پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں - متبع سُنّت اور صاحبِ حال ہیں - اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت اور عشق رکھتے ہیں - آپ اپنے مُریدین کی تکمیل سال کے عرصے میں کر دیتے تھے -

آپ کے ایک خلیفہ جناب ملک ابرار حسین صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں دوسری بار رامپور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہُوا - تو شیخ نے فرمایا کہ حاجی عبدالرحیم قرآن مجید کی تلاوت کرو - میں نے عرض کیا کہ حضور میری عینکیں پشاور میں رہ گئی ہیں - میرے پیر و مُرشد نے مجھے فرمایا "حاجی میں نے عینکوں کا نہیں کہا بلکہ قرآنِ پاک کی تلاوت کا کہا ہے" حاجی صاحب نے کہا کہ آپ کے اس ارشادِ گرامی

کے بعد یہ ہوا کہ "سنہ ۱۹۵۰ء تک ۱۰۸ برس کی عمر میں بھی بغیر عینک کے روزانہ دس پارہ قرآن مجید پڑھتا ہوں۔" آپ کو ملنے کے لئے تھکال بالا پشاور کے ایک بزرگ جناب ارباب صاحب ملنے کے لئے آئے۔ ارباب صاحب بھی جناب حاجی صاحب سے ایک مسئلہ پر اُلجھ گئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ ارباب صاحب ابھی آپ کو نماز پڑھنی نہیں آتی اور آپ فقیروں سے اُلجھ رہے ہیں، ارباب صاحب نے کہا آپ ہی نماز پڑھا دیجئے۔ حاجی صاحب نے فرمایا اُٹھ اور دو رکعت نفل کے لئے کھڑا ہو جا، ارباب صاحب بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب نماز پر کھڑے ہوئے اور اِدھر حاجی صاحب سر بجیب مراقبہ ہو گئے۔ ارباب صاحب کی نماز کے دوران ہی کیفیت بدل گئی اور گریہ طاری ہو گیا۔ بیعت کر کے حاجی صاحب کے ہو رہے یہ رونا اُس وقت سے آپ پر اتنا غالب ہوا کہ عشقِ رسولؐ میں مرتے وقت تک روتے رہے اور بقول ملک ابرار حسین صاحب ارباب صاحب فرماتے کہ حاجی صاحب کی توجہ کاملہ اور نظرِ عنایت سے روزانہ صبح نماز سے پہلے حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضور غوث اعظم سید شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوتی ہے"۔

آپ کے مریدین صوبہ سرحد، آزاد قبائل، مغربی اور مشرقی پاکستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں، متبع سُنت اور صاحبِ حال ہیں۔ اپنے شیخ سے بہت ہی عقیدت اور عشق رکھتے ہیں۔ آپ اپنے مُریدین کی تکمیل ایک برس میں کرتے تھے۔ آپ کے ۲۵ کے قریب خلفاء ہوں گے۔ ان میں سے اکثر نے سلسلہ نقشبندیہ کی اِشاعت و ترویج کی۔ اُس وقت آپ کا اپنا بیٹا جناب عبد اللہ خان صاحب جو کہ آپ سے بیعت ہیں

اور خلیفہ تیراہ[1] ملا صاحب سے خلافت حاصل کر کے اپنے آبائی سلسلہ کو فروغ دے رہا ہے

ملک ابرار حسین صاحب نقشبندی بیان کرتے ہیں کہ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں علمی طور پر توحید باری اور دیگر مسائل علم کلام میں بہت الجھا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کوئی دلیل ہو تو فرماویں۔ آپ نے نہایت ہی سادگی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ماننا چاہیئے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میں ذہنی اور علمی طور پر ان مسائل میں الجھا ہوا ہوں، اور یہ عقدہ مدلل طور پر حل کیجیئے۔ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اچھا تمھیں دلیل مل جائے گی۔ اس گفتگو کے بعد ایسا ہوا کہ جس وقت بھی کوئی ایسا سوال میرے ذہن و قلب میں پیدا ہوتا تو میں محسوس کرتا کہ ایک شخص میرے شانے کے قریب کھڑا ہے اور اس مسئلہ کے متعلق تقریر کر رہا ہے اور میری اس تقریر سے تسلی ہو جاتی، تمام شکوک زائل ہو جاتے اور میں مطمئن ہو جاتا۔ اور یہ معاملہ چھ ماہ تک ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اب بالکل مطمئن ہوں۔

وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ میں ہوئی۔

---

[1] تیراہ ملا صاحب، حاجی صاحب کا خلیفہ ہے اور لاہور میں امام مسجد ہے۔ بہت ہی برگزیدہ صاحب اوصافِ حمیدہ اور صلاحیت کا مالک ہے۔

جنابِ فقیر خدا بخش صاحب نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۵ھ تا ۱۳۶۵ھ

آپ کا اسم شریف خدا بخش صاحب، والد کا نام میاں عبد الغفار صاحب اور فقیر صاحب[1] کے نام سے مشہور تھے۔ آپ آنکھوں سے معذور تھے۔

آپ کے والد میاں عبد الغفور صاحب کوچہ گل بادشاہ جی صاحب علاقہ جہانگیر پورہ پشاور کے رہنے والے تھے، اور مشہور و معروف چرم کے سوداگر تھے۔

بقول جناب پیر بخش خان صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔ ابتدائے عمر سے ہی عشق

---

[1] مصباح السالکین ص۲۵، مصباح السالکین آنجناب نے چھوٹے سائز کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ فقیر صاحب کے حالات میں قلمبند کیا ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ چار اجزا پر مشتمل ہے۔ جزِ اول میں پیغام اسلام صحیفۂ آسمانی، حقیقتِ روح، نظریۂ توحید اور مقام انسانیت، عروجِ انسانی کے مدارج یعنی نفسِ امارہ، لوامہ اور مطمئنہ پر بحث کی گئی ہے۔

جزِ دوم میں فقیر صاحب کی مختصر سوانح عمری ہے۔

جزِ سوم میں ختم شریف اوراد، دعائیں اور شجرہ شریف ہے۔

الٰہی کا جذبہ آپ کو ودیعت ہو چکا تھا، جس کے آثار بچپن ہی میں نمودار تھے۔

آپ تلاشِ معرفتِ الٰہی میں خوب پھرے اور جس جگہ بھی کسی فقیر، درویش، اور اللہ والے کا پتہ چلا وہاں پہنچے، اور کسبِ فیض کیا۔ بالآخر کامیاب و کامگار ہوئے۔ صاحبِ مصباح السالکین لکھتے ہیں "عہدِ شباب میں وہ فقرا، اور اہلِ اللہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ دنیوی کاروبار سے رغبت قطعاً نہ تھی۔ چنانچہ انھوں نے ہر جگہ سے قلبی فیض حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے"۔

آپ سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں جناب حضرت عباس علی شاہ صاحب نوشاہی کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور صاحبِ مجاز ہو کر سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کا نام غلام علی شاہ رکھا تھا۔

ساری زندگی زہد و ریاضت، عبادت خداوندی اور ذکرِ الٰہی میں بسر کی۔ اپنے طریقہ کے معمولات اور وظائف کے انتہائی پابند تھے، اور جو کچھ خود کرتے اسی کی تلقین بھی کرتے۔ آپ کے مریدین اور عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ دُور دُور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے اور اور آپ کی توجہ کاملہ سے استفادہ حاصل کرتے۔ جناب پیر بخش خاں صاحب ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ لکھتے ہیں۔

"شب و روز ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ آپ کے اِرد گرد ہمیشہ طالبانِ حق کا مجمع جمع رہتا تھا اور ان کو احکامِ خداوندی کی پابندی کی تلقین کرتے ہوئے قلوب کو آلائش سے پاک رکھنے کی ہدایت کرتے۔ آپ کے مریدانِ خاص کا حلقہ صرف پشاور شہر یا اس کے مضافات تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ دُور دراز مقامات تک کے لوگ

اِن سے رُوحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ قرآنی احکام اور سُنّت کے مطابق توحیدِ خالص کی تبلیغ فرماتے تھے۔ سختی کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے اور کرواتے تھے۔ آپ کی زندگی اس تعلیم کا عملی نمونہ تھی۔"

رضائے خداوندی، زندگی کے آلام و مصائب پر صبر و استقامت، خوفِ الٰہی سے قلب پر خشیت کا عالم طاری، بلند خیالی اور عزتِ نفس پر حد درجہ مصر، ہر کام پہ انتہائی محنت اور کوشش کرنے والے تھے۔

آپ کی زندگی کا نقشہ صاحبِ مصباح السالکین نے بہت ہی عمدہ الفاظ میں کھینچا ہے۔ ص۳۱ پر لکھتے ہیں "صاحبِ حال تھے، قلب جاری رکھتے تھے، اور صاحبِ توجہ تھے۔ ہمیشہ یہ افسوس کرتے تھے، کہ کاش صرف نوجوان جوان پاکیزہ سیرت میسّر ہو جائیں جو مجھ سے صرف ذاتِ خداوندی کے طالب ہوں تاکہ میں ان کو پوری روحانی توجہ سے صاحبِ حال بنا دوں، اپنی تمام عمر انتہائی صبر، استقلال اور پامردی کے ساتھ گذری۔ غایت درجہ خوددار اور غیور تھے۔ بنی نوعِ انسان کی خدمت ان کا نصب العین تھا۔ آپ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ تمام زندگی یادِ الٰہی میں گذری اور عشقِ الٰہی میں تڑپ تڑپ کر آخر اپنی جان اس جہان آفریں کے حوالے کر دی۔

آپ کا انتقال بروز سہ شنبہ بتاریخ ۷ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۴۶ء بوقت قریب ظہر ہُوا، دوسرے روز انھیں میرے باغ نزد وزیر باغ میں دفن کیا گیا۔"

مفتئ سرحد حضرت مولٰنا عبدالحکیم صاحب پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۸۴ھ تا ۱۳۴۸ھ

آپ کا اسمِ گرامی عبدالحکیم لقب مفتئ سرحد اور رئیس العلماء تھا۔ پوپلزئی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والدِ محترم میاں حافظ محمد امین صاحب حافظِ قرآن ہونے کے علاوہ صاحبِ علم بھی تھے۔ جناب مفتئ سرحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی "بسم اللہ شریف" آپ کے والد صاحب نے خود فرمائی، انہی سے قرآن مجید حفظ کیا، اور تمام ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں علوم متداولہ کو مکمل کرکے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اپنے علم کی پیاس کو لکھنؤ میں خوب سیراب کیا۔

وہاں سے رامپور کے علماء سے استفادہ کرتے ہوئے اجمیر شریف دارالعلوم معینیہ میں صدر مدرس مقرر کیے گئے۔ (آج تک اجمیر شریف اور دہلی میں آپ مفتئ پشاور کے نام سے مشہور ہیں) ہندوستان کے مشہور و معروف پیر اور بزرگ حضرت جہانگیر شاہ صاحب مرحوم کے فرزندِ ارجمند جناب اقبال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چشتی صابری آپ ہی کے شاگرد تھے۔ سینکڑوں کی تعداد میں علاقہ غیر پنجاب، ہندوستان اور صوبہ سرحد کے علماء آپ کے شاگرد تھے۔

ہندوستان سے واپس تشریف لاکر پشاور شہر میں مدرسہ بستان "دارالعلوم نعلیم القرآن" میں صدر مدرس مقرر کیے گئے۔ آپ کے علم کا شہرہ دور دراز تک پھیلا۔ اور قرآن، حدیث، فقہ، اور معقول کے امام تسلیم کیے گئے۔ فارغ التحصیل علماء آ آکر آپ سے دوبارہ علوم پڑھتے۔ سنتِ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کا مکمل نمونہ تھے۔ اخلاقِ حمیدہ و کریمانہ کو آپ کی ذات پر ناز تھا۔

اگرچہ آپ کسی سلسلہ میں بیعت نہیں تھے۔ مگر مشائخ کے ساتھ انتہائی ادب رکھتے۔ اور مشائخ آپ کو انتہائی عزت و تعظیم کے ساتھ پیش آتے۔ شیخ المشائخ حضرت آقا سید پیر جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری پشاوری اور آپ کے صاحبزادہ جناب سیادت پناہ آقا سید سعید احمد شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ آپ کی والہانہ محبت و عقیدت تھی اور آقا سید پیر جان صاحب کی تاریخِ وفات آپ ہی نے لکھی ہے ہر برس گیارھویں شریف کا ابتدائی فاتحہ آقا صاحب مرحوم کے گھر آپ ہی فرمایا کرتے اور یہی طریقہ حضرت مفتیٔ اعظم سرحد مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ تک جاری رہا۔ حضرت محبوب اولیاء حضرت فقیر احمد صاحب میرٹی سے بھی بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ غرضیکہ اولیاء کرام کی محبت و مودت آپ کی طبیعتِ مبارکہ میں موجزن تھی۔ اور اسی محبتِ اولیاء کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند مفتیٔ اعظم سرحد حضرت علامہ مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی کی "بسم اللہ خوانی" حضرت فقیر صاحب میرٹی رحمۃ اللہ علیہ سے میرٹھ شریف حاضر ہو کر کروائی۔

جس طرح آپ کی شخصیت علماء، فقراء اور مشائخ کے ہاں قابلِ احترام و قابلِ فخر تھی اسی طرح صاحبان سیاستین میں بھی آپ ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ تحریکِ خلافت

میں آپ نے عملی طور پر حصہ لیا اور آپ کو صوبۂ سرحد کی خلافت کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ جب آپ صدر منتخب ہو گئے تو صوبۂ سرحد اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور مشائخ نے آپ کو مفتیِ اعظم سرحد کا عظیم اعزاز دیا۔ پشاور کی مرکزی جامع مسجد "مسجد قاسم علی خان" کی امامت اور خطابت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔ آپ نے اپنی عزیز زندگی دینِ اسلام کی سربلندی، اشاعتِ سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف کر دی تھی۔ پشاور شہر کے معزز ترین فرد اور ٹھیکیدار جناب غلام صمدانی صاحب (جو جامع مسجد قاسم علی خان مرحوم کے متولی تھے) کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کے لئے گئے اور حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

آپ مسائلِ دینیہ کے بیان کرنے کے وقت کسی جابر سے جابر حاکم کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور جو شخص بھی شریعتِ اسلامیہ کی مخالفت کرتا۔ اسی وقت اس کو روکتے اور منع فرماتے۔ ایک بار انگریز ڈپٹی کمشنر کے سامنے آپ نے مسئلہ سمجھا دیا انتہائی دلیری اور شجاعت کے ساتھ بیان کیا جس پر وہ بیخ پا کر آپ ہو گیا، مگر تمام عوام نے آپ کا ساتھ دیا تو وہ اپنی سازشوں اور چالوں میں جو وہ آپ کے خلاف کرتا تھا ناکام و نامراد ہوا۔

چونکہ آپ مفتیِ اعظم تھے اس لئے روزہ آپ کے ارشاد پر رکھا جاتا۔ عید آپ کے حکم پر کی جاتی، اور ہر شرعی مسئلہ پر آپ کا ارشاد و حکم نافذ سمجھا جاتا۔

جناب مولانا صاحب نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی کوہاٹ میں مولوی عبد الحکیم صاحب کی ہمشیرہ سے کی۔ یہ شادی ہندوستان جانے سے پہلے کی۔ اِس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا جس کا نام میاں عبد الرشید رکھا گیا۔ یہ صاحبزادہ اپنے ماموں صاحب کے ہاں رہا۔ اس کی پرورش وہیں ہوئی اور جوانی کے عالم میں ہی انتقال کر گیا۔

آپ کی دوسری شادی جس وقت آپ دیوبند سے لکھنؤ پہنچے تو آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور اعلیٰ علم کی قابلیت سے متاثر ہو کر مولینا عبد الحمید صاحب کابلی نے اپنی لڑکی آپ کے حبالۂ عقد میں دی۔

یہ بیوی صاحبہ نہایت متقیہ، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور قرآن خوان تھیں۔ یہ بیوی صاحبہ گاڈیخانہ میں اپنے گھر قرآن مجید کا درس فرمائیں۔ بلکہ حفظ بھی کروائیں۔ ہزار ہا عورتوں اور بچوں نے آپ سے قرآن مجید حفظ بھی کیا اور ناظرہ بھی پڑھا۔

اس نیک بخت اور بزرگ بیوی رحمۃ اللہ علیہا کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے عطا فرمائے اور تین صاحبزادیاں۔ ایک صاحبزادی حضرت علامۂ اجل محدثِ اعظم حضرت مولینا مولوی گل فقیر احمد صاحب کے حبالۂ عقد میں آئی۔

(۱) حضرت مفتیِ اعظم علامۂ دوراں حضرت مولینا عبد الرحیم صاحب پوپلزئی مرحوم (۲) حضرت مولینا مولوی مفتیِ سرحد عبد القیوم صاحب پوپلزئی مدظلہٗ (۳) میاں عبد البصیر صاحب مرحوم (۴) میاں عبد النصیر صاحب مرحوم۔

میاں عبد البصیر صاحب اور میاں عبد النصیر صاحب عین جوانی کی عمر قرآن مجید حفظ کرتے ہوئے فوت ہوئے۔ (مولینا عبد الرحیم صاحب کے حالات الگ لکھے گئے ہیں۔

مولینا مولوی مفتی عبد القیوم صاحب نے ابتدائی تعلیم پشاور میں مکمل کر کے دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے پشاور آئے۔ درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بڑے بھائی حضرت علامہ مولینا مولوی عبد الرحیم صاحب کی وفات پر علماء پشاور نے آپ کو ان کا جانشین بنایا، اور آپ مفتیِ سرحد کہلائے۔ مجلس احرار اسلام کی پوری تاریخ میں آپ کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

علم کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی عمر سیاسیات میں گزاری۔ مجلس احرار کو یہاں پر آپ ہی نے قائم کیا اور اسی جماعت سے وابستہ رہے۔ اگرچہ پشاور شہر میں یہ جماعت کامیاب نہ ہوئی، مگر عوام آپ کے خاندانی دستار کا لحاظ اب بھی کرتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد آپ نے کسی سیاسی جماعت میں عملاً حصہ نہیں لیا۔ مارشل لا میں نظام العلماء (دیوبند) کی مجلس کے آپ سرپرست رہے۔ پشاور شہر میں اس تنظیم کے قیام پر آپ نے انتہائی محنت و خلوص اور انتھک کوشش کی۔ مارشل لا کے ختم ہونے کے بعد دوبارہ جمعیۃ العلماء اسلام کا احیا کیا اور اس کی تنظیم میں کوشاں ہیں۔ آپ نے مسلم لیگی سیاست سے کبھی بھی اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے بہت دفعہ انگریزوں کے خلاف قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ہیں، اور پاکستان کے دور میں بھی قادیانوں کے خلاف مردان میں تقریر کی بنا پر ایک سال قید گزاری، اور اس وقت جبکہ ڈاڑھی سفید ہو چکی ہے۔ مگر خطابت اسی طرح دلیرانہ، اور جوان ہے۔ انتہائی نڈر عالم ہیں حکومت کو نہایت ہی حق گوئی کے ساتھ ان کی برائیوں کی نشاندہی کرواتے ہیں۔ اگرچہ مسلم لیگ والوں نے حکومت کے دوران آپ کو مفتی سرحد کے اعزاز سے ہٹانے کی کوشش کی، مگر عوام میں آپ اسی طرح مفتی سرحد کے لقب سے موسوم ہیں۔ محکمہ اوقاف نے آپ کو عیدگاہ کی خطابت سے الگ کر دیا ہے نیز مسجد قاسم علی خان سے بھی ظلم و جبر کے ساتھ الگ کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کے آگے وہ ناکامیاب ہوئے۔ غرضیکہ مولینا صاحب کی زندگی مسلسل مصیبتوں، صعوبتوں اور جدوجہد کی زندگی رہی ہے۔

حضرت مولانا مولوی مفتی اعظم عبدالحکیم صاحب نے (۱۴۰۴ھ) وفات پائی

حضرت میر آغا (آغو) جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کابلی

۱۲۸۴ھ تا ۱۳۶۹ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اصغر صاحب المعروف میر آغا جان، والد کا نام سید میر اکبر صاحب ہے۔ حضور غوث الغیاث سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد ہیں۔

آپ کے جدِ اعلیٰ کا مزار شاعوں شہر کابل میں گذرِ شہیدان پر "شاہ شہیدؒ" کے نام سے مرجع عوام وخواص ہے۔ "شاہ شہیدؒ" بغداد شریف سے کابل تشریف لائے تھے۔

جناب سید میر اکبر شاہ صاحب بلند پایہ عالم اور صاحبِ اثر ووجاہت تھے۔ تمام افغانستان کے لوگ آپ کے زہد وعبادت اور سیادت کی وجہ سے انتہائی احترام کرتے۔ آپ کا سلسلہ مبارکہ آبائی قادریہ تھا۔ آپ کا خصوصی شغل تہجد کی نماز سے لے کر صبح کی نماز تک ذکر جہر کرنا تھا۔

جناب حضرت میر آغا (آغو) جان صاحب کی عمر تین برس تھی کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جناب میر آغا جان صاحب کی پرورش آپ کے بڑے بھائی جناب سید میر احمد شاہ صاحب اور والدہ ماجدہ نے کی۔ آپ کی پرورش وتربیت بطریق احسن کی گئی۔ چونکہ آپ کے ماموں اور بھائی قالین اور قراقلی کے پوست کی تجارت کرتے تھے۔

اِس لئے انھوں نے آپ کو بھی (جبکہ آپ کی عمر بائیس برس کی ہوئی تھی) اپنی تجارت میں شامل کر لیا۔ جس وقت آپ نے تجارت شروع کی تو اُس وقت عمر بیس برس کی تھی آپ کی تجارت بہت ہی وسیع پیمانہ پر تھی۔ کابل مرکز تھا۔ پشاور، دہلی، کلکتہ، بمبئی اور کوئٹہ میں شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ اکثر پشاور اور دہلی میں رہتے۔

پشاور میں قالین اور پوست کا ایک مشہور دلال تھا جس کا نام اویس قندھاری تھا۔ یہ دلال آپ کا کام بھی کرتا تھا۔ بزرگانِ کرام کی باتوں باتوں میں اُس نے آپ سے حافظ عبدالغفور صاحب نقشبندی پشاوری کا تذکرہ کیا۔ آپ اس کے ساتھ حضرت حافظ صاحب کے مزار پہ حاضر ہوئے۔ آپ کا حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا مضبوط تعلق اور رابطہ قائم ہوا کہ وفات تک بلکہ وفات کے بعد تک بھی نہ ٹوٹا۔ آپ نے پہلے تو اس تعلق کا کافی عرصہ تک کسی سے بھی اظہار نہیں کیا۔ خود فرماتے تھے میں دس برس تک روزانہ حضرت حافظ صاحب کے مزار پہ حاضر ہوا۔ مگر میں نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ اور جب اپنے اس تعلق کا اظہار کیا تو وہ بھی ایک خاص واقعہ کی بنا پر۔ آپ فرمانے لگے کہ "میں سامانِ تجارت لے کر ہندوستان جا رہا تھا کہ اثنائے سفر میں میرٹھ کے ریلوے اسٹیشن پر ایک انگریز سے ملاقات ہو گئی۔ اُس انگریز نے کہا کہ اگر کابل کا کوئی ٹکٹ ہو تو مجھے دے دیجئے، اتفاقاً اُس وقت میرے پاس کوئی ایک سو ٹکٹ تھا اور یہ ٹکٹ ہم لوگوں کو کسٹم سے ملا کرتے تھے ہم لوگ ہر بنڈل پہ یہ ٹکٹ لگاتے جس سے پتہ چلتا کہ اس مال پر کسٹم ادا ہو چکا ہے، اور یہ ٹکٹ عموماً تاجر لوگ بجائے بنڈل پہ چسپاں کرنے کے اپنے پاس ہی رکھتے۔ آپ فرماتے ہیں میں نے وہ ٹکٹ اس انگریز کو دے دیئے۔ اُس انگریز نے کہا کہ اس قسم کے دو ہزار ٹکٹ مجھے منگوا دیں"۔ آپ نے

اپنے بھائی کو دہلی پہنچ کر خط لکھا کہ یہ کسٹم والے ۲ ہزار ٹکٹ مہیا کر کے ایک لکڑی کے ڈبہ میں مجھے بھیج دو۔ فرماتے تھے کہ " دہلی میں میں نے رات کو واقعہ میں دیکھا کہ امیر عبدالرحمان والیٔ کابل میرے سامنے تلوار سونت کر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ تو میری حکومت کے ٹکٹ فروخت کرتا ہے، کیا کروں کہ حافظ عبدالغفور صاحب پشاوری نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے ورنہ میں تجھے اس تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں"۔ فرماتے تھے کہ جب صبح ہوئی تو میں بہت پریشان اور مشوش تھا۔ دوسرے دن کابل کے تاجر سامانِ تجارت لے کر پہنچے تو پتہ چلا کہ آپ کے سامان میں ایک لکڑی کے ڈبہ سے ٹکٹ برآمد ہوئے۔ اور کسٹم والوں نے سامان لانے والے کو گرفتار کر لیا ہے۔ چند دن میں آپ کے بھائی کا خط بھی آپ کو ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ تمھاری وجہ سے والیٔ کابل امیر حبیب اللہ خان صاحب کے سامنے ہمیں پیش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے ہمیں تو بُرا بھلا کہہ کر چھوڑ دیا ہے، مگر تم کو نہ چھوڑے گا۔" آپ اسی پریشانی اور تشویش میں پشاور تشریف لائے۔ آپ روزانہ بدستور حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کے مزار پر حاضری دیتے۔ یہاں تک کہ اس فکر مندی میں چھ ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ " ایک بہت ہی بے صبری اور پریشانی کے عالم میں مزار پر بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت حافظ صاحب نے مجھے فرمایا۔

" پریشان نہ ہو، شیر کی طرح کابل جا، اور شیر کی طرح واپس آ۔ تیرا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے"۔

آپ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس روپے پر ایک گھوڑا خریدا، بیس روپے پر زین خریدی اور دوسرے دن کابل روانہ ہو گیا۔ جب میں اپنے گھر پہنچا، تو گھر میں ایک کہرام برپا ہو گیا کہ حکومت آپ کو گرفتار کرے گی اور بہت سخت سزا دے گی۔ مگر آپ نے فرمایا کہ

"آپ لوگ نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے گا"
چنانچہ آپ کابل میں رہے، والیٔ کابل سے کئی بار ملے۔ مگر کسی نے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

۱۹۱۱ء میں آپ کا ایک نوجوان عالم و فاضل فرزند سید میر جعفر صاحب دو دن بیمار رہ کر انتقال کر گئے۔ اُس وقت آپ بڑے تاجر تھے۔ اور تقریباً تین لاکھ روپیہ آپ کے پاس تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے خیال آیا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو میری ساری دولت خرچ ہو جائے۔ مگر میرا یہ پیارا بیٹا دوبارہ زندہ ہو جائے۔ مگر ایسا ناممکن تھا" بس اس خیال نے آپ کی زندگی کا ورق اُلٹ دیا۔ آپ نے جس جس شخص کا حساب دینا تھا۔ اُسے بلا کر ادا کر دیا۔ اور جس سے لینا تھا اُسے بخش دیا۔ باقی جتنی دولت تھی راہِ خدا میں بانٹ کر درویشی و قناعت کی راہ اختیار کر لی۔

آپ نے فرمایا کہ "ایک دن میں حافظ صاحب کے مزار پر مراقب تھا کہ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا، کہ جو شخص بھی (یعنی عالم ہو، زاہد ہو، فقیر و درویش ہو) اگرچہ اویسی ہی کیوں نہ ہو، اُس کو ظاہری بیعت ضرور کرنی چاہیئے۔ لہٰذا تم لاہور جا کر حضرت میر جان[1] صاحب نقشبندی کی بیعت کرو۔" آپ لاہور میں حضرت میر جان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت میر جان صاحب بیعت کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اور قطعاً عام طور پر مُرید نہیں کرتے تھے، مگر جب آپ اِن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنے کے حضرت میر جان صاحب نے آپ کو فرمایا۔" اگرچہ میں کسی

---

[1] حضرت میر جان صاحب، میاں محمد مظہر صاحب مجددی کے بیعت تھے۔ آپ کا مزار حضرت ایشانؒ کے مقبرہ لاہور میں واقع ہے۔

کو مُرید نہیں کرتا۔ مگر آپ کو حضرت باباجی صاحب (حافظ عبد الغفور صاحب) نے میرے پاس بھیجا ہے اِس لئے مجھے مجالِ انکار نہیں" اور آپ کو بیعت کر لیا۔

آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تین برس تک رہے، اور خدمتِ شیخ میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد آپ کے شیخ نے آپ کو مستعفی کر کے صاحبِ مجاز بنا کر خلافت سے نوازا، آپ جب مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے تو اپنی زندگی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی، زہد و عبادت اور ذکرِ الٰہی میں اپنے تمام اوقات کو صرف کرتے۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام میں بسر کرتے۔ تمام زندگی اتباعِ سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں گذاری اور آپ کا یہ اتباع اِس کمال تک پہنچ چکا تھا کہ آپ نے بسکٹ تک نہیں کھایا اس لئے کہ یہ بسکٹ فرنگیوں کے تتبع میں بنا اور کھایا گیا۔ جو شخص بھی تبع سنّت ہوتا وہ آپ کو بہت ہی محبوب اور پسند ہوتا، اور جو سنّتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پابند نہ ہوتا اُس شخص کو آپ بہت ہی ناپسند فرماتے۔ اگرچہ بڑے سے بڑا حکمران یا بڑے سے بڑا تاجر ہی کیوں نہ ہوتا۔

بچپن سے لے کر وفات تک آپ نے تہجد کی نماز قضا نہیں کی، ختم خواجگان اور اپنے اوراد باقاعدہ پابندی کے ساتھ روزانہ پورے کرتے۔ صبح کی نماز کے بعد مراقبہ کرتے۔ تہجد کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک ذکرِ جہر میں مصروف رہتے۔

آپ اپنے حالات و واقعات کو بہت ہی رازداری سے رکھتے، اور کمال درجے کا انکسار تھا۔ تواضع تو آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کا انکسار اِس حد تک تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق سے زیادہ محبّت کرتے اور ان

کے ساتھ اخلاص کرتے۔ بلا امتیاز مذہب و ملّت ہر ایک کی خدمت کرتے۔ اور اسی کی وصیت کرتے۔ اہلِ دُنیا سے بہت نفرت کرتے۔ سادات، اور علماء کی عزّت و احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔

آپ نے بیعت میں بہت تھوڑے افراد کو داخل کیا ہے۔ یہ اس لیئے کہ آپ استعداد اور اہلیّت کو دیکھ کر مُرید کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "اِس فقیر نے تو اپنے شیخ کے لیئے زندگی وقف کی ہے۔ جو مُرید ہوتا ہے کم از کم پانچ برس تو شیخ کی صحبت میں گذارے"۔ بہرحال آپ صاحبِ استعداد اور اہلیّت والے افراد کو بیعت فرماتے۔

آپ کی صحبت میں سادات، علماء، صلحا اور عابد حضرات آتے۔ آپ ہر ایک کے ساتھ اس کے منصب اور حیثیت و مقام کے مطابق گفتگو کرتے، اور پوری پوری توجّہ کے ساتھ ہر ایک کے ساتھ پیش آتے۔ طلباء اور علماء کی ہر ممکن خدمت کرتے۔

آپ کا کابل سے ہجرت کر کے پشاور آنا بھی دینی حمیّت پر مبنی تھا۔ امیر امان اللہ خان والیٔ کابل جب یورپ سے دورہ کر کے واپس کابل پہنچے تو انھوں نے باغ حضوری (کابل) میں تمام حکمران، اُمراء، علماء اور سادات کو جمع کر کے جلسہ کیا۔ دورانِ تقریر میں والیٔ کابل نے کہا۔ "کہ حضورؐ بھی ایک معلم تھے، اُنھوں نے بھی قوم کو ایک آئین دیا تھا میں بھی بحیثیّت بادشاہ کے معلم ہوں۔ میں اب اپنا آئین بنا کر قوم کو دیتا ہوں۔ دینِ اسلام کی اب ان باتوں کو چھوڑ دو یہ پُرانی ہو گئی ہیں"۔ آپ اس جلسہ سے اُٹھ کر چلے آئے۔ تین دن تک آپ کو آرام نہیں آیا۔ تیسرے دن آپ نے کابل سے ہجرت کی اور پشاور تشریف لے آئے، اور تمام زندگی یک سُو رہ کر عبادتِ الٰہی میں حضرت حافظ عبد الغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں گذار دی۔ اگرچہ امراء کابل نے

اکثر اوقات آپ کو کابل آنے کی دعوت دی، یہاں تک کہ سردار ہاشم خاں مرحوم نے خود آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب آپ تشریف لے آویں۔ مگر آپ یہی فرماتے کہ "حافظ صاحب جب اجازت دیں گے تو کابل جاؤں گا"

پشاور شہر میں بھی آپ نے اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گزارا، فیاضی اور سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ آپ کے پاس ہوتا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے صرف کر دیتے۔ اگر کوئی حاجت مند یا سائل آتا اور آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اوڑھے ہوئے کپڑے اُس کو دے دیتے، مگر ضرورت مند کو خالی جانے نہ دیتے۔

آپ روزانہ حضرت حافظ عبدالغفور صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر ختم خواجگان کرتے۔ پشاور میں مختلف علاقوں میں آپ رہے ہیں اور آخر کار بیرون نیا دروازہ قیام کیا۔ ہر سال ۱۵ شعبان کو حافظ صاحب کا شاندار اہتمام کے ساتھ عرس کرتے۔

آپ کثیر الکرامات تھے۔ مگر اپنا حال کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ نہایت عاجزی کرتے اور عاجزی کرنے کی نصیحت بھی فرماتے۔

آپ کی وفات بعمر ۸۵ برس بروز بدھ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ میں ہوئی اور چھاؤنی میں حافظ عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی کے پہلو میں اس آفتاب ولایت کو سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کے دو فرزند ہیں دونوں صاحبِ اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پاکیزہ ہیں اپنے والد کی طرح یکسوئی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ذکر و فکر میں مصروف ہیں بڑے کا اسم گرامی سید غلام مجدد المعروف آغا گل صاحب اور چھوٹے کا اسم گرامی سید غلام ربانی المعروف گل آغا جان ہیں۔ دونوں حضرت نور المشائخ صاحب کابلی مرحوم کے مرید ہیں اور تکمیل سلوک کر چکے ہیں۔

حضرت مولانا سید حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۹۳ھ تا سنہ ۱۳۷۳ھ

آپ کا اسم گرامی سید حبیب شاہ صاحب، والد کا اسم گرامی حضرت مولینا سید اکبر شاہ صاحب، اور لقب مفتی و ڈسٹرکٹ خطیب تھا۔ آپ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ علم و سیاست کا مرکز تھا، آپ کے والد کوہاٹ (جو کہ پشاور ڈویژن کے ایک ضلع کا شہر ہے) کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے والد سید علی شاہ سے اجازت لے کر حصول علم کے لئے گھر سے نکلے، اور ہندوستان تشریف لے گئے۔ مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی اور پھر پشاور تشریف لائے۔

پشاور میں حضرت علامہ شارح صحیح البخاری حافظ محمد احسن صاحب المشہور حافظ دراز صاحب اور جناب مولینا مولوی مفتی محمد احسن صاحب ساکن کوٹلہ رشید خان سے علوم متداولہ پڑھا، نیز کافی وقت بحر العلوم حضرت حافظ محمد عظیم صاحب المشہور گنج والے حافظ جی صاحب کی خدمت میں رہ کر مسند علم و افتاء پر جلوہ افروز ہوئے۔ تقریباً چالیس برس تک علم و معرفت کا درس پشاور میں دیا۔ آپ کے کتب خانے میں علم معقول و منقول کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس پر آپ کا تحریر کردہ حاشیہ موجود نہ ہو، پشاور شہر

کا ہر فرد علمی مسئلہ کی دریافت کے وقت آپ کی طرف رجوع کرتا اور اسی لئے ہر شخص
کے دل میں آپ کی انتہائی عقیدت و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ
اپنے وقت کے مفتیِ اعظم تھے۔ آپ نے علم کی خدمت کے ساتھ تصوف کی خدمت
بھی کی۔ تصوف کی کتابوں کا درس دیتے۔ مثنوی، لوائح جامی، کتاب اللمعہ، منطق الطیر،
مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی، پڑھاتے تھے، گویا آپ کی ذات میں
علم و معرفت کا اجتماع تھا۔ اپنے آبائی سلسلہ قادریہ میں صاحبِ مجاز اور معنعن تھے
اور اسی سلسلہ کی اشاعت کی۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ میری نانی صاحبہ
فرماتی تھیں کہ پشاور میں ایک بار بہت سخت وبا پھوٹ پڑی۔ سینکڑوں لوگ روزانہ
مرنے لگے، اور لوگ میتوں کو دفن کرنے سے عاجز ہونے لگے۔ جن مشائخ کرام کے ساتھ
لوگوں کا تعلق تھا وہ ان حضرات کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ ہم بھی
اپنے والد تمام گھر والوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوئے۔
آپ جس جگہ عبادت کرتے تھے اس جگہ کھڑے ہو گئے اور اپنا کرتہ مبارک دامن سے
پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا تم سب اس کے نیچے سے گذر جاؤ۔ ہم اس دامن کے نیچے سے
گذر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ہمیں اس وبا سے محفوظ رکھا۔ آپ بہت
ہی با برکت، متواضع، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ، اور نہایت ہی مہمان نواز
تھے۔ آپ کی وفات ۱۳۱۲ھ میں ہوئی۔

سید حبیب شاہ صاحب آپ کے فرزندِ ارجمند ہیں، آپ علم و حکمت، سیاست و
تدبر کی گود میں پروان چڑھے، اپنے وقت کے قابل ترین علماء کے آگے زانوئے ادب
طے کیا، اور علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے مسندِ درس و افتاء پر متمکن ہوئے۔

علاقہ چھچھ اُس وقت علم معقول کا مرکز تھا۔ آپ نے علماء چھچھ سے علمِ معقول کی تعلیم کو مکمل کیا۔ فقہ کا مرکز صُوبۂ سرحد تھا۔ آپ نے علماء صوبۂ سرحد سے فقہ شریف کو مکمل کیا۔ اُس وقت کے فقہ کے امام حضرت شیخ الفقہ حنفیہ مولینا صاحب آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ حدیث شریف کی تکمیل پشاور کے مشہور و معروف عالم محدّثِ اعظم جناب مولانا محمد ایوب صاحب خطیب و امام جامع مسجد سنگِ مرمر پشاور سے کی۔

صاحبِ اخلاق حمیدہ، مہمان نواز، علماء اور مشائخ کے انتہائی قدر دان اور صاحبِ ہمّت و استقلال نڈر عالم تھے۔ نہایت کی وجیہہ تھے۔ علماء کی مجلس میں ہمیشہ آپ ہی صدر الصدور ہوتے۔ آپ کے فتویٰ پر تمام علماء سرحد تصدیق فرماتے، آپ کی ذاتِ شریف عقائد حقہ اہلِ سُنّت والجماعت کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط اور مستحکم فولادی دیوار تھی جو بھی آپ کی زندگی میں ان عقائد سے ٹکرایا ایک بہادر اور شجاع جرنیل کی طرح ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر آپ اُس کے مقابلہ میں آتے۔ اور جس وقت بھی گمراہوں کے اجتماع میں آپ کے آنے کی خبر ہوتی اور آپ پہنچ جاتے تو وہ گمراہ میدان سے بھاگ جاتے۔

جس طرح آپ دینِ اسلام شریعتِ محمدی اور فقہ حنفی کی اشاعت میں مستعد تھے۔ اسی طرح سیاست میں بھی آپ نے عملی طور پر ہمّت و استقلال کے ساتھ کام کیا۔ سیاسی اعتبار سے آپ کانگرس کے بہت سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کی الگ اپنی جمعیت اور جماعت کے حامی تھے۔ اسی لئے آپ نے کانگرس کے ساتھ شمولیت اختیار نہیں کی اور ہمیشہ مُسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اسی وجہ سے ہمیشہ کانگرسی حضرات نے آپ پر قسم قسم کے اتہامات لگائے۔ یہاں تک کہ آپ کو انگریزوں کا ایجنٹ تک کہا گیا۔ مگر ان سب

پراپیگنڈوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی سربلندی اور مسلمانوں کی اپنی جمعیت کے لئے اپنی زندگی بسر کردی۔ یہ دور ایک خالصاً سیاسی دور تھا۔ خدائی خدمتگار تحریک، خاکسار تحریک اور احرار تحریک کی مخالفت کرنا آسان کام نہیں تھا تمام علماء یا کانگرسی تھے یا احراری، مگر صرف علماء میں ایک آپ تھے کہ اس وقت بھی آپ نے مسلم لیگ کے مقابلہ میں ہر اس تحریک کی علی الاعلان مخالفت کی جس سے مسلمانوں کی سربلندی مسلمانوں کی جمعیت کو نقصان پہنچتا تھا۔

جب غازی امان اللہ خاں مرحوم یورپ کی سیاحت پر گئے اور کابل میں خلاف شرع امور رونما ہونے لگے تو آپ نے بھی پشاور میں ان کی شدت کے ساتھ مخالفت کی تھی، اس وقت پشاور کے تمام عوام نے آپ کی بڑی مخالفت کی، مگر آپ اپنی رائے پر جمے رہے۔

جس وقت جمعیتہ العلماء ہند سے الگ ہو کر مولینا محمد شفیع صاحب دیوبندی مولینا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی اور مولینا مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی نے جمعیتہ العلماء اسلام کی بنیاد رکھی تو آپ نے یہاں کے علماء کو جمع کیا اور یہاں پر بھی جمعیتہ العلماء اسلام بنائی گئی، آپ اس جمعیت کے صوبہ سرحد میں پہلے صدر تھے۔ اس جمعیت نے بھی مسلم لیگ کی حمایت میں سیاست میں عملی کام کیا۔

پشاور شہر کے سادات کی تنظیم میں آپ بہت ہی دلچسپی لیتے اور ہر وقت آپ کی کوشش ہوتی کہ علم اور سیاست میں سادات پشاور، پشاور کے عوام کی رہبری کریں جب تک آپ زندہ رہے انجمن سادات پشاور کے آپ صدر رہے اور انتہائی گرم جوشی کے ساتھ آپ نے اس انجمن کی خدمت کی۔

۱۹۴۸ء میں جب مسلم لیگ صوبہ سرحد میں برسرِ اقتدار آگئی اور زمامِ حکومت خان عبدالقیوم خان کے ہاتھ آیا اور وہ وزیرِ اعلیٰ مقرر کئے گئے تو ان کے مشورہ کے ساتھ وزیرِ تعلیم میاں جعفر شاہ صاحب نے محکمہ اوقاف کو سنبھال کر اس میں اصلاحات کیں ان اصلاحات میں ایک یہ سکیم بھی تھی کہ صوبہ سرحد میں ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کئے جائیں اور تمام مذہبی امور میں ان کی طرف رجوع کیا جاوے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کے ہر ایک ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کیا گیا۔ پشاور کے ضلع کے لیے جناب مولانا مولوی سید حبیب شاہ صاحب کو خطیب مقرر کیا گیا۔ جب آپ کو خطیب مقرر کیا گیا تو حکومت کے اس اقدام کو پشاور کے لوگوں نے عموماً اور ساوات نے خصوصاً بہت سراہا، اور آپ کو اس کے بعد پشاور کی مرکزی جامع مسجد مہابت خان کی خطابت اور عیدگاہ[1] کی خطابت بھی سپرد کردی گئی۔ آپ نے تمام زندگی ان ذمہ داریوں کو باحسن وجوہ پورا کیا۔

اسی وقت سے آپ پشاور کا مفتی اور خطیب اعظم بھی سمجھا جانے لگا۔ اگرچہ اس سے پیشتر بھی علاقہ خلیل مہمند اور آفریدیوں کے تمام قبائل آپ ہی سے اپنے شرعی فیصلے کرواتے تھے۔ مگر اب حکومتِ پاکستان کی طرف سے بھی آپ ضلع پشاور کے خطیب اور مفتی ہوگئے۔

آپ بڑے سخی، جواں ہمت، متواضع، انتہائی مہمان نواز، قدردان، بہترین اخلاقِ حسنہ کے مالک تھے۔ پُر وجیہہ شکل و صورت، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتِ مطہرہ

---

[1] عیدگاہ میں مفتی مولانا مولوی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی کو ہٹا کر محکمہ اوقاف نے آپ کو خطیب مقرر کیا۔

کا مکمل نمونہ نظر آتی تھی، فقہ حنفی کو آپ پر ناز تھا۔ پشاور کا ہر فرد آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا اور اب بھی جب آپ کا ذکر ہوتا ہے تو ادب و احترام سے ہوتا ہے۔

۱۳۷۳ھ میں اس دُنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھارے۔ ایبٹ آباد میں آپ کا انتقال ہوا، اور پشاور میں آپ اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔

آپ کے صاحبزادہ مولانا مولوی سیّد مبارک شاہ فاضل دیوبند کو آپ کی جگہ مسند افتا سپرد کی گئی اور جناب جعفر شاہ صاحب کاکاخیل وزیرِ اوقاف نے آپ کی جگہ مولانائے موصوف کو ڈسٹرکٹ خطیب مقرر کر دیا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبزادہ حافظ علی احمد جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۳۰۱ھ تا سنہ ۱۳۷۶ھ

آپ کا اسم گرامی صاحبزادہ علی احمد جان صاحب، والد کا نام صاحبزادہ محمد عبد القیوم صاحب، لقب شیخ الحدیث، رئیس الواعظین ہے۔ آپ کا گھر حفظِ قرآن اور علم و حکمت کا گھر تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے گھر میں عورتیں بھی قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔ آپ نے ۱۲ برس کی عمر میں جناب حافظ خان محمد صاحب آسیا والے سے قرآن مجید حفظ کر لیا اور تیرہ برس کی عمر میں تراویح میں قرآن پاک سنایا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ بچپن ہی میں آپ کو تحصیلِ علم کا شوق تھا۔ حفظِ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ ابتدائی کتابیں صرف و نحو، منطق، اصول فقہ، فقہ اور دیگر کتب حضرت مولینا مولوی بحو ڑ ملا[1] صاحب سے پڑھ لیں۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد استاذ الاساتذہ حضرت مولینا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلبندی کی خدمت میں حاضر

---

[1] بحو ڑ ملا صاحب پشاور شہر کے قریب بھانہ ماڑی کے باہر سکونت پذیر تھے۔ بہت ہی بڑے علامہ تھے۔ معقول و منقول میں اپنا جواب خود تھے۔ آپ کی قبر بھی ڈھیری باغبانان کے راستہ پر واقع ہے۔

ہوئے اور علوم متداولہ کو ان سے تکمیل تک پہنچایا۔

حضرت محدث جلیل مولینا مولوی محمد ایوب صاحب صدر المدرسین مدرسہ جتاں کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کا مکمل دورہ کیا اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی، آپ کی سند حدیث عالی تھی اور مسمیٰ تھی ثبتِ امیری سے۔

علوم متداولہ کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ نے فنِ تحریر بھی اس وقت کے باکمال اساتذہ سے سیکھا چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا۔ اِس فن میں آپ کے اُستاد سید گوہر علی شاہ صاحب تھے آپ کے یہ اُستاد اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے۔ گرجا گھر پشاور میں جو تحریر ہے وہ بھی آپ کے استاد محترم کا شاہکار ہے۔ درس نظامی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر آپ نے ۱۷ برس کی عمر میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

آپ نے ملازمت اختیار کی ہوئی تھی، یعنی آپ محافظِ دفتر تھے اور اگر ملازمت کے سلسلہ میں کہیں باہر بھی تشریف لے گئے تو باقاعدہ درس تدریس، وعظ و نصیحت جاری رہتا۔ ایک بار آپ کی تبدیلی شب قدر ہو گئی تو وہاں پر بھی شب قدر کی مسجد میں درسِ قرآن جاری کیا جمعہ کی نماز میں وعظ ارشاد فرماتے اور جب تک پشاور میں رہتے تا آخری وقت تک ضلع کچہری کے خطیب تھے۔ باوجود ملازمت میں ہونے کے کبھی بھی آپ حق گوئی سے باز نہ آئے۔ افسران اور حکومت کو ہمیشہ علی الاعلان ٹوکتے۔ بلکہ آپ کی اس سچائی پہ آپ کے مکان کی تلاشی بھی لی گئی آپ سے جواب طلبیاں بھی کی گئیں، مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

شدھی سنگھٹن تحریک کے خلاف آپ نے حضرت امیرِ شریعت پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ہمراہ تمام ہندوستان کا سفر کیا، اور ہر مقام پر ہزارہا مخلوق کو وعظ

نصیحت فرمائی۔ تقریباً پانچ ماہ یہ سفر جاری رہا۔ آپ کی اس انتھک مساعی اور پُراثر مواعظ کو دیکھ کر آپ کو رئیس الواعظین کا لقب حضرت امیرِ شریعت نے عطا فرمایا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ یعنی امیرِ شریعت کے ہمراہ تقریباً پچاس کے قریب علماء تھے جو وعظ بیان کرتے۔ مگر جناب صاحبزادہ صاحب کے وعظ کا اتنا اثر ہوتا کہ ہر جگہ آپ ہی ان واعظین کے پیشرو ہوتے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے وعظ کے دوران ہر طرف شوق و ذوق میں لوگ نعرہ ہائے "اللہ ہو" بلند کرتے اور لوگوں پہ اتنی رقت ہوتی کہ بے ہوش ہو جاتے۔ غرضیکہ آپ نے شدھی سنگھٹن تحریک کی نہایت ہی شدّت کے ساتھ مخالفت کی۔ اور آپ کا یہ سفر بہت ہی کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ نے دُشمنانِ دینِ اسلام کے منصوبوں کو خائب و خاسر کیا۔ آپ حقیقی طور پر پشاور شہر میں عقائد اہلِ سنّت و جماعت کے داعی تھے۔ آپ کے مزاج میں ہی نہیں بلکہ آپ کی رگ و پے میں حضورِ پُرنور مجسم، سید کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی۔ ادب و احترام کی وجہ سے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی و اسمِ گرامی نہیں لیتے تھے۔ بلکہ حضورؐ کے صفاتی اسماء بیس بیس تک لے کر حضورؐ کا ذکر فرماتے، اور جب سیدِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں منہمک ہوتے تو آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی اور اس کیفیت کا اثر سامعین پر بھی ہوتا۔

آپ نے اپنے گھر کے سامنے مسجد شریف میں "مدرسہ تعلیم القرآن و الحدیث حنفیہ" قائم کر رکھا تھا عصر سے لے کر عشاء تک آپ بنفسِ نفیس اس دار العلوم میں درس فرماتے عصر سے لے کر مغرب تک حدیث شریف کا اور مغرب سے عشاء تک قرآن مجید

کا درس ہوتا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر آپ اپنی آبائی مسجد ڈھیری باغباناں تشریف لے جاتے، صبح کی نماز وہاں ادا کرتے۔

پشاور شہر کا بچہ بچہ آپ کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا۔ آپ متواضع، ملنسار، منکسر المزاج، صاحب اخلاقِ حمیدہ، اور انتہائی مہمان نواز تھے۔ آپ کے درس میں علماء، صلحاء، اُمراء اور غرباء غرضیکہ ہر قسم کے لوگ آ کر فیض حاصل کرتے۔

خلافت کی تحریک میں بھی آپ نے جناب حضرت مولٰنا مولوی سیّد مقبول شاہ صاحب کے ہمراہ خوب تن دہی سے حصہ لیا اور پھر ہجرت کی تحریک میں خود غرض لوگوں کی وجہ سے آپ بد دل ہو گئے اور عملی طور پر سیاسیات سے یکسوئی اختیار کر کے صرف اور صرف دینی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ کے درس میں خان بہادر ڈاکٹر حکیم اللہ خان صاحب، خان بہادر نقشبند خان صاحب، حضرت آغا سیّد چن بادشاہ صاحب، جناب مولانا مولوی حافظ عبد الحمید صاحب، پروفیسر عبید الرحمٰن صاحب، جناب نصیر الدین صاحب پی۔ اے ڈائریکٹر محکمۂ تعلیم، جناب عبد الرشید صاحب ارشد، چیف انجینئر ٹیلیفون، جناب مشتاق احمد صاحب صدیقی بی۔ اے۔ حافظ تاج محمد صاحب، جناب غلام سرور صاحب سپرنٹنڈنٹ محکمہ کیمسٹولر، وغیرہ وغیرہ شامل ہوتے اور قرآن و حدیث سے وافر حصہ پایا۔ آپ کے درس کی برکت ہے کہ اب تک آپ کے شاگردوں میں تبلیغِ دین اور اشاعت قرآن و سنت کا جذبہ اور لگن موجود ہے۔ جو بھی جہاں ہے حسب المقدور دین محمدی کی خدمت کرتا ہے۔

پشاور شہر میں مجلس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کی

ذات ستودہ صفات پیش پیش تھی۔ جب اِس مجلس پر اہلِ حدیث حضرات کا غلبہ ہُوا تو آپ نے شاہی مہمان خانہ میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اجتماع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف پر تقریر کر کے اس مجلس سے علیحدگی اختیار کی، اور پھر مجلسِ میلاد کے اہتمام میلاد شریف کے موقعہ پر جلوس کا اہتمام کروایا۔

پہلا جلوس ۱۳۴۲ھ میں اس فقیر کے زیرِ اہتمام یکہ توت سے نکلا جو رات کے نو بجے آپ کے دولت کدہ پر ختم ہُوا اور پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہُوا۔ یہ آپ ہی کے جذبۂ صادقہ کی برکت ہے کہ آج پشاور میں ہر ایک محلہ اور کوچہ میں میلاد شریف منائی جا رہی ہے۔ اِس کی بُنیاد آپ ہی رکھنے والے ہیں۔ بلکہ اب تو ربیع الاوّل شریف کا تمام مہینہ میلاد شریف کے جلسوں میں گذر جاتا ہے۔

آپ نے صرف درس و تدریس مواعظ کے ذریعہ ہی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ تحریر کے ذریعہ بھی دینِ حق کی اشاعت کی۔ آپ نے پشاور شہر میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کے ذریعہ اسلام کے بُنیادی احکام عوام تک پہنچائے۔ چنانچہ آپ نے احکامِ شبِ برات، فضیلت رمضان، سراج المشکوٰۃ فی مسائل الزکوٰۃ رسائل لکھ کر شائع کئے۔ سراج المشکوٰۃ کا بنگالی زبان میں آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے ترجمہ کروا کے بھی شائع کیا۔

حدیث شریف کے درس کے دوران میں اصول حدیث پر حضرت شاہ محمد غوث صاحب قادری کا رسالہ اصولِ حدیث آپ نے شاملِ درس فرمایا تھا۔ اِس کا ترجمہ نہایت ہی اعلیٰ فرمایا۔ اِنشاء اللہ وہ یہ فقیر بہت جلد شائع کر دے گا۔ آپ نے قرآنِ پاک کا حاشیہ بھی تحریر کرنا شروع کیا تھا، مگر پورا نہ ہو سکا۔

آپ کو جو بھی استفتاء آتا اِس پر فقہِ حنفی کی روشنی میں مدلّل جواب تحریر فرماتے واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فقاہت اور استنباطِ مسائل کا علم اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان فتووں کو مُطالعہ کرے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیئے۔

ایک بار آپ کو تپِ محرقہ کا حملہ ہوا اور بہت شدید تھا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست احباب، شاگرد، آپ کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ آپ پر نیم بیہوشی سی طاری تھی، ذرا سنبھل گئے اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے نہیں مرتا۔ کیونکہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ دس برس تجھے اور زندگی دے دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ دس برس تک زندہ رہے۔

ایک بار میں حدیث شریف آپ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی فرمایا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم تمہارا یہ حدیث شریف کا پڑھنا سُن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آخری ایّام میں تو آپ بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اپنی ہستی کو فراموش کر دیا تھا اور ذات مبارک سیّد دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم میں ہر وقت مراقب رہتے۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ میں یہ علم و معرفت کا آفتاب غروب ہو گیا، اور اپنے آبائی قبرستان میں ۱۴ رمضان المبارک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

آپ کو جو بھی استفسار آتا اِس پر فقہہ حنفی کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرماتے واقعہ یہ ہے کہ آپ کی فقاہت اور استنباطِ مسائل کا علم اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان فتووں کو مُطالعہ کرے جو آپ نے وقتاً فوقتاً دیئے۔

ایک بار آپ کو تپِ محرقہ کا حملہ ہوا اور بہت شدید تھا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست احباب، شاگرد، آپ کی زندگی سے مایوس ہوگئے۔ آپ پر نیم بیہوشی سی طاری تھی، ذرا سنبھل گئے اور فرمایا کہ میں اس بیماری سے نہیں مرتا۔ کیونکہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ دس برس تجھے اور زندگی دے دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ دس برس تک زندہ رہے۔

ایک بار میں حدیث شریف آپ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا یہ حدیث شریف کا پڑھنا سُن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ ذالک فضل اللہ یُوتیہ مِن یشاء۔

آخری ایّام میں تو آپ بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اپنی ہستی کو فراموش کر دیا تھا اور ذات مبارک سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر وقت مراقب رہتے۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ میں یہ علم و معرفت کا آفتاب غروب ہوگیا، اور اپنے آبائی قبرستان میں ۱۴ رمضان المبارک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت مفتیٔ اعظم علامۂ دوراں مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۰ھ تا ۱۳۶۴ھ

"دُنیا کی سب قوموں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن انگریز قوم ہرگز قابلِ اعتماد نہیں"
یہ الفاظ ہیں حضرت مفتیٔ اعظم مولانا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی مرحوم کے جنھوں نے سرزمین بے آئین میں رہ کر استبداد و تشدد کے طوفان میں انگریز سامراج کی مخالفت اور عوام مزدور اور دہقان کی حمایت کی، جنھوں نے آخری سانس بھی قوم و وطن کی محبت پر نثار کر دیئے، جو ایک بہت بڑے انقلابی لیڈر، مدبر رہنما، فاضلِ اجل، عالمِ باعمل، حریت پرور، اور انسان دوست فرد تھے اور جن کی انتھک مساعی اور بے لوث قربانیوں کی بدولت اب تک فضائے سرحد میں صحیح انقلاب کی گونج باقی ہے۔

آپ کا نام نامی و اسم گرامی عبدالرحیم، مفتیٔ اعظم لقب ہے اور پوپلزئی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ۱۸۹۰ء میں بمقام پشاور حضرت مفتی سرحد مولینا عبدالحکیم صاحب کے گھر میں تولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار مفتیٔ سرحد مولینا عبدالحکیم تھے علمی حلقے میں آپ کا شہرہ صرف صوبہ سرحد ہی میں نہیں، بلکہ کابل، قندھار، غزنی اور

ہر اسمت پھیلا ہوا تھا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جوق در جوق آ آ کر آپ کے وسیع علم سے مستفیض ہوتے۔ سیاسی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت نہایت اہم تھی آپ خلافت کمیٹی کے صدر تھے۔ مولینا عبدالرحیم صاحب کے دادا حضرت علامہ محمد امین صاحب کا شمار بھی صوبہ سرحد کے ممتاز ترین علمائیں ہوتا تھا۔

حضرت استاذ گرامی مرتبت مفتیٔ اعظم مولینا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی مرحوم نے ۱۹۰۸ء تک پشاور میں مختلف علماء سے اور بالخصوص اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کی۔ کتب درسیہ سے فراغت حاصل کر کے ۱۹۰۸ء میں رامپور ہوتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب شیخ الدرس تھے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شیخ الہند کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے اُستاد کا جس وقت بھی درس میں نام لیتے تو نہایت ہی ادب و احترام سے لیتے اور فرماتے۔ "کہ مجھے فخر ہے کہ شیخ الہند جیسے مجاہد میرے اُستاد ہیں"

تعلیم سے فراغت حاصل کر کے آپ نے اُستاد کے ارشاد پر سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی، تو آپ نے نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ اس تحریک میں قوم کی خدمت کی۔ اپنی پُرخلوص اور بے لوث خدمات کا سکّہ ہر ایک کے دل پر بیٹھا دیا۔ درحقیقت آپ کی سیاسی زندگی کا زمانہ کھلے طور پر یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی حیثیت اس تحریک میں ایک قائد کی تھی۔

۱۹۲۷ء میں آپ نے ایک ہفت روزہ صحیفہ "سرفروش" کا اجراء کیا جس

ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ ان تمام علاقوں کے لوگ جوق در جوق آ آ کر آپ کے وسیع علم سے مستفیض ہوتے۔ سیاسی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت نہایت اہم تھی آپ خلافت کمیٹی کے صدر تھے۔ مولینا عبدالرحیم صاحب کے دادا حضرت علامہ محمد امین صاحب کا شمار بھی صوبہ سرحد کے ممتاز ترین علماء میں ہوتا تھا۔

حضرت استاذ گرامی مرتبت مفتیٔ اعظم مولینا عبدالرحیم صاحب پوپلزئی مرحوم نے ۱۹۰۸ء تک پشاور میں مختلف علماء سے اور بالخصوص اپنے والدِ محترم سے تعلیم حاصل کی۔ کتبِ درسیہ سے فراغت حاصل کر کے ۱۹۰۸ء میں رامپور ہوتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب شیخ الدرس تھے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت شیخ الہند کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں ہوتا تھا۔ آپ اپنے اُستاد کا جس وقت بھی درس میں نام لیتے تو نہایت ہی ادب و احترام سے لیتے اور فرماتے۔ "کہ مجھے فخر ہے کہ شیخ الہند جیسے مجاہد میرے اُستاد ہیں"

تعلیم سے فراغت حاصل کر کے آپ نے اُستاد کے ارشاد پر سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں جب ہجرت کی تحریک شروع ہوئی، تو آپ نے نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ اس تحریک میں قوم کی خدمت کی۔ اپنی پُر خلوص اور بے لوث خدمات کا سکہ ہر ایک کے دل پر بیٹھا دیا۔ در حقیقت آپ کی سیاسی زندگی کا زمانہ کھلے طور پر یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ آپ کی حیثیت اس تحریک میں ایک قائد کی تھی۔

۱۹۲۷ء میں آپ نے ایک ہفت روزہ صحیفہ "سرفروش" کا اجراء کیا جس

میں تقریباً تمام مقالات، شذرات اور مضامین آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہوتے تھے صوبہ سرحد میں اس وقت جبکہ ظلم و جور کی جابرانہ قوت نے جمہوریت اور آزادی کو دبا رکھا تھا۔ یہ اپنی قسم کا واحد اخبار تھا جو کہ غریب عوام، محنت کش، مزدور، اور مفلوک الحال لوگوں میں بیداری اور اپنے حقوق کی حفاظت کا جذبہ صادقہ پیدا کرتا تھا۔ انگریزی سامراج پر جائز اور تعمیری نکتہ چینی کرنا بغیر کسی خوف و خطر کے اس اخبار کا طرۂ امتیاز تھا۔ آج اگر ہم یہ کہیں، تو بے محل نہ ہوگا، اور بے جا بھی نہ ہوگا کہ صوبہ سرحد کی سیاسی بیداری میں اس اخبار کو بہت دخل رہا ہے۔

مولینا صاحب کی مسلسل کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۲۶ء میں یہاں کانگریس کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر جب آپ نے دیکھا کہ کانگرس میں ایسے افراد ہیں جو سرمایہ دارانہ خیالات کے مالک ہیں اور غریب عوام کی خدمت نہیں کرتے۔ نیز آپ مکمل اشتراکی خیالات رکھتے تھے۔ لہذا آپ نے چند اشتراکی رفیقوں کے تعاون سے "نوجوان بھارت سبھا" کے نام سے ایک الگ جماعت کا قیام عمل میں لائے۔ آپ کو اس جماعت کا سرپرست بنایا گیا۔ صوبہ سرحد کا نوجوان اور باعمل طبقہ آپ کے ساتھ مل گیا۔ آپ نے آنے والے انقلاب کو دیکھتے ہوئے صوبہ سرحد کے قریہ قریہ گاؤں گاؤں، اور شہر شہر کا دورہ کیا، ایک بہادر، شجاع اور نڈر انقلابی کی طرح دنیا کو یہ پیغام دیا۔ "دنیا چین و آرام کی زندگی بسر کرے۔ ملک کا نظام حکومت معاشی اور اقتصادی خوشحالی کا کفیل ہو۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، ظلم و استبداد کا استیصال کیا جائے، ظالم کی حمایت نہ ہو اور نہ مظلوم کی حق تلفی ہو۔"

اس کے بعد آپ نے آزاد قبائل کا دورہ کیا۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ بڑے

بڑے علما، اور سیاسی کارکن بھی تھے۔ آپ کے اس سفر کا ایک اہم مقصد (علاوہ دیگر مقاصد کے) یہ بھی تھا کہ انگریزوں کی اُن ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا جائے جو امان اللہ خان مرحوم سابق والیٔ افغانستان کے متعلق کی جارہی تھیں۔ چنانچہ آپ آزاد قبائل کے مشاہیر علما، مشائخ اور خوانین سے ملے اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اس سفر میں آپ کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر آپ نے ان تمام تکالیف کا مقابلہ کیا۔ اور اواخر ۱۹۲۹ء میں واپس پشاور لوٹے، اور اس تمام روئداد کو قلم بند کر کے عوام الناس کی معلومات کے لئے شائع کر دیا۔ اب آپ کی انتھک کوشش اور سعی پیہم سے تمام لوگ اور خصوصاً غریب عوام جہاد آزادی کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ سول نافرمانی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جلسوں میں آپ کی تقاریر سے غریب اور نادار عوام آزادی کی تڑپ اور "انقلاب زندہ باد" کے نعروں سے اپنے قلوب گرما رہے تھے۔

گورنمنٹ انگریزی نے ۲۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح آپ کو مع دوسرے رفقاء کے گرفتار کر لیا۔ اسی دن ان لوگوں کی گرفتاری پر عوام میں بے چینی پھیل گئی، مکمل ہڑتال کی گئی، جلوس نکلے، انگریزوں نے فوج طلب کر کے نہتے اور مظلوم عوام پر اندھا دھند مسلسل ساڑھے تین گھنٹہ تک گولی چلائی، قصہ خوانی بازار شہدا کے خون سے لالہ زار بن گیا۔ قدم قدم پر لاشیں اور زخمیوں کی کراہنے کی آوازیں تھیں۔ کتنے نوجوان تھے جو اس دن شہید ہوئے اور کتنے بچے اس دن یتیم ہوئے۔ ان تمام مصیبتوں اور تکالیف کا برداشت کرنا اور وطن عزیز کی آزادی کے لئے بیش از بیش قربانیاں کرنا آپ ہی کی بے پناہ کوشش اور حصول آزادی کے لئے تیار کرنے کا نتیجہ تھا۔ پشاور

سے آپ کو گجرات جیل منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاندھی اروِن پیکیٹ کے تحت آپ
رہا ہوئے اور آخر ۱۹۳۱ء میں انگریزی سامراج کے خلاف "اتمان زئی" کے ایک
عظیم الشان جلسہ میں صدائے احتجاج بلند کی۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو تین سال
قید کر دیا گیا اور ہری پور جیل میں رکھا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے رہائی حاصل کی۔
جب آپ گھر پہنچے تو آپ کو میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔ اِس دوران میں آپ
نے بیت اللہ شریف کے سفر کا ارادہ کیا۔ گورنمنٹ نے آپ کو سفر کی اجازت نہ
دی، تو آپ نے احکام توڑنے کی دھمکی دی نتیجۃً گورنمنٹ نے آپ کو ا[illegible]
دے دی۔ دو سال تک آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں رہے۔ جب آپ واپس
تشریف لائے تو اسی طرح آپ نے آزادیٔ وطن کی خاطر اپنی سرگرمیاں شروع کر
کردیں ۱۹۳۶ء میں اصلاحات کے تحت کانگرس نے یہاں اپنی حکومت بنائی۔
ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ اب کانگرس جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ
غریبوں، بھوکے، ناداروں اور مفلوک الحال زمینداروں کے لہو اور ہڈیوں پر بنی ہے
سر پر آرائے حکومت ہو چکی ہے۔ حضرت مولینا مرحوم نے اس کانگرسی حکومت کو نواب
آف طورو کے ظلم و جور سے آگاہ کیا جو اُس نے اپنے کمزور اور بے کس کسانوں پر
روا رکھے تھے، مگر وہ حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آپ نے برابر پراونشل کانگرس کو
بھی اس اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کیا۔ مگر اس طرف سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار
آپ کی "سرپرستی" میں "غلہ ڈھیر" تحریک شروع ہو گئی۔ آپ نے ایک بہادر
انقلابی کی طرح مفلوک الحال زمینداروں کی حمایت میں "اپنی حکومت" کے مقابلہ پر
آ کر ۱۹۳۷ء میں سینہ سپر ہو گئے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کا لالچ دیا گیا، مگر

آپ کا ارشاد ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دل فریب کرشمے مضبوط سے مضبوط ارادے کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کامیابی کا راز عزیمت میں ہے اور چشمک آرزو کے فریب خوردہ ارادے دنیائے عزیمت کے حدود سے خارج ہیں"

آپ نے اپنا یہ ارشاد سچا کر دکھایا کہ مردانِ عزیمت ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ہمت عزم اور استقلال کے ساتھ اس تحریک کو چلایا۔ آخر اس اپنی حکومت نے ایک سرمایہ دار کی حمایت کرتے ہوئے مولینا صاحب کو گرفتار کر لیا اور ایک سال قید کی سزا دی، نیز جیل میں عام قیدیوں سا سلوک آپ کے ساتھ کیا۔ اس قید کو بھی آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ پورا کیا۔

۱۹۳۸ء میں رہا ہونے کے بعد وہی جذبہ صادقہ غریبوں کی امداد، بیچاروں اور بیکسوں کی حمایت آپ نے ضلع ہزارہ کے غریب زمینداروں اور کسانوں کی حمایت کے لئے "ہزارہ کسان کانفرنس" منعقد کی۔ تمام ہزارہ کا دورہ کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں پہلی ہزارہ کانفرنس منعقد کی جس کی صدارت کے فرائض آپ نے خود انجام دیئے۔ غریب عوام کے مطالبات آپ نے کانگرس کے سامنے پیش کیے۔ آخر پراونشل کانگرس کمیٹی کا اجلاس ایبٹ آباد میں کروا کر مزارعین کے مطالبات منظور کروا دیئے۔

اواخر ۱۹۳۹ء میں جب برطانوی استبدادیت نے غریب اور لاچار وزیرستانیوں پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ بمباری، توپوں کے ذریعے آتشیں گولے مشین گنوں اور مسلح موٹروں کے ذریعے گولیوں کی آگ برسائی تو آپ نے اس ظلم و جبر کے خلاف

بتوں میں جلسے منعقد کر کے حکومت کے خلاف تقاریریں کیں، اور عوام الناس کو ان مظالم سے آگاہ کیا چنانچہ اس کلمۂ حق کہنے پر آپ کو گرفتار کر کے پانچ سال قید کر دیا گیا۔ اور قید بھی بامشقت تھی۔ ایڈوائزری دورِ حکومت میں گورنمنٹ نے آپ کو اس شرط پر کہ آپ صرف بتوں نہیں جائیں گے، رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس پیکرِ حق و صداقت اور علمبردارِ حریت نے کمال بے باکی اور جرأت سے جواب دیا۔ "کہ جب میں اس حکومت کو ہی عملاً تسلیم نہیں کرتا تو کسی شرط کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" آخر تین سال کی قید کے بعد آپ کو رہا کیا گیا۔ اس قید کے درمیان آپ کو پلورسی کی بیماری ہوئی اور اسی سے انتقال ہوا۔

چونکہ آپ کے خیالات غریبوں کی حمایت بیکسوں کی دادرسی کرنا تھا اس لئے رجعت پسند طبقہ اور وہ کانگرسی طبقہ جو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتا تھا آپ کے خلاف مذہب کی آڑ لے کر لغو اور فحش پراپیگنڈہ کیا کرتا تھا۔ آپ کو طعنوں سے نوازا جاتا تھا۔ بالخصوص آپ پر یہ الزام لگایا جاتا کہ آپ کا طریقِ کار ملّی مفاد کے خلاف ہے اور خطرناک ہے۔ مذہب کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ مگر آپ تمام الزامات کا جواب کمال بردباری اور تحمل کے ساتھ دیتے اور معاف فرما دیتے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے جواب دیا۔ "آخر مجھے کوئی یہ تو بتائے کہ قوم کی بہبودی، ملک کی ترقی و خوش حالی، مظلوم کی ہمدردی، غمزدوں کی تشفی، بیکسوں کی دلجوئی، ظالم سے اعراض، بنی نوعِ انسان کے ساتھ سلوک و رواداری، کس مذہب میں منع ہے، کس دین میں جرم اور کس تہذیب کے خلاف ہے۔ کیا اسلام نے ان امور کی دعوت نہیں دی، شریعت نے ان کا احساس نہیں دلوایا" فرماتے ہیں "اگر جواب

اثبات میں ہے تو بتلائیے کہ ۱۹۲۹ء سے لے کر اس وقت تک میری متعدد تحریریں اور تقریریں کس موضوع پر تھیں۔ کیا ان میں اور متذکرہ بالا کے سوا مواد موجود ہیں جن کی وجہ سے مذہبی و ملی مفاد کو خطرہ پہنچتا ہے۔"

آپ نے کابل کے تین سفر کئے تھے۔ ایک سفر والیٔ کابل غازی امان اللہ خاں کے زمانہ میں، دوسرا سفر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مرحوم کی خواہش پر اور تیسرا سفر آپ نے قندھار تک کیا تھا۔

۱۹۳۴ء میں بیت اللہ شریف کا سفر کیا۔ آپ دو سال تک حرمین شریفین میں مقیم رہے۔ بادشاہ ابنِ سعود نے آپ کو مہمان رکھا اور بہت خاطر و مدارات کی۔

حضرت علامہ اگر سیاست کے میدان میں ظلم و جبر کے خلاف ایک بہادر نڈر اور انقلابی مجاہد کی طرح سینہ سپر کھڑے رہے تو اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور عرفان کے دریا بھی بہاتے رہے۔

اپنے مکان (واقعہ محلہ گاڑی بخانہ پشاور) پر تمام دن درس جاری رہتا۔ طلباء کا جمگھٹا ہوتا۔ کوئی تفسیر پڑھ رہا ہے تو کوئی حدیث شریف، کوئی فقہ پڑھ رہا ہے تو کوئی اصول فقہ، کوئی تصوّف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی اخلاق کی۔ کوئی منطق پڑھ رہا ہے تو کوئی فلسفہ۔ غرضیکہ ہر علم و فن کا درس جاری ہے۔ جب بھی کوئی استفتا آتا تو آپ قلم برداشتہ اُس کا جواب لکھ دیتے۔ وعظ فرماتے تو حکمت و موعظت کے موتی بکھیرتے آپ کو اسی دینی خدمت پر متفقہ طور پر صوبہ سرحد اور اس کے تمام ملحقہ آزاد قبائل نے مفتیٔ اعظم تسلیم کیا۔ صوبہ سرحد کابل قندھار، تاشقند اور آزاد قبائل میں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں۔

سے آپ کو گجرات جیل منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں گاندھی ارون پیکیٹ کے تحت آپ رہا ہوئے اور آخر ۱۹۳۱ء میں انگریزی سامراج کے خلاف "اتمان زئی" کے ایک عظیم الشان جلسہ میں صدائے احتجاج بلند کی۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو تین سال قید کر دیا گیا اور ہری پور جیل میں رکھا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے رہائی حاصل کی۔ جب آپ گھر پہنچے تو آپ کو میونسپل حدود میں نظر بند کر دیا گیا۔ اِس دوران میں آپ نے بیت اللہ شریف کے سفر کا ارادہ کیا۔ گورنمنٹ نے آپ کو سفر کی اجازت نہ دی، تو آپ نے احکام توڑنے کی دھمکی دی۔ نتیجۃً گورنمنٹ نے آپ کو اجازت دے دی۔ دو سال تک آپ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ طیبہ میں رہے۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو اسی طرح آپ نے آزادیٔ وطن کی خاطر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ۱۹۳۶ء میں اصلاحات کے تحت کانگرس نے یہاں اپنی حکومت بنائی۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعظم مقرّر ہوئے۔ اب کانگرس جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ غریبوں، بھوکے، ناداروں اور مفلوک الحال زمینداروں کے لہو اور ہڈیوں پر بنی ہے سر برآرائے حکومت ہو چکی ہے۔ حضرت مولینا مرحوم نے اس کانگرسی حکومت کو نواب آف طورو کے ظلم و جور سے آگاہ کیا جو اُس نے اپنے کمزور اور بے کس کسانوں پر روا رکھے تھے، مگر وہ حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آپ نے برابر پراونشل کانگرس کو بھی اس اہم مسئلہ کی طرف متوجّہ کیا۔ مگر اس طرف سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار آپ کی "سرپرستی" میں "غلہ ڈھیر" تحریک شروع ہو گئی۔ آپ نے ایک بہادر انقلابی کی طرح مفلوک الحال زمینداروں کی حمایت میں "اپنی حکومت" کے مقابلہ پر آ کر ۱۹۳۷ء میں سینہ سپر ہو گئے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کا لالچ دیا گیا، مگر

آپ کا ارشاد ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دل فریب کرشمے مضبوط سے مضبوط ارادے کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کامیابی کا راز عزیمت میں ہے اور چشمک آرزو کے فریب خوردہ ارادے دنیائے عزیمت کے حدود سے خارج ہیں۔"

آپ نے اپنا یہ ارشاد سچا کر دکھایا کہ مردانِ عزیمت ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ہمت عزم اور استقلال کے ساتھ اس تحریک کو چلایا۔ آخر اس اپنی حکومت نے ایک سرمایہ دار کی حمایت کرتے ہوئے مولینا صاحب کو گرفتار کر لیا اور ایک سال قید کی سزا دی، نیز جیل میں عام قیدیوں سا سلوک آپ کے ساتھ کیا۔ اس قید کو بھی آپ نے صبر و استقامت کے ساتھ پورا کیا۔

۱۹۳۸ء میں رہا ہونے کے بعد وہی جذبہ صادقہ غریبوں کی امداد، بیچاروں اور بیکسوں کی حمایت آپ نے ضلع ہزارہ کے غریب زمینداروں اور کسانوں کی حمایت کے لئے "ہزارہ کسان کانفرنس" منعقد کی۔ تمام ہزارہ کا دورہ کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں پہلی ہزارہ کانفرنس منعقد کی جس کی صدارت کے فرائض آپ نے خود انجام دیئے۔ غریب عوام کے مطالبات آپ نے کانگرس کے سامنے پیش کئے۔ آخر پراونشل کانگرس کمیٹی کا اجلاس ایبٹ آباد میں کروا کر مزارعین کے مطالبات منظور کروا دیئے۔

اواخر ۱۹۳۹ء میں جب برطانوی استبدادیت نے غریب اور لاچار وزیرستانیوں پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ بمباری، توپوں کے ذریعے آتشیں گولے مشین گنوں اور مسلح موٹروں کے ذریعے گولیوں کی آگ برسائی تو آپ نے اس ظلم و جبر کے خلاف

بنّوں میں جلسے منعقد کر کے حکومت کے خلاف تقاریریں کیں، اور عوام الناس کو ان مظالم سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اس کلمۂ حق کہنے پہ آپ کو گرفتار کر کے پانچ سال قید کر دیا گیا۔ اور قید بھی بامشقت تھی۔ ایڈوائزری دورِ حکومت میں گورنمنٹ نے آپ کو اس شرط پر کہ آپ صرف بنّوں نہیں جائیں گے، رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ مگر اس پیکرِ حق و صداقت اور علمبردارِ حریت نے کمال بے باکی اور جرأت سے جواب دیا "کہ جب میں اس حکومت کو ہی عملاً تسلیم نہیں کرتا تو کسی شرط کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" آخر تین سال کی قید کے بعد آپ کو رہا کیا گیا۔ اس قید کے درمیان آپ کو پلورسی کی بیماری ہوئی اور اسی سے انتقال ہوا۔

چونکہ آپ کے خیالات غریبوں کی حمایت، بیکسوں کی دادرسی کرنا تھا اس لئے رجعت پسند طبقہ اور وہ کانگرسی طبقہ جو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھتا تھا آپ کے خلاف مذہب کی آڑ لے کر لغو اور فحش پراپیگنڈہ کیا کرتا تھا۔ آپ کو طعنوں سے نوازا جاتا تھا۔ بالخصوص آپ پر یہ الزام لگایا جاتا کہ آپ کا طریقِ کار ملّی مفاد کے خلاف ہے اور خطرناک ہے۔ مذہب کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ مگر آپ تمام الزامات کا جواب کمال بردباری اور عمل کے ساتھ دیتے اور معاف فرما دیتے۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے جواب دیا۔ "آخر مجھے کوئی یہ تو بتائے کہ قوم کی بہبودی، ملک کی ترقی و خوش حالی، مظلوم کی ہمدردی، غمزدوں کی تشفی، بیکسوں کی دلجوئی، ظالم سے اعراض، بنی نوعِ انسان کے ساتھ سلوک و رواداری، کس مذہب میں منع ہے، کس دین میں جرم اور کس تہذیب کے خلاف ہے۔ کیا اسلام نے ان امور کی دعوت نہیں دی، شریعت نے ان کا احساس نہیں دلوایا" فرماتے ہیں "اگر جواب

اثبات میں ہے تو بتلایئے کہ ۱۹۲۹ء سے لے کر اس وقت تک میری متعدد تحریریں اور تقریریں کس موضوع پر تھیں۔ کیا ان میں اور متذکرہ بالا کے سوا مواد موجود ہیں جن کی وجہ سے مذہبی و ملی مفاد کو خطرہ پہنچتا ہے۔"

آپ نے کابل کے تین سفر کئے تھے۔ ایک سفر والیٔ کابل غازی امان اللہ خاں کے زمانہ میں، دوسرا سفر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مرحوم کی خواہش پر، اور تیسرا سفر آپ نے قندھار تک کیا تھا۔

۱۹۳۴ء میں بیت اللہ شریف کا سفر کیا۔ آپ دو سال تک حرمین شریفین میں مقیم رہے۔ بادشاہ ابن سعود نے آپ کو مہمان رکھا اور بہت خاطر و مدارات کی۔

حضرت علامہ اگر سیاست کے میدان میں ظلم و جور کے خلاف ایک بہادر نڈر اور انقلابی مجاہد کی طرح سینہ سپر کھڑے رہے تو اس کے ساتھ ساتھ علم و ادب اور عرفان کے دریا بھی بہاتے رہے۔

اپنے مکان (واقعہ محلہ گاڑی خانہ پشاور) پر تمام دن درس جاری رہتا۔ طلباء کا جمگھٹا ہوتا۔ کوئی تفسیر پڑھ رہا ہے تو کوئی حدیث شریف، کوئی فقہ پڑھ رہا ہے تو کوئی اصول فقہ، کوئی تصوف کی کتابیں پڑھ رہا ہے تو کوئی اخلاق کی۔ کوئی منطق پڑھ رہا ہے تو کوئی فلسفہ۔ غرضیکہ ہر علم و فن کا درس جاری ہے۔ جب بھی کوئی استفتا آتا تو آپ قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیتے۔ وعظ فرماتے تو حکمت و موعظت کے موتی بکھیرتے۔ آپ کو اسی دینی خدمت پر متفقہ طور پر صوبہ سرحد اور اس کے تمام ملحقہ آزاد قبائل نے مفتیٔ اعظم تسلیم کیا۔ صوبہ سرحد، کابل، قندھار، تاشقند اور آزاد قبائل میں سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں۔

تصوف میں آپ جناب مجاہدِ کبیر حضرت نجم الدین صاحب ہڈہ کے پیرو تھے۔ اِسی لئے مجاہدِ جلیل صاحب فقر و غنا جناب حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے۔

جب یہ پیکرِ صبر و استقلال آخری بار قید سے رہا ہوئے تو بہت ہی کمزور اور نحیف ہو چکے تھے۔ دورانِ قید ہی میں آپ پر پلوریسی اور گردہ درد کا مہلک دورہ پڑا تھا۔ مگر اِس سے کچھ سنبھل گئے تھے۔ پھر جب دوسری بار دورہ پڑا تو اس دورہ سے جان بر نہ ہو سکے۔ بیماری کے ایّام میں جب کبھی حاضری کا موقع ملا، تو فرماتے "امتحان کے پرچے دے رہا ہوں۔ دیکھو کب امتحان ختم ہوتا ہے"۔ تقریباً دس ماہ علیل رہ کر ۵۴ برس کی عمر میں بروز بدھ ۳۱ مئی ۱۹۴۴ء کو یہ آفتابِ علم و عمل غروب ہو گیا۔

حضرت قدوۃ السالکین سیّد شریف حسین صاحب شاکر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳۰ھ تا ۱۳۷۹ھ

آپ کا اسم شریف سیّد شریف حسین تخلّص شاکر، والد کا اسم گرامی سیّد محمد سعید جان صاحب دادا کا اسم مُبارک حضرت الحاج آقا سیّد سکندر شاہ صاحب (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) تھا اور "شاکر بغدادی[1]" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ نجیب الطرفین سیّد ہیں۔ آپ کی عمر صرف تین ماہ کی تھی کہ والدہ صاحبہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ جب عمر چار برس کی ہوئی تو حضرت حافظ جی سیّد ولایت شاہ صاحب مرحوم سے قرآن مجید شروع کرایا گیا۔ اور دیگر فارسی اُردو کی کتابیں بھی پڑھنی شروع کیں ساتھ ہی پرائمری سکول میں انگریزی تعلیم بھی شروع کر دی گئی۔ آپ نے ایف۔ اے (انگریزی کی) کلاس پاس کی اور فارسی میں منشی فاضل کیا۔ عربی کی تعلیم حضرت علّامہ وقت صدر المدرسین دار العلوم رفیع الاسلام بھانہ ماڑی مولٰنا مولوی سیّد محمد ایوب شاہ صاحب سے تکمیل کی۔

---

[1] چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ بغداد محبوبِ سُبحانی قطبِ رُبانی شہباز لامکانی سیّد شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ سے ملتا ہے۔ اِس لئے اسی نسبت سے آپ اپنے آپ کو بغدادی لکھتے تھے۔

کچھ مدت مشن ہائی سکول اور خالصہ ہائی سکول میں فارسی پڑھاتے رہے برادرم مسعود انور صاحب شفقی ایڈیٹر روزنامہ انجام نے آپ کے سکول کی زندگی کے متعلق لکھا ہے۔[1] "آغا صاحب (مرحوم) سکول کے ماحول میں بہت بلند کردار اور حد درجہ کے خود دار تھے، وہ فارغ اوقات میں ہمیشہ سکول کی لائبریری میں مطالعے میں مشغول دیکھے گئے۔ میں نے کبھی بھی ان کو دوسرے اُستادوں سے بے تکلف ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ کبھی کسی سے مرعوب نظر آئے۔ ہمیشہ انھوں نے اپنے آپ کو عام ماحول سے بلند رکھا، اور دوسرے کو اپنے اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی سے مجبور کیا کہ وہ ان کی ضرورت ہر قدم اور ہر مرحلہ پر محسوس کریں۔"

جناب خلیفہ عبدالرشید صاحب تحریر کرتے ہیں "آپ بچپن ہی سے بڑے فیاض اور سخی تھے۔ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے تھے۔ بچپن ہی سے اولیاء اللہ اور مزارات سے بڑا اُنس تھا۔ جب کسی بزرگ یا مزار کا پتہ ملتا تھا۔ فوراً وہاں تشریف لے جاتے تھے اور فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔"

آپ کے والد کا ۱۹۳۵ء میں جب انتقال ہوا تو قُل کے دن سر عبدالقادر صاحب نشتر مرحوم سابق گورنر پنجاب کی ایک مختصر سی تقریر کے بعد آپ کے چچا جناب حضرت آغا سید تجمل حسین صاحب نے آپ کو اپنے والد کی جگہ صاحبِ سجادہ مقرر کر دیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ میں بیعت کر کے صاحبِ مجاز و معنعن بھی کر دیا، اور جب تک زندہ رہے آپ کی تربیت کرتے رہے۔

---

[1] روزنامہ "انجام" ۱۵ اپریل ۱۹۶۰ء

صاحب سجادہ ہونے کے بعد اپنے آباؤ اجداد کی طرح اپنے سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی محبت بھری شخصیت اور اخلاقِ کریمانہ نے تمام مریدین اور مخلصین کو آپ کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ ہندوستان پنجاب اور افغانستان کے اکثر سجادہ نشین آپ سے بڑی محبت کرتے، اور آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

ذکر اذکار کی محفلیں منعقد کرتے اور مریدین کو ہمیشہ ذکر بالجہر کرنے کی تلقین کرتے۔ آپ کے حلقۂ ذکر میں ہمیشہ ایسی گرمی اور یمن و برکت ہوتی تھی کہ لوگ بیتاب ہو کر وجد و حال میں تڑپتے تھے۔ نماز، روزہ، اور شریعت کی انتہائی پابندی کرتے تھے۔ اور باقاعدہ نماز تہجد ادا کر کے اپنے اوراد و اشغال میں مصروف ہو جاتے۔ سلسلہ چشتیہ میں لاہور، چونیاں، قصور کے اکثر احباب کو مرید کیا۔ سماع کی محفل میں انتہائی آداب کی پابندی کرتے اور آپ کی توجہ اور نظرِ کرم سے اہلِ محفل ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتے رہتے۔ آپ پر خود بھی وجد و حال کی کیفیت رہتی۔ باوجود ان سب باتوں کے ہمیشہ اپنی ذات کی نفی فرماتے۔

آپ نے معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے دُور دراز کے سفر کئے۔ مزار شریف، کابل، بغداد شریف، نجفِ اشرف، کربلائے معلیٰ اور ہندوستان کی تمام مزارات (بالخصوص اجمیر شریف تو ہر سال تشریف لے جاتے تھے) پر حاضر ہوئے۔ اثنائے سفر میں خدا رسیدہ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، فیوض و برکات حاصل کیئے۔

آپ کو ادبِ اردو، اور شعر و شاعری میں بڑا درجہ اور مقام حاصل تھا۔ آپ حضرت علامہ سید وحید الدین صاحب بے خود دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ جناب بیخود صاحب کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی، جب کبھی بھی دہلی تشریف لے

گئے تو جناب بیخود صاحب خاص طور پر آپ کی خاطر مشاعرہ کی مجلس، آپ کی صدارت میں منعقد کرواتے۔ ایک بار لائلپور میں عظیم الشان مشاعرہ ہُوا۔ جس میں ہندوستان کے چیدہ چیدہ شعراء مدعو تھے۔ ان میں آپ کے اُستاد بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کو اِس مشاعرہ میں خاص طور پر دعوت دی گئی تھی اور ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی ملک کے بلند پایہ اُدبی رسائل میں آپ کے مضامین اور اشعار اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ نے اپنا کافی کلام چھوڑا ہے۔ جس میں توحید، نعت اور غزل ہے۔ کلام پر طبیعت کے مطابق تصوّف کا رنگ غالب تھا۔

آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ ایک بار آپ مری تشریف لے گئے۔ مری میں آپ پر "وجع القلب" کا دورہ پڑا، اس تکلیف میں آپ نے چند دن گذارے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آرام عطا فرمایا۔ ایک برس کے بعد لاہور سے پشاور آتے ہوئے ریل گاڑی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ پر شدید قسم کا دورہ پڑا۔ اب آپ کی طبیعت نہ سنبھلی۔ پشاور شہر کے معروف ڈاکٹر سید علی رضا صاحب آپ کے معالج تھے۔ نماز عید حسب سابق حضرت سلطان العارفین سید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لائے دو دن کے بعد رات کے دو بجے تیسری بار آپ پر قلب کا انتہائی شدید قسم کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی اور آپ لیڈی ریڈنگ اسپتال میں داخل کرا دیئے گئے تیسرے دن یعنی ۷ شوال ۱۳۷۹ھ کو اچانک آپ نے ایک نعرہ "اللہ" کا لگایا اور آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انگریزی کی ۴ اپریل ۱۹۶۰ء پیر کا دن تھا۔

آپ کی وفات کی خبر تمام پشاور میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ پشاور کے بڑے بڑے

بازار بند ہو گئے۔ دوسرے دن آپ کا جنازہ صبح دس بجے اٹھایا گیا۔ ہزارہا لوگ پشاور، مضافات، راولپنڈی، لاہور، قصور اور چونیاں اور ہزارہ سے آئے اور جنازہ میں شامل ہوئے۔ محترمی سلطان محمد صاحب نار نے اس قطعہ سے آپ کی تاریخِ وفات نکالی ہے۔

نار محسن مرے، مرے مشفق چل دیئے چھوڑ کے، مجھے مغموم
فکرِ تاریخ پہ یہ آئی ندا! وائے داغ شریف جانِ مرحوم
۱ ۹ ۶ ۷ ۰

آپ کا صرف ایک ہی سات سالہ فرزند سیّد محی الدین عابد فوزی الگیلانی ہے، سلمہ الرحمٰن۔

حضرت مولینا سید فضل صمدانی صاحب بنوری مد ظلہ العالی

۱۳۰۰ھ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سید فضل صمدانی صاحب ہے، والد کا اسم گرامی سید فضل ربانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں حضرت غوث زماں میاں محمد عمر صاحب المعروف چمکنی بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اجداد کو لوئے بابا احمد شاہ ابدالی درانی کے دورِ حکومت میں بنور سے بُلا کر یہاں پر مقیم کیا۔ آپ اپنے آبائی سلسلہ طریقت میں جو نقشبندیہ مجددیہ آدمیہ سے منسوب ہے منسلک ہیں۔ آپ کا خاندان نسلاً بعد نسل علماء و فضلاء اور مشایخ کا گھرانہ چلا آتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت مولینا مولوی شاہ رسول صاحب بالا گھڑی مدرس مدرسہ حافظ جی صاحب گنج، مولینا مولوی غازہ والدین صاحب اماز و گھڑی، اور دیگر کئی اکابر علماء و فضلاء سے درس نظامی کی تکمیل کر کے علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرلی۔

حضرت قاری ولاور صاحب گھڑی باغبانان سے فن قرأت و تجوید کو پورا کیا

حضرت قاری دلاور صاحب جس وقت تلاوت قرآن مجید کرتے تو اگر مشرک بھی آپ کی تلاوت سُنتا تو زار زار روتا۔

تعلیم علوم اسلامیہ سے فارغ ہوکر آپ نے ۱۳۴۱ھ میں اپنے مکان کے ساتھ ہی ایک دارالعلوم کی بُنیاد رکھی، جس کے ساتھ پرائمری تک مروجہ تعلیم کا بندوبست کیا۔ اس دارالعلوم کا نام "رفیع الاسلام" رکھا۔ اس دارالعلوم میں درس نظامی پڑھانے کا اہتمام کیا گیا۔ "اُستاذ العلماء" جناب حضرت مولینا مولوی سید محمد ایوب شاہ صاحب مدظلہٗ مدرس بنائے گئے۔ پانچ مدرسین دیگر علوم و فنون پڑھانے پر مقرر کئے گئے۔ چار مدرس درجۂ پرائمری میں مقرر کئے گئے۔ اس دارالعلوم میں بیک وقت تین سو طلباء تعلیم حاصل کرتے۔ اس دارالعلوم کے فضلاء اس وقت "شیخ الحدیث" کے ممتاز عہدوں پر مختلف مدارس میں مامور ہیں اور بعض کالجوں میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر ہیں، اس دارالعلوم میں طلباء کا لباس ایک ہی قسم کا تھا۔ یعنی سفید لباس، سیاہ شیروانی، اور ترکی سُرخ ٹوپی۔

آپ نے اِس دارالعلوم کے لئے کبھی بھی سرکار انگریزی سے کوئی رعایت اور مدد طلب نہیں کی۔ اور اگر برطانوی حکومت نے کبھی امداد وغیرہ کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اُس کو قطعاً قبول نہیں کیا۔ یہ دارالعلوم ۳۵ برس یعنی ۱۳۷۶ھ تک جاری رہا۔

آپ کے پاس ایک انتہائی نایاب اور نادر کتب خانہ ہے، جس میں تقریباً ۸ اور دس ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں تقریباً چار ہزار قلمی نوادرات تھے۔ ہندوستان اور پاکستان کے عظیم مورخ اور اکابر علماء ان کتابوں کو دیکھنے اور مطالعہ

کرنے کے لئے دُور دراز سفر کر کے آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ تقریباً نصف کتابیں پشاور یونیورسٹی نے تو اپنی لائبریری کے لئے خرید لی ہیں اور چند کتابیں نیشنل لائبریری کراچی نے خریدی ہیں۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت ہی نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

آپ نے دو بار حرمین الشریفین کا سفر کیا۔ اور ایک بار باقاعدہ طور پر ہندوستان کا سفر کیا۔ جس میں مشائخ اور علماء سے ملے، اور ان کی صحبتوں میں رہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ "اگر میں شریعتِ اسلامیہ کی اتباع میں مطمئن ہوں تو ان تمام مشائخ اور علماء میں صرف حضرت خواجہ نجم الدین صاحب المعروف ہڈہ ملّا صاحب سے مطمئن ہوا ہوں"۔

سیاسیات میں آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ تعلق رکھا اور آپ اپنے سرحد کے علاقہ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جمعیۃ العلماء ہند نے جنگِ آزادی کے لئے جو جو پروگرام بنائے۔ آپ نے اس علاقہ میں اس کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ بڑی گرم جوشی سے اس پر عمل پیرا ہوئے۔ جمعیۃ العلماء ہند کا امروہہ شہر (یوپی) میں جب سالانہ اجتماع ہوا تو وہاں پر جمعیۃ کے اکابرین نے ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا لائحہ عمل مرتّب کیا تو آپ ہی ایک فردِ واحد تھے جنھوں نے مخالفت کی کہ مسلمان مشرک کا ہمنوا نہیں بن سکتا۔ آپ نے جمعیۃ العلماء سے استعفیٰ دے دیا اور تمام سیاسی کشمکش سے الگ تھلگ ہو کر دارالعلوم رفیع الاسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

آپ نہایت ہی متواضع، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ شریفہ

دل خوفِ الٰہی سے بھرپور رکھتے ہیں۔ نڈر، حق گو، اور صاحبِ عزیمت ہیں اگر کسی مجلس یا جلسہ میں اتفاق ہو جاتا۔ اگرچہ وہ جلسہ یا مجلس مذہبی ہو یا سیاسی، اور آپ نے کوئی امرِ غیر شرعی اس میں دیکھا چاہے بڑے سے بڑا حاکم ہی اس جگہ موجود ہوتا آپ فوراً اس پر گرفت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام اسی وقت صاف صاف سُنا دیتے ہیں۔ آپ کے قلب میں اسلام کا درد کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ دینِ الٰہی سے مخلوقِ خدا اور حکومت کی غفلت پر ہر وقت آنسو بہاتے رہتے ہیں اور اسی غم میں گھُلے جا رہے ہیں۔ اسلام فروش مشائخ اور علماء کے سخت مخالف ہیں۔ سُنّتِ نبوی کے انتہائی پابند ہیں۔

اِس وقت آپ کی عمر ۸۳ برس ہے۔

الحاج حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب قادری چشتی مدظلہ العالی

۱۳۰۱ھ (اس وقت بقید حیات ہیں)

آپ کا نام نامی واسم گرامی حضرت الحاج حافظ گل فقیر احمد، القاب شیخ التفسیر والحدیث، خطیب اسلام ہے۔ آپ ۱۳۰۱ھ میں حضرت علامہ مولینا مولوی الحاج میاں نصیر احمد صاحب کے ہاں تولد ہوئے۔ آپ نے قرآن مجید کے پہلا پارہ کا تین پاؤ اپنے والد محترم سے حفظ کیا۔ آپ کو والد نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس برخوردار کو عالم بنائے گا۔ یہ دُعا قبول ہوئی اور آپ محدث جلیل، فقیہہ بے نظیر، اور مفسر علوم باطنی ہوئے۔

حافظ فضل احمد صاحب، حافظ غلام رسول صاحب اور حافظ محمد صادق صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن پاک یاد کرنے کے بعد اپنے وقت کے علماء کرام سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی، آپ نے ہر ایک فن جاننے والے عالم سے اسی فن کی کتابیں پڑھیں۔

مولینا مولوی عبدالحکیم صاحب سے فارسی کی تکمیل کی اور انشاء بھی سیکھی۔ صرف وقت کے بہترین اور مشہور صرفی نحوی علماء جناب مولینا مولوی اللہ دین صاحب

اور جناب مولینا مولوی قاضی سراج دین صاحب سے مکمل پڑھی۔ حضرت مولینا مولوی قاضی صاحب بڈھیمی سے معقول، معانی اور اصول فقہہ کو مکمل کیا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ، فقیہہ عصر حضرت مولینا مولوی پیر علی شاہ صاحب ساکن ڈھکی نعلبندی سے پڑھا اور پھر حدیث شریف کی سند استاذ العلماء حضرت مولینا مولوی محمد ایوب صاحب محدث سے حاصل کی (آپ کی یہ سند "سند مکی" کہلاتی ہے جو مسمیٰ ہے "ثبت امیری" سے) فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی حضرت مولینائے روم اور دیگر رسائل تصوف، حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (جو کہ تصوف کے علوم میں مجتہد تھے) سے سبقاً سبقاً پڑھے۔ نیز اعلیحضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ ایک عرب محدث گولڑہ شریف تشریف لائے تھے۔ آپ کو انھوں نے بھی سند حدیث مرحمت فرمائی تھی، گویا اُستاذ گرامی قدر کے پاس حدیث مبارک کی تین مستند سندیں ہیں۔

آپ نے سلسلہ چشتیہ میں حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے بیعت کی، منازل سلوک طے کرکے قبلہ پیر صاحب نے آپ کو معنعن اور صاحب مجاز کیا۔ آپ پر قبلہ پیر صاحب کی توجہات و عنایات سب سے زیادہ تھیں۔ اسی لئے آپکا سینۂ مبارک عرفانِ الٰہی کا مرکز انوار و تجلیات بن گیا۔ جس وقت آپ جمعہ کا وعظ ارشاد فرماتے تو عوام اور خواص سب حسب مراتب آپ کے مواعظِ حسنہ سے سیراب ہوتے۔ وعظ شریف کے دوران ایک عجیب روحانی کیفیت ہوتی، کوئی تو اللہ ہو کے نعرے بلند کرتے، کسی کے آنسو نہ تھمتے

اور کوئی محوِ حیرت و استغراق ہوتا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد حلقہ، ذکرِ الٰہی فرماتے۔

آپ نے چالیس برس تک اپنے والدِ عالی مرتبت کی مسجد یعنی درسگاہ میں قرآن مجید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ کا مکمّل و اکمل درس دیا۔ مثنوی شریف اور تصوّف کی دیگر کتب پڑھائیں۔

آپ کی وسعتِ علمی کا وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جو آپ کے درس میں یا آپ کے مواعظ میں مستقل طور پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ نیز جنھوں نے آپ کے اِس مقدّمہ کو پڑھا ہو جو آپ نے قبلۂ عالم حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی اِن فارسی تقاریر کے مجموعہ پر لکھا ہے، جو حضرت قبلہ پیر صاحب فصوص الحکم پر فرمایا کرتے تھے۔ وہی جان سکتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے آپ کو کتنے بحرِ بے کراں علم سے نوازا ہے اور اپنے شیخِ محترم کا عشق آپ پر اتنا مستولی اور غالب ہے کہ ہر وقت اپنے شیخ کا ہی تذکرہ آپ کی زبانِ فیض ترجمان پر رہتا ہے اور انہی کے ارشادِ عالیہ سے مجلس کو منوّر کرتے رہتے ہیں۔ اِس وقت اور اِس دور میں مسئلہ "وحدت الوجود" کے علم اور سمجھانے میں آپ مجتہد اور امام ہیں، اتنے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو آپ کا علم نہایت ہی آسان اور مختصر الفاظ میں حل فرما دیتا ہے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ اس وقت اگرچہ آپ کی عمر اسّی برس سے بڑھ چکی ہے مگر آپ کا علم اسی طرح پختہ اور جوان ہے۔ فتوحات، فصوص الحکم اور صوفیاء کی عبارات زبانی پڑھاتے ہیں اور اولیائے کرام کے اشعار بھی متعلقہ مسئلہ پر پیش فرماتے ہیں۔

آپ کے شاگرد اس وقت بھی صاحبِ افتاء اور صاحبِ درس ہیں اور ہزارہا لوگوں نے آپ کے درس سے فیض پایا ہے۔ آپ نہایت ہی خُلقِ محمّدی علی اللہ

علیہ وسلّم کا نمونہ ہیں۔ متواضع، منکسر المزاج، مہمان نواز، کریم النفس اور کمال درجے کے شفیق و مہربان ہیں۔ آپ کے اسی علم و فضل اور اخلاقِ حمیدہ کی وجہ سے پشاور کا ہر فرد آپ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم سب پر قائم رکھے آمین

آپ کے دو فرزند ہیں۔

جناب "بشیر احمد صاحب آج کل آپ اپنے والدِ محترم کے جانشین ہیں۔ درس کا کام آپ خود کرتے ہیں۔ ہفتہ میں تین دن ترجمہ و تفسیر پڑھاتے ہیں اور تین دن حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے خطبات وغیرہ بھی دیتے ہیں بہت ہی بلند اوصاف اور اوصافِ حمیدہ کے مالک ہیں۔ علوم کی تکمیل اپنے والد گرامی سے کی ہے اور منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ اِس وقت آپ کی عمر ۳۵ برس ہے۔

دوسرے فرزند مولینا مولوی غلام احمد صاحب ہیں، پشاور میں آپ "شیرِ سرحد" اور "ڈپٹی صاحب" کے القاب سے مشہور ہیں۔ شاعر بھی ہیں، کاملؔ تخلص کرتے ہیں۔ دینی تعلیم والد صاحب کے زیرِ سایہ کی۔ انھوں نے بھی منشی فاضل کیا ہے بہترین واعظ ہیں، تین تین گھنٹے مسلسل فرقِ باطلہ کا مدلّل رد کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۸ برس ہوگی۔

گویا پشاور شہر میں میاں صاحب کا گھرانہ مسلسل نوے برس سے قرآن و حدیث کی خدمت کر رہا ہے۔

حضرت اُستاذ الاساتذہ سیّد محمد ایوب شاہ صاحب جعفری

۱۳۱۶ھ (ابھی زندہ ہیں)

آپ کا اسم شریف سیّد محمد ایوب شاہ صاحب جعفری بن سیّد عمر قدس سرہٗ بن محمد حسن، بن محمد اکرم، بن محمد امان، بن پیر محمد صاحبان ہے۔ آپ کا لقب صدر المدرسین اور اُستاذ الاساتذہ ہے۔ جناب حضرت سیّد محمد امان صاحب علاقہ کابل (افغانستان) موضع چاردیہی کے رہنے والے تھے، وہاں سے چل کر موضع تھکال بالا میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کیمبلپور تشریف لے گئے۔ سرداران موضع موسیٰ نے آپ کو دو ۲ سو جریب زمین بطور ہدیہ کے نذرانہ پیش کی، آپ نے قبول کر لی اور مستقل سکونت موضع موسیٰ میں اختیار کر لی۔

حضرت مولینا محمد اکرم صاحب نے دینی علوم حاصل کئے اور اپنے لڑکے محمد حسن صاحب کو بھی بہت اچھی طرح تعلیم و تربیت سے پروان چڑھایا۔ جن جناب نے کافیہ پر کابلی اور باسولی شرحیں لکھیں وہ جناب مولینا سیّد محمد اکرم صاحب کے شاگرد تھے۔

جناب مولینا سیّد محمد ایوب شاہ صاحب جعفری کے والد جناب سیّد عمر صاحب

قدس سرہٗ بہت بلند پایہ عالم اور محدث تھے۔ یوسف زئی کے علماء سے علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ پشاور شہر کے علاقہ بھانہ ماڑی کے مشہور و معروف عالم جناب سید اکبر شاہ صاحب[1] مرحوم سے منطق پڑھی۔ جناب سید عمر صاحب مرحوم اپنے وقت کے صدر المدرسین تھے۔ پنجاب و سرحد کے بڑے بڑے اکابر و اعاظم علماء آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت استاذی مولینا مولوی سید محمد ایوب شاہ صاحب جعفری نے اپنے والد سے علوم اسلامیہ پڑھے۔ حضرت مولینا مولوی علّامۂ وقت قطب الدّین صاحب بن شہاب الدّین صاحب ساکن غور غشتی۔ حضرت فقیہہ اعظم مولینا مولوی محمد صدیق صاحب بن عبدالرحیم صاحب ساکن ڈاگی یار حسین، حضرت مولینا صاحب ڈھیری میاں گان نزد صوابی، حضرت مولینا میاں صاحب مولوی محمد شریف صاحب ساکن نروبی، حضرت علّامہ فقیہہ عصر ملا صاحب شاہ منصور اور اسی طرح آپ نے کئی اور اُستاذانِ کاملین سے علمِ تفسیر، اصُولِ تفسیر، فقہہ، اصول فقہہ، منطق، فلسفہ، الٰہیات، فصاحت و بلاغت، ہئیت، نجوم کا علم حاصل کیا۔ علمِ حدیث اور اصولِ حدیث حضرت محدّث جلیل علّامۂ اجل مولینا مولوی شاہ رسول[2] صاحب ساکن بالا گھڑی نزد مردان سے مکمل پڑھ کر سند حاصل کی۔ جب

---

[1] سیّد اکبر شاہ صاحب مرحوم کے صاحبزادہ حضرت علّامہ سیّد حبیب شاہ صاحب مرحوم پھر جناب مولینا مولوی سیّد عمر صاحب کے شاگرد تھے۔

[2] حضرت محدّث جلیل علّامۂ اجل شاہ رسول صاحب نے سند حدیث حضرت محدثِ اعظم مولینا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے حاصل کی تھی، آپ مدرسہ اسلامیہ خواجہ معروف صاحب گنج میں مدرس تھے، اس مدرسہ کے بانی بیوی ذوکفا صاحبہ، حکیم عبداللطیف صاحب اور سیّد مقبول شاہ صاحب کلاہ فروش تھے۔

آپ نے سندِ فراغت حاصل کرلی تو اسی مدرسہ میں جس میں کہ آپ کے اُستاذ حدیث مدرس تھے (یعنی مدرسہ اسلامیہ خواجہ معروف صاحب گنج پشاور) مبلغ ۱۵ روپیہ ماہوار پر مدرس مقرر کئے گئے۔

۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک یعنی پورے چودہ برس دار العلوم رفیع الاسلام بھانہ ماڑی پشاور میں بحیثیت صدر المدرسین درس نظامی کا مکمل درس دیتے رہے۔ استفتار کا کام آپ ہی سرانجام دیتے، اور دیگر مقدمات اور جھگڑے جو آتے وہ آپ ہی فقہ حنفی کی روشنی میں فیصلہ کرتے۔

۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک گورنمنٹ ٹریننگ سکول میں ایس وی کی کلاسوں کو پڑھاتے رہے۔ پھر ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک یعنی دس برس اسلامیہ ہائی سکول (گورنمنٹ ہائی سکول ۳) میں عربی مدرس رہے۔ ۱۹۵۸ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک آپ مردان کی اکبر موریل کالج کی جامع مسجد المعروف "مسجد زبیدہ" میں خطیب رہے۔ اور درس بھی پڑھاتے۔

سلم، میرزاہد، قطبی، کبریا اور قاضی مُبارک وغیرہ منطق کی کتابیں زبانی یاد ہیں۔ مناظرہ سے آپ ہمیشہ یکسو رہتے ہیں۔ مگر تحقیق حق آپ کا شعار ہے۔ مجتہدانہ خیالات کے حامل ہیں۔ حافظ الفقہ اور حافظ الحدیث ہیں۔

اعتقاداً حنفی سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا "کہ میں اعلیٰحضرت احمد رضا خان کی تحقیق کو حق سمجھتا ہوں اور اولیاء کرام کی کرامات زندگی اور موت کے بعد حق جانتا ہوں" نیز آپ آج کل کے بدمذہبوں کا رد بڑی شدت سے کرتے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کی سند بھی لی ہے۔

آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ صُوبۂ سرحد اور افغانستان کے علاقہ میں ہر جگہ آپ کے شاگرد صاحب درس و افتاء ہیں، اور علم کے مدارج علیا پر فائز ہیں صرف آپ کے شاگرد صاحب علم و فضل ہی نہیں، بلکہ صاحبِ سلوک اور سجادہ نشین بھی ہیں۔ اسی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات علم اور تصوّف کی جامع ہے

بر صوات میں پیر سے بابا صاحب، پشاور شہر میں جناب آقا سیّد شریف حسین صاحب قادری چشتی، علاقہ فیلو تر ڑے صوات میں حضرت مولینا مولوی محمد اسماعیل صاحب صاحبان سجادہ تھے اور موخر الذکر اپنے علاقہ کے قاضی کے عہدہ پر فائز ہیں۔

جناب مولینا مولوی سیّد محمد ایوب جان صاحب بنوری، آپ نے بھی ریاضی اور مطول تک کتابیں آپ سے پڑھیں۔ آج کل دار العلوم سرحد کے مہتمّم ہیں اور حدیث شریف (صحاح ستہ) پڑھاتے ہیں۔ جناب مولانا مولوی عبد اللطیف صاحب شیخ الحدیث دار العلوم سرحد، جناب مولینا مولوی عبد الودود صاحب قریشی مہتمم دار العلوم اشرفیہ پشاور، جناب مولینا مولوی حاجی غلام سرور صاحب ساکن تکیہ گنج مردان۔ آپ مردان میں خطیب ہیں۔ جناب حضرت مولینا مولوی سیّد مُبارک شاہ صاحب ڈسٹرکٹ خطیب بھانہ ماڑی پشاور، جناب مولینا مولوی محمد یعقوب صاحب اور جناب مولینا مولوی محمد صاحب ساکناں کٹہ خٹ، علاقہ مردان اور جناب سیٹھی محمدؐ اسماعیل صاحب ایم۔ اے پرنسپل گورنمنٹ کالج پشاور اور اس فقیر کو بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

اگرچہ اس وقت آپ پر ہلکا سا فالج کا حملہ ہوا ہے جس کا اثر بینائی پر بھی ہوا۔ مگر پھر بھی آپ کا ذہن اور علم اسی طرح جوان ہے۔ حافظہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ آپ کی عمر ۷۶ برس ہے۔

تکمله

حضرت شیخ جنید پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۰۶۹ھ تا سنہ ۱۱۹۶ھ

آپؒ[1] کا مشہور اسم گرامی شیخ جنید پشاوری ہے اور القاب شیخ المشائخ، بحرِ معانی اور جنید ثانی ہیں۔

آپ حیدر آباد (سندھ) میں ۲۷ ر رجب المرجب سنہ ۱۰۶۹ھ بروز پنجشنبہ (جمعرات) پیدا ہوئے۔ حیدر آباد میں ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بزرگ ولی اللہ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب[2] سندھی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مرید ہو کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ جناب حضرت میاں عبدالحی صاحب

---

[1] مندرجہ بالا معلومات خادم درگاہ حضرت شیخ جنید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جناب عبدالقیوم صاحب سے ایسے وقت میں فراہم ہوئیں جبکہ کتاب کی کتابت مکمل ہو چکی تھی۔ اس لئے مجبوراً آخر میں تکملہ کے طور پر یہ مضمون شامل کر دیا گیا۔

[2] حضرت میاں عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ ر ذی القعدہ سنہ ۹۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ ر شوال سنہ ۱۱۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

نقشبندی سندھی نے ۱۶ر شوال ۱۲۴۹ھ میں حضرت گرامی منزلت شیخ سعد اللہ[1] صاحب وزیر آبادی سے بیعت ہو کر سندِ خلافت حاصل کی تھی۔

حضرت شیخ جنید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سلسلہ نقشبندیہ میں سلوک و معرفت کے منازل طے کر چکے تو سیاحت کے لئے رختِ سفر باندھا۔ حیدر آباد سے روانہ ہو کر آپ ملتان پہنچے۔ اس وقت ملتان میں حضرت قطب الاقطاب شیخ احمد ملتانی قادری کا سلسلہ عالیہ قادریہ میں علم شیخیت بلند تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید ہو گئے اور زہد و ریاضت و چلہ کشی شروع کر دی۔

آپ زاہد مرتاض تھے۔ قائم اللیل، اور صائم الدھر تھے، زہد و ریاضت آپکا شعار تھا۔ سلسلہ ہائے طریقت کی اشاعت و ترویج آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ اور شریعتِ محمدیہ و اتباعِ سنت کا آپ مظہر اتم تھے۔

ملتان سے روانہ ہو کر مختلف ممالک میں تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے پشاور پہنچے۔ پشاور کے مشرقی جانب گنج دروازہ کے باہر آپ نے ایک جھونپڑی بنا کر یادِ الٰہی کی تعلیم شروع کر دی۔ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا حسبِ توفیق سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کرتا۔

ہندوستان میں آپ نے طریقہ نقشبندیہ کو خوب پھیلایا۔ اور جناب حضرت شاہ عبد الکریم رامپوری کو سند خلافت عطا فرمائی۔ ویسے تو اس سلسلہ میں آپ کے بہت خلفاء تھے مگر حضرت شاہ عبد الکریم رامپوری آپ کے خلیفہ اکبر تھے۔

---

[1] جناب حضرت سعد اللہ صاحب وزیر آبادی نے ۱۹ر ذی الحجہ ۱۲۰۲ھ میں انتقال کیا۔

صوبہ سرحد، آزاد قبائل، افغانستان کا تمام علاقہ، ہرات، غزنی تک آپ سے سلسلہ عالیہ قادریہ پھیلا، اس تمام علاقہ میں آپ کا سلسلہ "قادریہ زاہدیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے خلیفۂ اکبر جناب حضرت حافظ محمد صدیق صاحب پشوری تھے۔ آپ کے سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر مشائخ گذرے ہیں جو کہ زاہد اور مجاہد بھی تھے حضرت مجاہد جلیل و عظیم جناب اخوند صاحب صوات، حضرت مجاہد اعظم جناب خواجہ نجم الدین صاحب المعروف "ہڈہ ملا صاحب" اور جناب مجاہد کبیر حضرت حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین آپ ہی کے سلسلہ کے بزرگ ترین شیخ تھے۔

آپ کی تربیت رُوحانی بطریق اویسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی تھی، اسی لئے آپ کے سلسلہ میں اویسی نسبت غالب ہے۔

آپ مصدر کرامات تھے۔ پشاور شہر کا ہر فرد آپ کے فیوضاتِ باطنی و ظاہری کا معترف ہے اور ہر وقت آپ کے مزار پر زائرین کا اژدھام ہوتا ہے۔

آپ کی وفات ۲۸ر شوال ۱۰۹۸ھ میں بروز جمعہ ہوئی۔ آپ کا مزار گنج دروازہ کے باہر مرجع عوام و خواص ہے۔

لہ آپ کی وفات ۱۷ر ماہ صفر المظفر ۱۱۸۹ھ میں ہوئی۔

حضرت حاجی سید اکبر شاہ صاحب بخاری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۷ھ تا ۱۳۴۷ھ

آپ کا اسم گرامی سید میر اکبر شاہ صاحب بخاری والد کا نام شریف سید میر حیدر شاہ صاحب بخاری تھا اور لقب "پیر بخاری" تھا۔ پشاور شہر کے محلہ ریتی میں سکونت پذیر تھے۔ پشاور کے علماء سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ آپ بچپن ہی سے زہد و عبادت کی طرف مائل تھے۔ اسی فکر کے تحت آپ موہڑہ شریف (کوہ مری) حضرت خواجہ قاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں داخل کیا۔ سلوک کی تکمیل کے بعد آپ کو خلافت سے نوازا۔ انھوں نے آپ کو صرف نقشبندیہ سلسلہ کی اجازت ہی مرحمت نہیں فرمائی بلکہ دیگر تینوں سلاسل یعنی چشتی سہروردی اور قادری سلسلہ کی بھی اجازت دے کر ممتعن فرمایا۔ آپ نے پشاور شہر میں سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی۔ چونکہ آپ صاحب علم و عمل تھے اس لئے آپ کی صحبت بابرکت کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے مشائخانہ طریقہ کو قائم کر کے حلقہ ذکر قائم کیا، اور نہایت ہی احسن طریقہ پہ اس حلقہ کو تادم حیات قائم رکھا۔

پ نہایت ہی محبت، پیار اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق سے پیش آتے انتہائی سادہ وضع با اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ صاحب کرامات اور بابرکت تھے۔ ۲۱ر رمضان المبارک کو ہمیشہ اپنے گھر پر حضرت اسد اللہ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک بڑے اہتمام سے منعقد کرتے۔ تمام رات ذکرِ الٰہی کے حلقہ میں گذار دیتے۔ آپ پر اپنے شیخ کی خاص توجہ تھی، جس کی برکت سے آپ فتوحات، کشف اور کرامات کے دروازے کھل گئے تھے۔ آپ کے کشف و کرامات کے دو واقعات نقل کرتا ہوں۔

جب آپ کا وصال ہونے لگا تو اس دن آپ نے فرمایا۔ کہ "آج تقریباً ۹ بجے عشاء میری روح پرواز کر جائے گی۔ (چونکہ رمضان شریف کی اکیسویں رات تھی اور آپ ہمیشہ حضرت اسد اللہ الغالب مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا عرس مبارک اسی رات کرتے تھے) لہذا میری وفات پر رونا نہیں بلکہ میرے وجود کو نیچے کمرے میں رکھ دینا اور باقاعدہ ختم شریف پڑھنا عرس سے فارغ ہو کر میری فوتیدگی کا اعلان کرنا۔" نیز فرمایا کہ میرا جنازہ پڑھانے کے لئے خود بخود وہاں یعنی جنازہ گاہ میں ایک مولانا آموجود ہوگا وہ میری نمازِ جنازہ کی امامت کرائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب جنازہ پڑھنے کے لیے چارپائی رکھی گئی تو ایک بزرگ صورت مولینا صاحب بغل میں جائے نماز لئے ہوئے

؎ بروایت خلیفہ کالا خان۔ یہ صاحب آپ کے خلیفہ ہیں اور اس وقت زندہ ہیں۔ ان کی عمر ۸۰ برس کے قریب ہوگی۔

آ موجود ہوئے اور جو حلیہ اور پتہ آپ نے بتایا تھا یہ وہی صاحب تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھا دی"۔

یہی خلیفہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ" ایک ہندو کی چوری ہو گئی اور اس کا کافی مال چوری ہو گیا تھا۔ آپ اپنے گھر کے اندر تشریف فرما تھے اور میں بھی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا۔" خلیفہ دروازہ پر ایک ہندو کھڑا ہے اس کو اندر بلا لاؤ" جب میں دروازہ پر گیا تو واقعی ایک ہندو کھڑا تھا۔ میں نے اُس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُس نے اپنی چوری کا ذکر کیا اور طالب دُعا ہوا۔ آپ نے فرمایا۔" گھبراؤ نہیں تمہارا مال تمہیں مل جائے گا" وہ چلا گیا۔ چار دن کے بعد وہ ہندو مٹھائی وغیرہ لے کے حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میرا مال آپ کی دُعا اور برکت سے برآمد ہو گیا ہے اور یہ شیرینی حاضر ہے آپ نے فرمایا "یہ شیرینی واپس لے جاؤ اور اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کر دو"

آپ کی وفات ۲۱ رمضان ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔

آپ کے دو فرزند تھے سید یعقوب شاہ صاحب بخاری اور سید فرمان شاہ صاحب، ہر دو حضرات صاحب سلسلہ تھے اور والد صاحب کی طرح ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ سید یعقوب شاہ صاحب بخاری ۱۹۳۱ء میں فوت ہوئے۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ سید محسن شاہ صاحب ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں۔ سید پھول بادشاہ صاحب پاکستان کے بڑے تاجروں سے ایک تاجر ہیں اور پاکستان کی ایوان ہائے تجارت کی انجمن کے صدر رہے ہیں۔ سید الحاج تاج میر شاہ صاحب اور سید جماعت علی شاہ صاحب بھی لوہے کی تجارت کرتے ہیں۔ جناب الحاج

سید ظفر علی شاہ صاحب اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چل کر مذہبی اور قومی "قابلِ قدر" خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے پشاور شہر میں ایک مذہبی ادارہ "ادارہ تبلیغ الاسلام" کے نام سے تشکیل دیا۔ اس ادارہ کے زیرِ اہتمام محرم شریف کے دس دن اور ربیع الاوّل شریف کے بارہ دن معرکۃ الآرا تاریخی اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے۔ ان جلسوں میں پاکستان بھر کے جید اور چوٹی کے علماء کرام تشریف لاکر قوم کو خطاب کرتے ہیں۔ یہ اجتماعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی بابرکت اور سعادت کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ اس ادارہ کے صدر ہیں۔

۱۹۶۲ء میں پشاور شہر کے مقتدر اصحاب نے مل کر "ادارۂ اصلاحِ معاشرہ" بنایا جس کا مقصد جاہلی رسم و رواج اور بدعات کے خلاف عملی کام کرنا تھا۔ اس ادارہ کا صدر بھی آپ کو منتخب کیا گیا۔

مسلم لیگ کی تحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عملی طور پر لیگی سیاست میں نمایاں کارکردگی سرانجام دی۔

۱۹۶۰ء میں آپ نے حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۷ برس ہوگی۔